عرب اور موالی

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

قرطاس

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

ڈاکٹر اقبال مہدی کیلئے

بہ احترامات فراواں

عرب اور موالی

نگار

۷ جنوری ۲۰۱۱

کراچی

(پہلی صدی ہجری کے اسلامی معاشرے میں موالی کی سماجی حیثیت و علمی مرتبہ)

ذخیرہ محمد اقبال مجددی لاہور

نگار سجاد ظہیر

شعبہ اسلامی تاریخ

جامعہ کراچی

قرطاس

Marfat.com

قرطاس

سلسلۂ مطبوعات............٦١

ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ/دسمبر ۲۰۰۶ء

134999

قرطاس

پوسٹ بکس نمبر 8453

کراچی یونیورسٹی،

کراچی۔ 75270

موبائل 0300-9245853

ای میل۔

nigarszaheer@yahoo.com

Marfat.com

☆☆☆ انتساب ☆☆☆

اپنے اساتذہ کرام:

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم (مرحوم)

☆ پروفیسر علی محسن صدیقی

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر

کے نام، جن کی

خصوصی توجہ کے بغیر میرے کام کی تکمیل ممکن نہ تھی

نگار

Marfat.com

فالخیل و اللیل و البیداء تعرفنی
والسیف والرمح و القرطاس والقلم

(المتنبی)

(اور گھوڑے اور رات اور صحرا مجھے جانتے ہیں
اور تلوار اور نیزہ اور کاغذ و قلم)

Marfat.com

فہرست

ترتیب			صفحہ نمبر
مقدمہ			IX
باب اول :		لفظ مولیٰ کی تشریح وتوضیح	۱
باب دوم :		عہدِ جاہلیہ میں موالی	۱۸
باب سوم :	فصل اول :	اسلامی معاشرہ کا قیام	۵۷
	فصل دوم :	اسلام میں غلامی کا تصور	۷۷
	فصل سوم :	اسلامی معاشرہ میں موالی کی سماجی حیثیت (عہد رسالت)	۱۰۵
باب چہارم :		موالی.... عہد خلافت راشدہ میں	۱۴۳
باب پنجم :		موالی معاشرے کا جارح عنصر	۱۷۲
باب ششم :		موالی ،حکومتی ردعمل کی زد میں	۱۹۷
باب ہفتم :		ترویج علوم میں موالی کا حصہ (پہلی صدی ہجری)	۲۴۷
نتائج تحقیق			۳۱۰
اشاریہ			۳۲۶
کتابیات			۳۴۰

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اظہارِ تشکّر :

پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ کو کتابی شکل میں طبع کرانے کا ارادہ ہوا تو میں نے یہ مسودہ اپنے استاد محترم پروفیسر علی محسن صدیقی صاحب کو اس خیال سے بھجوایا کہ وہ اس پر ایک نظر ڈال لیں، تا کہ مقالہ میں جو کمی رہ گئی ہے یا تسامحات سرزد ہوئے ہیں یا اگر کہیں اصلاح کی گنجائش ہے تو اشاعت سے قبل کر لی جائے۔ عدیم الفرصتی کے باوجود جناب صدیقی صاحب نے جس طرح میرا طویل مقالہ لفظاً لفظاً پڑھا اور اصلاح فرمائی اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مقالہ حتی المقدور غلطیوں سے پاک ہو گیا اور اب میں اپنا یہ کام اطمینان قلب کے ساتھ پیش کر سکتی ہوں۔ ان کے لیے ''شکریہ'' کا لفظ بہت چھوٹا ہوگا۔ ان کی نظر ثانی نے میرے مقالہ کو جو وقار بخشا ہے، وہ میرا سرمایہ افتخار ہے۔

ڈاکٹر سلیم صاحب کی شدید علالت کے دوران میں نے اپنا مقالہ BASR میں جمع کرایا تھا، اس سے قبل کہ مجھے ڈگری ایوارڈ ہوتی، اور میرے ممتحن حضرات (پروفیسر سید سلمان ندوی اور ڈاکٹر عبدالحق انصاری) کی شاندار رپورٹ سے وہ شادکام ہوتے، پیغام اجل آ پہنچا اور وہ راہیِ ملک عدم ہوئے۔ اس کے بعد کے تمام انتظامی مراحل پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر صاحب کی راہنمائی میں طے کئے گئے، ڈاکٹر صاحب کی شفقت، راہنمائی اور تعاون نے ہر مرحلہ آسان کر دیا، ورنہ ہو سکتا تھا کہ جامعہ کراچی میں بعض اساتذہ کی ناروا سیاست اور بے جا حسد راہ کھوٹی کرتا۔ آج میں جس مقام پر ہوں (یعنی شعبۂ اسلامی تاریخ کی سربراہ)، یہ ڈاکٹر صاحب کی خصوصی توجہ، مہربانی، عنایت اور شفقت کی وجہ سے ہے۔ ان کے لئے بھی ''شکریہ'' کا لفظ بہت معمولی اور حقیر ہے۔

آخر میں اعتراف کروں گی کہ اپنے والدین کی دعاؤں، اور بچوں کے غیر مشروط تعاون کے بغیر چار سال پر پھیلا ہوا یہ کام، سمٹ نہ سکتا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مقدمہ

پہلی صدی ہجری کی سیاسی، تہذیبی و علمی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے تاریخ کے طالب علم کے ذہن میں ''موالی'' کے حوالے سے بہت سے سوالات ابھرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ لفظ ''موالی'' کا اطلاق کن پر ہو سکتا تھا، اس 'ادارہ' کی اس عہد میں کیا ضرورت تھی۔ قرآن موالی کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اسلام نے ان کو کیا سماجی مقام عطا کیا، نیز عربوں کی قبائلی عصبیت اور فاتحانہ ارستقراطیت (Aristocracy)، بعد میں ان کا یہ مقام کس حد تک برقرار رکھ سکی۔ خود موالی، قبول اسلام کے بعد، اسلامی روح سے کس حد تک واقف ہو سکے اور اپنی سابقہ قومی عصبیت سے کس حد تک دست بردار ہو سکے، ان کے سیاسی عزائم نے بنو امیہ کی حکومت کے لئے کن خطرات کو جنم دیا اور یہ کہ زیر نظر صدی اور اس سے ملحقہ دوسری صدی ہجری میں اٹھنے والے بیشتر مذہبی فتنوں میں دست موالی کی کارفرمائی کا کیا سبب تھا۔

پھر یہ علمی مسئلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا، جس طرح اس امر کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلام نے انسانی سماج کو قدیم عصبیتوں سے نجات دلانے میں جو کامیابی حاصل کی اس کے وسائل و مدارج اس عالم اسباب میں کیا رہے۔ وہیں اس امر کے بارے میں تحقیق بھی، تاریخ کی اہم ضرورت ہے کہ اسلام نے انسانی سماج کو جب قدیم جاہلانہ عصبیتوں سے پاک کر دیا تھا تو پھر نصف صدی کے اندر اندر ہی وہ کیونکر سابقہ شدت سے انہی جاہلانہ عصبیتوں میں گرفتار ہو گیا۔

زیر نظر مقالہ میں انہی سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ

Marfat.com

پہلی کوشش نہیں ہے۔ اس موضوع پر جرجی زیدان، احمد امین المصری، حسن ابراہیم حسن اور مستشرقین میں سے خصوصاً ولہاوزن ، (J. WELLHAUSEN) لیوی (REUBEN LEVY) گولڈزہیر ، (GOLD ZIHER) اور گب (H. A. R. GIBB) وغیرہ نے اظہار خیال کیا ہے۔ مگر اس موضوع پر کافی کچھ کہنے کی گنجائش پائی گئی ہے اور بعض مورخین نے جن نتائج کا استخراج کیا ہے وہ خاصے متنازعہ رہے ہیں، اس ضمن میں ایک معتدل اور معروضی فکر کی ضرورت مستقل محسوس کی جا رہی تھی اور یہی ضرورت میرے لئے اس موضوع کے انتخاب کا سبب بنی۔

اس علمی مسئلہ کے لئے پہلی صدی ہجری کے دور کو منتخب کرنے کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ موالی کے سماجی مرتبے کے تعین کا اہم اور حل طلب مسئلہ اٹھا ہی اس صدی میں تھ اگر ایک طرف عربوں کو اپنی عربیت پر ناز تھا تو دوسری طرف عجمیوں خصوصاً ایرانی موالی کو اپنے شاندار سابقہ ساسانی تمدن پر غرور تھا اور فتوحات کے نتیجے میں جب یہ دونوں تہذیبیں ٹکرائیں تو فاتحین (یعنی عربوں) کے قائم کردہ ریاست و معاشرہ میں مفتوحین (یعنی موالی) کے سماجی مرتبہ کا تعین ایک اہم اور نازک مسئلہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس پر سے مستزاد یہ کہ اسی صدی میں مختلف مذہبی فرقوں، مثلاً شیعہ، خوارج اور مرجۂ وغیرہ کا ظہور ہوا، جن کے سیاسی و تمدنی نظریات نے اس سماجی مسئلہ کو اپنے اپنے تناظر میں حل کرنے کی کوشش کی۔

''تاریخ'' ایک ایسا مضمون ہے جس میں قیاسات و تاویلات سے کام لینے کی گنجائش ہوتی ہے۔ خصوصاً اسباب واقعات معلوم کرنے کے معاملہ میں مورخ کو بیشتر حالات میں قیاس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں علوم سائنس کا معاملہ دوسرا ہے۔ سائنس میں جب کوئی نتیجہ حاصل کرنے یا سبب معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تجربہ گاہ میں جا کر بڑی حد تک حتمی سبب حاصل کر لینا اور پھر متعدد تجربات کے ذریعہ اس کی

Marfat.com

تصدیق بھی کر لینا ایک امر ممکن ہے۔ مگر یہ معاملہ تاریخ کے ساتھ نہیں ہے۔

علم التاریخ کا شاید سب سے دشوار اور کٹھن مرحلہ (جس سے اس مقالہ کی تیاری کے دوران مجھے بارہا گزرنا پڑا) وہ ہوتا ہے جب مورخ کسی تہذیب کا ایسا کیمیائی تحلیل و تجزیہ کرنا چاہے، جس کے ذریعہ وہ اس کے داخلی عناصر کی اصلیت کا پتہ چلا سکے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس تہذیب پر وقت کا ایک طویل عرصہ گزر چکا ہو۔ ابھی تک کوئی ایسی کیمیائی تجربہ گاہ (Laboratry) وجود میں نہیں آئی ہے (اور نہ ہی آ سکتی ہے) جو تاریخی تحلیل کا حتمی کام انجام دے سکے اور نہ ہی کوئی ایسی خوردبین (Microscope) ایجاد ہوئی ہے جو ان تہذیبی عوامل کی تمام تر باریکیوں کے ساتھ وضاحت کر سکے، جنہوں نے کسی تہذیب کی تشکیل میں خاص حصہ لیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں کوئی بات بھی 'حرف آخر' نہیں ہوتی۔ لہٰذا مجھے بھی اس بات کا دعویٰ نہیں ہے کہ یہ مقالہ اس موضوع پر حرف آخر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ سے مختلف ذہن، مختلف نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس موضوع پر بھی مزید کچھ کہنے کی گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس مقالے کے حوالے سے پہلی صدی ہجری کی سیاسی، تہذیبی اور علمی تاریخ پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اموی عہد کی بیشتر تاریخیں، عباسی عہد میں لکھی گئیں، جو دونوں حکمران خانوادوں کے مابین ایک طویل کشمکش اور عرب و موالی تعلقات کے حوالے سے بھی معروضیت کے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق کا صحیح ادراک کر کے اس عہد کی سیاسی و معاشرتی تاریخ بیان کرنا واقعتاً جان جوکھوں کا کام ثابت ہوا۔

پی ایچ۔ ڈی کی تکمیل کے لئے یہ مقالہ ڈاکٹر محمد سلیم صاحب، سابق صدر شعبہ

Marfat.com

اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی کی زیرنگرانی مکمل کیا گیا ہے۔ بڑھاپے اور ناسازئی طبع کے باوجود ان کی توجہ اور تعاون پر میرا رواں رواں ان کا شکرگزار ہے۔

نگار سجاد ظہیر

۱۵ر جنوری ۱۹۹۸ء

بمطابق ۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

☆☆☆☆☆

Marfat.com

باب اول

لفظ مولیٰ کی تشریح وتوضیح

عربی زبان سامی زبانوں میں نہایت اہم ہے، بلکہ اس بناء پر کہ سامی اقوام کا مسکن اول ''عرب'' ہی ہے اور یہیں سے سام کی یہ نسل عرب کے قرب و جوار کے ملکوں میں نقل مکانی کر کے آباد ہوئی، امم سامیہ کی اولین زبان جو وہ بولتے تھے ''عربی'' ہی ہے۔ یوں عربی زبان کو عراق کی آرامی، کلدانی، نبطی اور الجزیرہ کی سریانی اور ارض کنعان کی عبرانی زبانوں کی اساس قرار دیا گیا ہے اور اس مفہوم میں اسے ''ام السنہ'' ثابت کیا گیا ہے۔ عربی زبان کی وسعت و گیرائی یہیں ختم نہ ہوئی بلکہ بحیرہ ''احمر'' کو پار کر کے افریقہ میں بھی اس نے قدم جمائے اور مقامی زبان کے امتزاج سے عربی کی وہ شاخ وجود میں آئی جسے حبشی کہا جاتا ہے۔ اس طرح عرب کے نقل مکانی کرنے والے قبائل مصر میں بھی داخل ہوئے اور سائکلوس (چرواہے) بادشاہوں کے نام سے ''مصریات'' میں انہیں نمایاں حیثیت ملی اور ان کی تہذیبی ولسانی چھاپ قبطی زبان پر بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ بحر روم کے ساحلوں سے عرب آباد کار فیونیقی اور قرطاجنی ناموں سے شمالی افریقہ کے اس ساحل تک پہونچے جو مغربی یورپ کے مقابل ہے۔ ان نقل مکانی کرنے والے عربوں کی تہذیب و زبان نے ان خطوں کے باشندوں پر بھی اپنے واضح نشانات ثبت کئے جو بربری زبان پر آج بھی واضح طور سے موجود ہیں۔

عربی زبان اپنی وسعت اور پنہائی کے باعث نہایت ''دولت مند'' زبان ہے اور اس کے ذخیرہ الفاظ میں اتنی کثرت ہے کہ شاید ہی کوئی زبان اس سے ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ عربی میں ایک لفظ کے متعدد معانی اور بہت سے ہم معنی الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً شہر کے لئے عربی میں بیسیوں الفاظ ہیں اور ''عین'' کے بیسیوں

Marfat.com

معانی ہیں۔ اس مقالہ کی حد تک صرف ایک لفظ کی تفصیل برمحل ہوگی اور وہ ہے لفظ ''مولیٰ'' جو متعدد معانی و مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔

مولیٰ (جمع موالی) عربی زبان کا ایک کثیر المعنی لفظ ہے۔ مولیٰ کا مادہ وَلِیَ ہے۔ جس کے معنی قرب اور نزدیکی کے ہیں۔ عربی محاورہ ہے۔ تبا عدنا بعد ولی یعنی ہم نزدیکی کے بعد دور ہو گئے۔(۱)

وَلاء (واؤ پر زبر) مِلک اور محبت کو کہتے ہیں۔ مولیٰ اسی سے مشتق ہے۔ جس کے معنی مالک کے ہیں۔(۲)

وِلاء (واؤ پر زیر) اس میراث کو کہتے ہیں جو کسی سے عقد موالات کی وجہ سے ملے۔

ان مختلف مشتقات کے مصادر مختلف ہیں۔ ''وَلایہ'' (واؤ پر زبر) نسب، نصرت اور عتق کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ''وِلایعہ'' (واؤ پر زیر) امارت و حکمرانی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔(۳) اور موالاۃ عہد یا معاہدہ کے لئے مستعمل ہے۔ ''موالاۃ'' کی ضد ''معاداۃ'' اور ولی کی ضد عَدَوَ ہے۔(۴)

لفظ ''ولاء'' اور ''توالی'' دراصل دو چیزوں میں ایسی کیفیت اتصالیہ کو کہتے ہیں کہ درمیان میں اجنبیت حائل نہ رہے۔ مجازاً مراد قرب ہوتا ہے۔ خواہ یہ قرب مکانی ہو یا نسبی، دینی ہو یا دنیاوی، اعتقاد کے اعتبار سے ہو یا امداد کے اعتبار سے یا مالکیت و مملوکیت کے اعتبار سے، یوں دو یا دو سے زائد افراد کو باہم اتحاد کی وجہ سے ایک دوسرے کا مولیٰ، ولی اور متولی کہا جائے گا۔(۵)

قرآن کی رو سے

قرآن مجید میں یہ لفظ اکیس مرتبہ آیا ہے۔(۶) اور مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اگر ان معنوں کی درجہ بندی کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں لفظ مولیٰ مندرجہ ذیل تین معنوں میں استعمال ہوا ہے

(i) حقیقی مالک یا آقا:

قرآن مجید میں بعض موقعوں پر یہ لفظ خود اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جس

Marfat.com

کے معنی مالک حقیقی اور آقا کے ہیں۔ وہ مقامات یہ ہیں:

(الف) انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفرین (البقرہ۔۲۸۶)

(تو ہمارا مالک ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر)

(ب) ثم ردوا الی اللہ مولھم الحق ط (الانعام۔۶۲)

(پھر سب کے سب اللہ، اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں)

(ج) و ردوا الی اللہ مولھم الحق و ضل عنھم ما کانوا یفترون (یونس۔۳۰)

(اور سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے گم ہو جائیں گے)

(د) واعتصموا باللہ ھو مولکم ج فنعم المولی و نعم النصیر (الحج۔۷۸)

(اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ وہ تمہارا مولا، بہت ہی اچھا مولیٰ ہے اور وہ بہت ہی اچھا مددگار ہے)

(ii) نگران، سرپرست، متولی، کارساز یا رفیق:

مولیٰ کے دوسرے معنی نگراں، سرپرست، متولی، کارساز یا رفیق کے ہیں۔ یہ لفظ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ اور مجازاً بھی استعمال ہوا ہے

حقیقی معنوں میں مندرجہ ذیل آیات میں مذکور ہوا ہے

(الف) وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولکم ط نعم المولی ونعم النصیر (الانفال۔۴۰)

(اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے)

(ب) قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ج ھو مولنا ج و علی اللہ فلیتوکل المومنون (التوبہ۔۵۱)

Marfat.com

(کہو ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے اللہ ہی ہمارا کارساز ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے)

(ج) ذلک بان الله مولی الذین امنوا و ان الکفرین لا مولی لهم (محمد۔۱۱)

(یہ اس لئے کہ ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ ہے اور کافروں کا کارساز کوئی نہیں)

(ہ) والله مولکم ج و هو العلیم الحکیم (التحریم۔۲)

(اللہ تمہارا کارساز ہے، اور وہی علیم و حکیم ہے)

(و) و ان تظهرا علیه فان الله هو مولٰه (التحریم۔۴)

(اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے باہم جتھہ بندی کی تو جان رکھو کہ اللہ اس کا کارساز ہے)

یہی الفاظ مجازاً بھی استعمال ہوئے ہیں:

(الف) و ضرب الله مثلاً رجلین احدهما ابکم لا یقدر علی شیء و هو کل علی مولٰه لا (النحل۔۷۶)

(اللہ ایک اور مثال دیتا ہے۔ دو آدمی ہیں۔ ایک گونگا بہرا ہے، کوئی کام نہیں کرسکتا اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے)

(ب) یدعوا لمن ضره اقرب من نفعه ط لبئس المولی و لبئس العشیر (الحج۔۱۳)

(وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے۔ بدترین ہے اس کا یہ مولیٰ اور بدترین ہے اس کا یہ رفیق)

(ج) ادعوهم لابائهم هو اقسط عند الله ج فان لم تعلموا اباء هم فاخوانکم فی الدین و موالیکم ط (الاحزاب۔۵)

(ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں)

Marfat.com

(ہ)ماو کم النار ط هی مولکم ط و بئس المصیر (الحدید۔۱۵)

(تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور یہ بدترین انجام ہے)

(iii) عصبات اور قرابتدار:

مولیٰ کا لفظ قرآن حکیم میں عصبات، قرابتدار اور بنو اعمام کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، ان معنوں میں یہ لفظ سورۃ النساء، سورۃ دخان اور سورۃ مریم میں آیا ہے۔

(الف) ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدن والاقربون ط والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم ط(لنساء۔۳۳)

(ماں باپ اور قرابت دار جو چھوڑ کر مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی (معاہدہ کیا ہے) انہیں ان کا حصہ دو)

(ب)و انی خفت الموالی من وراء ی و کانت امراتی عاقراًفھب لی من لدنک ولیاً O (مریم۔۵)

(مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے۔ میری بیوی بھی بانجھ ہے تو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما)

(ج) یوم لا یغنی مولیً عن مولیً شیا ءً ولا ھم ینصرون(الدخان۔۴۱)

(وہ دن جب کوئی قریبی عزیز اپنے کسی قریبی عزیز کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کہیں سے انہیں کوئی مدد پہنچے گی)

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن میں لفظ ''مولیٰ'' کہیں بھی آزاد کردہ غلام کے لئے استعمال نہیں کیا گیا حالانکہ عرب جاہلیہ کی شاعری میں یہ لفظ مندرجہ بالا تمام مفاہیم کے علاوہ آزاد کردہ غلاموں کے لئے بھی بولا جاتا تھا اور احادیث میں بھی اسے ان معنوں میں استعمال کیا گیا ہے

احادیث کی رو سے:

احادیث نبوی میں الفاظ مولیٰ، موالی، ولاء، ولی اور تولی بار بار مذکور ہوئے ہیں۔ کتب

Marfat.com

صحاح ستہ کے علاوہ دیگر مسانید اور کتب سنن میں بھی ان کے مشتقات متعدد احادیث و احکام کے ضمن میں آئے ہیں۔ بعض مقامات پر یہ لفظ ناصر و مددگار، اعانت کرنے والے اور حامی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے:

"قریش والانصار وجهينته و مزينته و اسلم واشجع و غفار موالی ليس لهم مولی دون الله و رسوله" (۷)

(یعنی قبائل قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع، اللہ اور اس کے رسول کے معین و مددگار ہیں)

بعض احادیث میں مولیٰ سے مراد مالک، ولی اور آقا کے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے:

"ايما عبد نكح بغير اذن مولاه فنكاحه باطل" (۸)

(یعنی جس غلام نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے)

ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے:

"و من تولى قوماً بغير اذن مواليه فعليه لعنته الله و الملئكته والناس اجمعين" (۹) یہی بات خطبہ حجتہ الوداع میں یوں کہی گئی ہے: "من ادعى الى غير ابيه او تولى غير مواليه فعليه لعنة الله و الملائكه و الناس اجمعين لا يقبل منه صرف ولا عدل" (۱۰) یعنی جس شخص نے اپنے آزاد کرنے والوں اور محسنوں کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں سے موالات اور عہد و پیمان کر لیا تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

لفظ مولیٰ بعض احادیث میں بالکل برعکس معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی آقا کے مقابلے میں غلام یا آزاد کردہ غلام کیلئے بھی یہی لفظ مولیٰ استعمال کیا گیا ہے مثلاً حدیث میں ہے:

"مولى القوم من انفسهم" (۱۱)

یعنی قوم کا آزاد کردہ شخص انہی میں سے ہوتا ہے۔

چوں کہ مولیٰ کے معنی آزاد کنندہ اور آزاد کردہ دونوں ہی ہیں اس لئے ارباب لغت و

Marfat.com

حدیث نے فرق کرنے کی غرض سے آزادکنندہ کو ''المولی الاعلیٰ'' اور ''مولی من فوق'' اور آزاد کردہ کو ''المولی الاسفل'' اور ''مولی من تحت'' کہا ہے۔ (۱۲)

بعض احادیث میں (قرآن کی طرح) لفظ مولیٰ وارث کے لئے استعمال ہوا ہے ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

''ومن اسلم علی یدہ رجل فھو مولاء رای یرثه کمایرث من اعتقه'' (۱۳)

یعنی جس مسلمان کے ہاتھ پر کوئی شخص اسلام لایا تو وہ (مسلمان) اس (نومسلم) کا مولیٰ و وارث ہوگیا۔

عربی شاعری کی رو سے:

عربی شاعری، خواہ عہد جاہلیہ کی ہو یا صدر اسلام کی اس میں مولیٰ اور موالی کے الفاظ انہی تمام معنوں میں استعمال ہوئے ہیں جن کا احاطہ قرآن و حدیث میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ عربی شاعری میں یہ لفظ مولیٰ کہیں رشتہ داروں خصوصاً بنو اعمام کے لئے استعمال ہوا ہے، کہیں دوست، رفیق، ساتھی اور مددگار کے لئے بولا گیا ہے۔ کہیں اس سے مراد وارث اور حلیف کے ہیں اور کہیں اس کے معنی آزاد کردہ غلام یا مالک کے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل اشعار میں مولی بنو اعمام کو کہا گیا ہے

(i) بنی جشم بن عامر بن قداد کے ایک شاعر عمرو بن خثارم کا ایک شعر ہے:

ان ابـاکـم هـو جـدی و ابـی　　　لم ینصر المولی اذا لم تغضبی (۱۴)

(تمہارا باپ وہی ہے جو میرا باپ اور دادا ہے، اگر تم غیرت نہیں دکھاؤ گے تو تمہارے مولیٰ کی کون مدد کرے گا۔)

(ii) اسی طرح زہیر (۱۵) کے ایک قصیدے کا ایک شعر ہے:

حدب علی المولی الضریک اذا　　　نـابـت عـلـیـه نوائب الدهر

(یہ اپنے محتاج چچازاد بھائی پر مشفق و مہربان ہوتا ہے جب زمانے کی آفات اس پر نازل ہو جائیں۔)

(iii) ایک عربی شاعر مرہ بن عدا کہتا ہے:

Marfat.com

رایت المـوالـی الالـی یخذ لوننی   علـی حدثان الدهر اذ یتقلب (۱۶)

(میں اپنے برادران عم کو غلطی پر دیکھتا ہوں جو مجھے گردش زمانہ میں تنہا چھوڑ دیتے ہیں)

(iv) عہد اموی کا ایک شاعر فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب (۱۷) بنو امیہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

مهلاًبنـی عـمـنـا مهلا " مـوالـیـنـا   لا تـنـبشوا بیـنـنـا مـا کـان مدفونـا

مهلا" بـنـی عـمـنـا عن تحت اثلتنا   سیـروا رویـدا کما کنتم تسیرونا(۱۸)

(اے ہمارے برادران عم نرمی اختیار کرو۔اور گڑی ہوئی عداوتوں کو مت اکھاڑو۔ اے ہمارے برادران عم ہماری بے عزتی نہ کرو۔اور نرمی کی وہی چال چلو جو تم پہلے چلتے تھے۔)

بعض عربی اشعار میں مولیٰ سے مراد عبد، غلام اور تابع کے ہوتے ہیں۔حصین (۱۹) ابن حمام مری کہتا ہے:

(i) موالی موالینا لیسبوا نسائنا   لـعـمری لقد جئتم بسنة اشاما

(ہمارے موالی کے غلام بھی ان کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے آئے ہیں تاکہ ہماری عورتوں کو گرفتار کر کے لے جائیں۔میری زندگی کی قسم یہ بڑی منحوس بات ہے۔)

حریث بن جابر الوائلی کہتا ہے:

(ii) لعمرک ماانصفتنی حین سمیتنی   هـواکـمـع الـمـولـی و ان لا هـوی لیا

اذا ظـلـم الـمـولـی فـزعـت لظلمـه   فـحـرک احشائی و هرت کلابیا(۲۰)

(تیری جان کی قسم! تو نے یہ تکلیف دہ بات کہہ کر مجھ سے انصاف نہیں کیا کہ "تجھے اپنے غلام سے محبت ہے اور مجھے اپنے غلام سے محبت نہیں۔"

جب میرے غلام پر ظلم ڈھایا جاتا ہے تو میں پریشان ہو جاتا ہوں چنانچہ یہ ظلم میرے اندرونی اعضا (دل) کو ہلا دیتا ہے اور میرے کتے مجھ پر بھونکنے لگتے ہیں۔)

عربی شاعری میں لفظ مولیٰ آزاد کردہ غلام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے شقران مولیٰ سلاماں (۲۱) کہتا ہے:

Marfat.com

لو کنت مولی قیس عیلان لم تجد　　علی الانسان من الناس درهما

ولکننی مولی قضاعه کلها　　فلست ابالی ان ادین و تغرما(۲۲)

(اگر میں قیس عیلان کا آزاد کردہ غلام ہوتا تو، تو مجھ پر لوگوں میں سے کسی شخص کا ایک درہم بھی قرض نہ پاتا۔

لیکن میں تو سارے قضاعہ قبیلے کا مولیٰ ہوں اس لئے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا کہ قرض لوں اور وہ میری طرف سے میرا قرض ادا کریں۔)

اسی طرح عربی شاعری میں لفظ مولیٰ ''حلیف'' کے لئے بھی مستعمل تھا۔ ایک عربی شاعر جس کے حلیف حوشب کو اس کے برادر عم زاد نے مارا پیٹا تھا، کہتا ہے:

ساخذ منکم ال حزن بحوشب　　وان کان لی مولیٰ لی و کنتم بنو ابی(۲۳)

(اے بنی حزن، میں تم سے عنقریب حوشب کا انتقام لوں گا

اگر چہ وہ میرا حلیف ہے اور تم میرے دادا کی اولاد ہو)

عربی شاعری میں مولیٰ، مددگار اور حامی کو بھی کہتے ہیں۔ مثلاً ایک عرب شاعر عباس بن مرداس السلمی کہتا ہے:

فحارب فان مولاک حارد نصره　　ففی السیف مولیٰ نصره لا یحارد(۲۴)

(پس تو ہمسایہ کی حمایت میں دشمنوں سے لڑ، پھر اگر تیرے عم زاد بھائی کی مدد کمزور پڑ جائے تو تلوار ایسا مددگار ہے جس کی مدد میں کوئی کمزوری نہیں۔)

ایک اور عربی شاعر ابی بن حمام العبسی کہتا ہے:

لست بمولی سوءۃ ادعی لھا　　فان لسوات الامور موالیا(۲۵)

(میں برائی کا دلدادہ اور حامی نہیں ہوں کہ مجھے اس کی طرف منسوب کیا جائے بے شک برے کاموں کے حامی میرے سوا دوسرے لوگ ہیں۔)

عربی شاعری میں یہی لفظ ''مولیٰ'' دوست و رفیق کے لئے بھی بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ ایک عربی شاعر عبداللہ بن عنمہ الضبی کہتا ہے: (۲۶)

Marfat.com

لا تجعلونا الی مولیٰ یحل بنا عقد الحزام اذا ما لبده مالا

مولیً من الخوف یدعی و هو مشتمل تری به عن قتال القوم عقالا (۲۷)

(ہمیں ایسے دوست کے حوالے نہ کرو کہ جس وقت اس کی زین ایک طرف جھک جائے تو وہ کمزوری کی تلافی کرنے کے بجائے اور زیادہ کمزور ہو جائے۔

ایسے دوست کے حوالے نہ کرو جسے بوقت خوف بلایا جائے اس حال میں کہ اس نے بزدلی کی چادر اوڑھی ہوئی ہو تو تم دیکھو گے کہ دشمنوں کی لڑائی سے اس کے پاؤں میں مرض عقال پیدا ہو گیا ہے۔)

الغرض لفظ مولیٰ قرآن و حدیث وعربی اشعار میں بارہ تیرہ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔کہیں اس سے مراد مالک حقیقی ہے، کہیں مجازی معنوں میں مالک و آقا، کہیں اس سے مراد رفیق، ناصر، دوست اور ساتھی کے ہیں تو کہیں اس سے مراد حلیف اور معاہد کے، کہیں یہ لفظ صہری رشتہ داروں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کہیں پڑوسی اور ہمسایہ کے معنوں میں، کبھی مولیٰ آزاد کردہ کو کہتے ہیں کبھی آزاد کنندہ کو، کسی مقام پر مولیٰ سے مراد چچازاد بھائی، عصبات اور ورثاء ہیں اور کہیں اس سے مراد دینی بھائی کے ہیں۔ غرضیکہ یہ کثیر المعنیٰ لفظ قرآن وحدیث اور عربی شعر و ادب میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ بعض اہل لغت نے معانی اور مفاہیم کے اعتبار سے لفظ مولیٰ کی اقسام اور درجہ بندی کر کے یہ معاملہ کافی حد تک سلجھا دیا ہے

اہل لغت کی درجہ بندی:

مشہور لغوی ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ (۲۸) مولیٰ کی درج ذیل چھ قسمیں بیان کرتا ہے

۱۔عصبات وورثاء : (بھائی، چچا، چچازاد بھائی اور بیٹا وغیرہ)

۲۔ناصر، معین ومددگار

۳۔ولی اور متولی امور

۴۔مولی الموالات: (ایسا شخص جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلے اور اس سے موالات کرلے)

Marfat.com

۵۔مولیٰ نعمت: (یعنی آزاد کنندہ، جس نے اپنے غلام کو آزاد کر کے اس پر احسان کیا۔)

۶۔مولیٰ: (یعنی آزاد کردہ، آزادی کے بعد وہ برادر عم زاد کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کی حمایت اس کے آزاد کنندہ پر واجب ہو جاتی ہے اور اگر ایسا شخص مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو یہ آزاد کرنے والا شخص اس کا وارث بھی ہوتا ہے۔)(۲۹)

دوسرے عالم لغت ابن سلام (۳۰) نے اس تقسیم کو مزید مختصر کیا ہے اور مولیٰ کی درج ذیل اقسام کی نشاندہی کی ہے:

۱۔مولیٰ فی الدین: جو دینی رشتے سے ساتھی اور رفیق ہو۔

۲۔مولیٰ الحلف: عہد و پیمان باندھنے والا حلیف

۳۔مولیٰ النعمت: جسے اس لئے مولیٰ کہا جاتا ہے کہ اس کا انتساب آزاد کنندہ کے نسب کے ساتھ ہوتا ہے۔(۳۱)

خلاصہ بحث یہ کہ مولیٰ سے متعلق مندرجہ بالا تمام معانی و مفاہیم کو مدنظر رکھتے ہوئے سہولت بحث کی خاطر اس کی مندرجہ ذیل قسمیں کی جاسکتی ہیں:

۱۔مولیٰ القرابت والولادۃ: موالی کی اس قسم میں ہر وہ رشتہ دار شامل ہوتا تھا جس سے رشتہ داری کی وجہ یا تو ولادت ہوتی تھی یا زوجیت یعنی یا تو وہ خون کے رشتے سے ایک دوسرے کے مولیٰ ہوتے تھے اور یا پھر نکاح کے رشتے سے۔

۲۔مولیٰ الحلف والیمین: معاہدہ اور عہد و پیمان کے ذریعہ موالات قائم کرنے والے اشخاص و قبائل آپس میں ایک دوسرے کے مولیٰ ہوتے تھے۔

۳۔مولیٰ فی الدین: دینی یگانگت کی وجہ سے جو موالات اور دوستی قائم ہو جائے اس کی بناء پر بھی فریقین ایک دوسرے کے مولیٰ ہوتے تھے۔انہیں مولی الموالات بھی کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

۴۔مولیٰ النعمت: انہیں مولیٰ العتاقہ بھی کہا جاتا ہے۔اس میں آزاد کردہ غلام اور آزاد کنندہ آقا دونوں شامل ہیں۔آزاد کردہ غلام ''مولیٰ من تحت'' اور آزاد کنندہ ''مولیٰ من فوق'' کہلاتا تھا۔(۳۲)

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب اول)

۱۔ اسماعیل بن حماد جوہری (م ۳۹۸ھ) تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ، جلد ششم، ص ۲۵۲۸، دارالکتب العربی، مصر؛ ابن منظور افریقی، لسان العرب، جلد ۲۰، ص ۲۹۳، بولاق، مصر ۱۳۰۷ھ؛ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی (م ۱۲۰۵ھ) تاج العروس عن جواہر القاموس، جلد ۱۰، ص ۳۹۸۔ مطبعہ خیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ

۲۔ تاج العروس من جواہر القاموس، جلد دہم، ص ۳۹۹

۳۔ لسان العرب، جلد ۲۰، ص ۲۹۱، تاج العروس، جلد ۱۰، ص ۳۹۹

۴۔ ایضاً ص ۲۹۴، تاج العروس، جلد ۱۰، ص ۳۹۸

۵۔ الجلالی، مولانا سید عبدالدائم، لغات القرآن، جلد ۵، ص ۴۷۲، ندوۃ المصنفین، دہلی، طبع اول ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء، جلد ۵، ص ۴۷۲

۶۔ مقامات یہ ہیں (۱) بقرہ۔ ۲۸۶ (۲) نساء۔ ۳۳ (۳) انعام۔ ۶۲ (۴) انفال۔ ۴۰ (۵) انفال۔ ۴۰ (ایک ہی آیت میں یہ لفظ دو مرتبہ آیا ہے) (۶) آل عمران۔ ۱۵۰ (۷) توبتہ۔ ۵۱ (۸) یونس۔ ۳۰ (۹) نحل۔ ۷۶ (۱۰) مریم۔ ۵ (۱۱) حج۔ ۱۳ (۱۲) حج۔ ۷۸ (۱۳) حج۔ ۷۸ (ایک ہی آیت میں یہ لفظ دو مرتبہ آیا ہے) (۱۴) احزاب۔ ۵ (۱۵) دخان۔ ۴۱ (۱۶) دخان۔ ۴۱ (ایک آیت میں دو دفعہ) (۱۷) محمد۔ ۱۱ (۱۸) محمد۔ ۱۱ (ایک آیت میں دو دفعہ) (۱۹) حدید۔ ۱۵ (۲۰) تحریم۔ ۲ (۲۱) تحریم۔ ۴

۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) صحیح البخاری، جلد ۴، ص ۱۵۷، دارالکتب العلمیہ، لبنان؛ لسان العرب، جلد ۲۰، ص ۲۸۹۔ (معمولی لفظی تغیر کے ساتھ یہ حدیث سنن ترمذی، جلد ۵، ص ۴۲۸ (کتاب المناقب) میں بھی بیان ہوئی ہے۔)

Marfat.com

۸۔ امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)، سنن ابی داؤد، جلد۲، ص ۱۳۴، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۸۳ء، (لسان العرب میں ''ایما امراۃ'' کے الفاظ ہیں۔ یعنی جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ نکاح باطل ہے۔ لسان العرب، جلد۲۰، ص ۲۸۸)

۹۔ صحیح بخاری، جلد۸، ص ۱۰ (کتاب الفرائض)؛ امام ابی الحسن، مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، جلد۲، ص ۱۱۴۶، (کتاب العتق) دار احیاء التراث العربی، بیروت؛ ابی عیسی محمد بن عیسی بن سورہ (م ۲۹۷ھ) سنن ترمذی، (الجامع الصحیح)، جلد۴، ص ۴۳۹، (کتاب الولاء والھبہ) دار احیاء التراث العربی، بیروت (تاریخ ندارد)

۱۰۔ ابی عثمان عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ)، البیان والتبیین جلد۲، ص ۱۶، قاہرہ ۱۳۳۲ھ ابن سعد، طبقات الکبری، جلد۲، ص ۱۸۳، دار صادر، بیروت ۱۹۵۸ء

۱۱۔ صحیح بخاری، جلد۸، ص ۱۱، (کتاب الفرائض)

۱۲۔ ابن حزم اندلسی، (م ۴۵۶ھ) جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۴۲، ۲۲۵، دار المعارف، مصر، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

۱۳۔ ابن اثیر جزری، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، جلد۴، ص ۳۴۶، مطبعہ خیریہ، مصر ۱۳۲۳

۱۴۔ محمود شکری آلوسی (م ۱۳۴۳ھ) بلوغ الارب جلد۱، ص ۳۰۵، مطابع دار الکتاب القربی مصر، طبع ثانی ۱۳۴۲ھ

۱۵۔ زہیر بن ابی سلمٰی کے بیشتر قصائد ہرم بن سنان المری کی مدح میں ہیں جس قصیدے سے یہ اشعار لئے گئے ہیں وہ دیوان زہیر (طبع بیروت ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) میں موجود ہے اور اس کا مطلع یہ ہے:

لمن الدیار بقنعته الحجر　　　　اقوین من حجج و من شهر

نیز بلوغ الارب جلد۳، ص ۱۶،

۱۶۔ ابوتمام حبیب بن اوس طائی (م ۲۳۱ھ) دیوان حماسہ، جلد۱، ص ۱۰۷، مصر ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

Marfat.com

۱۷۔ فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب، بنو ہاشم کا ممتاز شاعر تھا وہ عہد اموی کے مشہور شعراء فرزدق، جریر اور عمر بن ابی ربیعہ کا معاصر تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار سے وابستہ اور اس کے متوسلین خاص میں سے تھا۔ سلیمان بن عبدالملک کے ہاں اس کی پذیرائی نہ ہوئی اور وہ عطاوکرم سے محروم رہا (ابوعلی احمد بن محمد بن حسن مرزوقی (م ۴۲۱ھ) شرح دیوان الحماسۃ، لجنتہ التالیف والترجمہ والنشر، مصر جلد ۱ ص ۲۲۴؛ صدیقی، علی محسن، لفظ مولیٰ کی تشریح، ماہنامہ المعارف، لاہور اکتوبر ۱۹۸۱ء)

۱۸۔ دیوان الحماسہ جلد ۱ ص ۱۱۵

۱۹۔ حصین بن حمام بنو غطفان کی مشہور شاخ بنو مرہ سے تعلق رکھتا تھا اسے بالاتفاق عہد جاہلیہ کے کم گو شعراء میں سب سے عمدہ شاعر سمجھا گیا ہے۔ اس کا مشہور قصیدہ فخریہ ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:

جزى الله افناء العشيرة كلها　　بدارة موضوع عقوقا و ماثما

اس قصیدے کو مفضل ضبی نے ''مفضلیات'' میں جو عہد جاہلی کے شعراء کا قدیم ترین مجموعہ اشعار ہے نقل کیا ہے، مندرجہ بالا شعر اسی قصیدے میں شامل ہے۔ حصین نے زمانہ اسلام پایا اور عہد رسالت میں وفات پائی۔ ابن ماکولا کا خیال ہے کہ وہ صحابی تھا۔ (تبریزی، شرح دیوان الحماسہ، جلد ۱، ص ۲۱۵ و ابن حجر، عسقلانی (م ۸۵۲ھ) الاصابہ، جلد ۲، ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت؛ صدیقی، علی محسن، لفظ مولیٰ کی تشریح، ماہنامہ المعارف، لاہور اکتوبر ۱۹۸۱ء)

۲۰۔ دیوان حماسہ جلد ۱ ص ۲۱۰

۲۱۔ شقران عہد اسلامی کا شاعر تھا، سلامان کا مولیٰ تھا جس کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔

۲۲۔ بلوغ الارب جلد ۱، ص ۵۶۔

۲۳۔ حماسہ جلد ۱، ص ۱۷۲۔

۲۴۔ حماسہ جلد ۱، ص ۲۴۸۔

Marfat.com

۲۵۔ ایضاً ص ۲۳۲،

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۲۴ تا ۳۲۵

۲۷۔ عقال ایک مرض ہے جو گھوڑے کے پاؤں میں ہو جاتا ہے اور اس کو چلنے پھرنے سے روک دیتا ہے۔

۲۸۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ اپنے عہد کا بہت بڑا لغوی، نسّاب اور مورّخ تھا۔ وہ قریش کی شاخ بنی تیم کا مولیٰ تھا۔ ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء میں بصرہ میں پیدا ہوا۔ ۱۸۸ھ میں ہارون الرشید کے وزیر فضل بن ربیع کی دعوت پر بغداد آیا اور یہیں ۲۰۹ھ/۸۲۴ء میں وفات پائی۔ اس نے دبستان بصرہ کے سربرآوردہ علمائے لسانیات، ابوعمرو بن العلاء اور یونس بن حبیب سے تعلیم پائی اور قواعد لغت اور لسانیات کے بعض مباحث پر متعدد رسائل تصنیف کیے جن میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔ مذہبی اعتبار سے اس کا رجحان خارجیوں کے فرقہ اباضیہ کی طرف اور سیاسی لحاظ سے وہ شعوبی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے عربوں کی برائی میں کئی کتابیں لکھیں۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے غریب حدیث پر کتاب تصنیف کی۔ اس کی دوسو کے قریب تصانیف میں سے صرف ایک ''کتاب الخیل'' موجود ہے جس کا موضوع ہے مشہور و معروف عربی گھوڑے یہ کتاب ۱۳۵۸ھ میں حیدرآباد سے دائرۃ المعارف کی زیر نگرانی شائع ہوئی ہے۔ گھوڑوں پر اس کی ''کتاب الدیباجہ'' کو ابن قتیبہ نے بغیر کسی حوالے کے اپنی کتاب ادب الکاتب میں نقل کیا ہے۔ اس کے اقتباسات ''عیون الاخبار'' میں بھی موجود ہیں۔ جاحظ نے کتاب الحیوان میں بھی اس کے مباحث نقل کیے ہیں۔

اس کے تلامذہ میں ابوعبید قاسم بن سلام، ابوحاتم السجستانی، عمر بن شبہ جیسے علماء شامل ہیں، مشہور عباسی شاعر ابونواس نے بھی اس کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مبرد، جاحظ، اور ابن قتیبہ نے اس کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، یاقوت حموی نے ارشاد الاریب میں اور ابن الندیم نے الفہرست میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشہور محدث دارقطنی نے اس کی روایت حدیث کو لینے کے

Marfat.com

بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں الا یہ کہ وہ کسی قدر خوارج کی ہم خیالی سے متہم ہے۔'' (ابو عبیدہ، کتاب الخیل، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۵۸ھ حواشی از سالم کرنکوی ص ۱۷۴ ۔ ۱۷۸، دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ا ص ۸۵۶ نادہ ابو عبیدہ، مقالہ نگار ایچ ۔اے ۔آر ۔گب، صدیقی، علی محسن، لفظ مولیٰ کی تشریح، ماہنامہ المعارف، لاہور اکتوبر ۱۹۸۱ء)

۲۹۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، جلد ۲۰، ص ۲۸۹

۳۰۔ محمد بن سلام مشہور صحابی قدامہ بن مظعون جمحی قرشی کے موالی میں تھا۔ اس کی ولادت اور نشوونما بصرہ میں ہوئی اس کا شمار ماہرین لغت و ادب عربی میں ہوتا ہے۔ اس کے تلامذہ میں اس عہد کے بہت سے اہم اہل علم شامل ہیں جن میں نمایاں حیثیت مشہور لغوی ثعلب کو حاصل ہے۔ طبقات الشعراء اس کی اہم تصنیف ہے جو عرب کے شعراء کے حالات میں قدیم ترین کتاب ہے۔ ابن سلام نے بغداد میں ۳۲ ۔ ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔ (صدیقی، علی محسن، لفظ مولیٰ کی تشریح ماہنامہ المعارف، لاہور اکتوبر ۱۹۸۱ء)

۳۱۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، جلد ۲۰ ص ۲۸۸

۳۲۔ صدیقی، علی محسن ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ماہنامہ 'آگہی' کراچی شمارہ مارچ۔ اپریل ۱۹۹۰ء ص ۱۵۵

Marfat.com

باب دوم

عہد جاہلیت میں موالی

عہد جاہلیت (۱) میں جزیرہ نمائے عرب میں دو طرح کا معاشرہ نظر آتا ہے اور یہ معاشرتی تفریق دراصل طرز معیشت کی بناء پر ہے۔(۲)

۱۔ حضری (یعنی اہل المدر)

۲۔ بدوی (یعنی اہل الوبر)

طرز معاشرت کے اس تفاوت کی وجہ ان کے مختلف ذریعہ ہائے معاش اور مختلف وسائل حیات تھے۔ عربوں کے ایک گروہ کا پیشہ زراعت تھا جس کے لئے وہ مجبور تھے کہ جب تک فصلیں تیار نہ ہو جائیں وہ ایک جگہ قیام کریں اور گاؤں یا دیہاتوں کی بنیاد ڈالیں اور مقیم بن کر رہیں یہ حضری گروہ، بدویوں کی نسبت کم تعداد میں تھا اسی لئے جزیرہ نمائے عرب میں شہروں کی تعداد بہت کم تھی مثلاً حجاز میں مکہ، مدینہ، طائف اور یمن میں صنعاء۔ شہروں کے رہنے والے حضری عرب تھے۔ یہ بات صرف عربی معاشرے کے لئے نہیں تھی بلکہ جہاں بھی بدویت ہوگی وہاں شہروں کی تعداد کم ہوگی، زیر نظر دور میں المغرب اور مشرقی افریقہ میں بھی شہروں کی کمی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے باشندے اہل البادیہ تھے۔(۳)

اگرچہ سرزمین عرب وسیع صحراؤں اور سنگلاخ پہاڑوں پر مشتمل تھی مگر ملک میں کہیں کہیں قابل کاشت زمینیں بھی تھیں۔ ساحلی مقامات خصوصاً سرسبز و شاداب تھے مثلاً یمن، عمان، حضرموت وغیرہ اس کے علاوہ نجد، خیبر اور حجاز میں طائف اور مدینہ وہ علاقے تھے جہاں زراعت ہوتی تھی۔

عربوں کے دوسرے گروہ کا پیشہ گلہ بانی تھا، یہ اہل البادیہ تھے۔ یہ منتشر اور مسافرت

Marfat.com

میں رہنے پر مجبور تھے۔انہیں اپنے مویشیوں کے لئے نئی چراگاہوں اور نئے چشموں کی تلاش میں سرگرداں رہنا پڑتا تھا۔ یہ کثیر التعداد تھے،ان اہل بادیہ کے بھی دو گروہ تھے۔ایک وہ جو صرف اونٹوں کو پالتا تھا،دوسرا گروہ وہ جو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر زندگی بسر کرتا تھا۔

اصل میں ''بدوی'' وہی تھے جو اونٹوں کو پالتے تھے۔لفظ ''بدوی'' کا ٹھیک اطلاق دراصل انہی پر ہوتا تھا۔اونٹ صحرا کے حالات سے بے حد مطابقت رکھتا ہے۔اس میں پیاس برداشت کرنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ طویل مسافت کو بہت تیزی سے طے کرسکتا ہے اور یہ بات بھی یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ بدوی عربوں کی قبائلی جنگوں میں اونٹ کو گھوڑے پر برتری حاصل ہوتی ہوگی کیونکہ طویل مسافتوں میں سواری کے اونٹ کی رفتار گھوڑے سے تین گنا زیادہ ہوتی ہے۔پھر یہ گھوڑوں کے مقابلے میں زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے۔بہرحال عربوں کی بدوی زندگی اونٹ پالنے پر منحصر تھی۔وہ اپنے اونٹوں کے ریوڑ کے سہارے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اونٹ کا دودھ،دہی اور گوشت ان کی غذا ہوتی اور اس کی کھال ان کا خیمہ۔

اس درجہ اونٹوں پر انحصار نے اہل البادیہ کی بالکل صحرائی مخلوق ہوجانے میں بہت مدد کی۔کیونکہ صرف پہاڑوں کی پیداوار اونٹوں کی پرورش کے لئے کافی اور مفید نہیں تھی اس لئے یہ لوگ مجبور تھے کہ صحرا کے اندر نفوذ کر کے نہ صرف وہاں کے خس و خار سے اونٹوں کو ان کی طبعی غذا مہیا کریں بلکہ کھاری پانی بھی انہیں پلائیں۔اونٹوں کی صحت و عافیت کا انحصار اسی پر تھا۔پھر چونکہ اونٹ سردی کی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا اس لئے موسم سرما میں اس گروہ کے لئے اور بھی ضروری ہوجاتا تھا کہ وہ سرسبز و آباد مقامات کو چھوڑ کر ریگستانوں اور صحراؤں کی راہ لیں۔پھر ایک اور بات جس کی طرف ابن خلدون اشارہ کرتا ہے وہ یہ کہ ریتیلے اور ریگستانی علاقوں میں اونٹنی آسانی سے بچے دے دیتی ہے کیونکہ اونٹنی کے بچے بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں اور اس وقت اس کو گرم ماحول کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔(۴)

یہ اہل البادیہ،حضارت • مدنیت سے دور بھاگتے تھے۔یہ لوگ شہر اور قصبات کے باشندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں غلام سمجھتے تھے،یہ بدوی اپنی آزادی کو انتہائی

Marfat.com

شرق اوسط کی سیاسی تقسیم (۶۰۰ء)

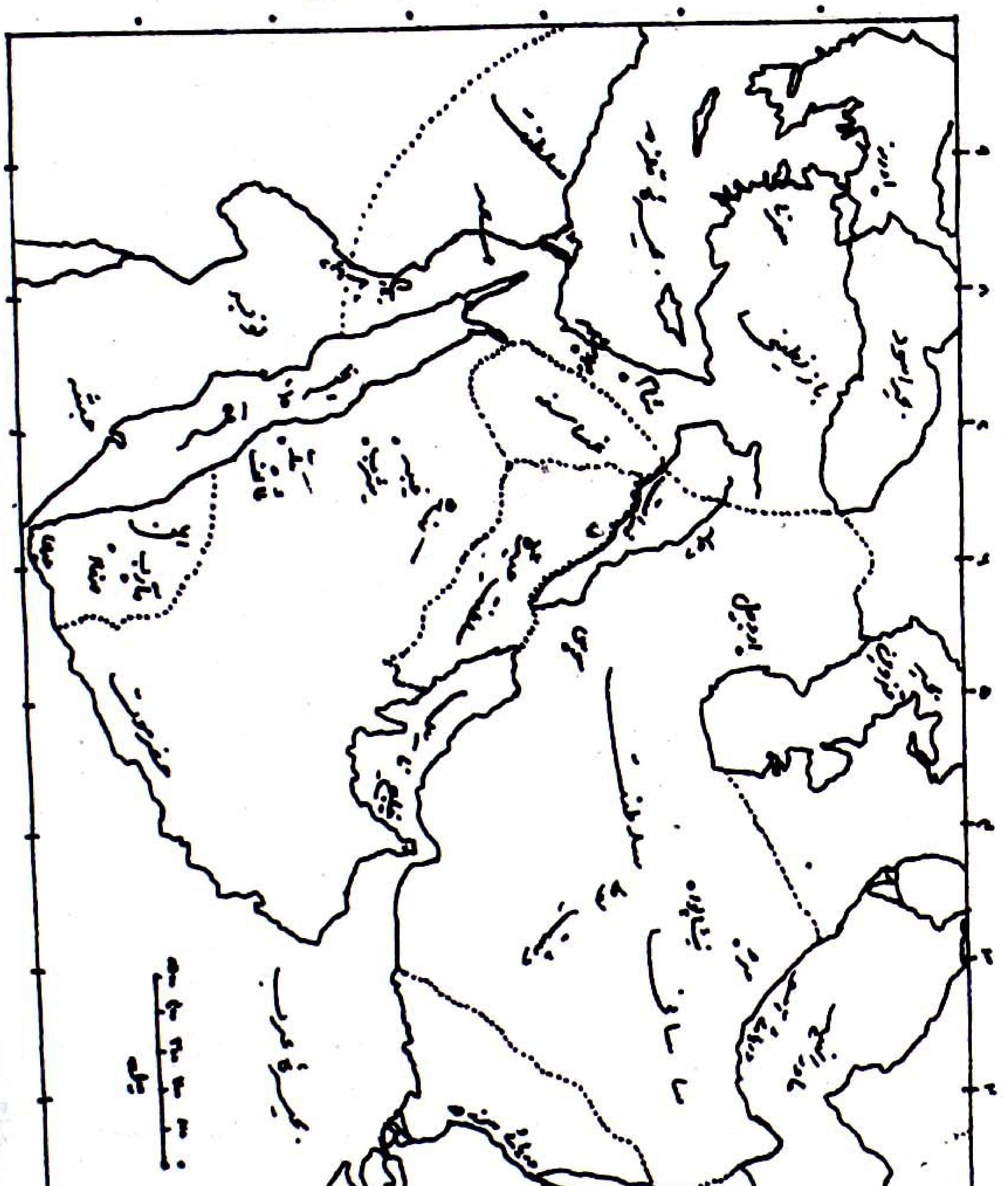

Marfat.com

عزیز رکھتے تھے۔ان کے نزدیک کسی خاص مقام کو مسکن بنانا گویا آزادی کو خیر باد کہنا تھا کیونکہ جہاں مسکن معین ہو وہاں غیر کا محکوم ہونا بھی لازمی ہے۔(۵)

یہ بدوی کبھی مفتوح نہیں ہوئے۔چنانچہ جس زمانے میں فینقیہ اور فلسطین سے بیش قرار خراج ایران کے بادشاہوں کو جایا کرتا تھا اس وقت عرب ہی ایسے تھے جو خراج سے مستثنیٰ تھے (۶) ان کے پڑوس میں دو بڑی مملکتوں کی موجودگی کے باوجود انہیں کوئی فتح نہ کر سکا۔ان میں وحشت کا عنصر زیادہ تھا اور جنگجویانہ اوصاف کے حامل تھے۔اسلحہ کا استعمال ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ریگستانی راہوں پر قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لینا ان کی معاشی مجبوری تھی۔وہ آرام و آسائش کی متمدن زندگی سے آشنا ہی نہیں تھے۔ان کی معاشرت میں حیرت انگیز سادگی تھی۔وہ خیموں کی زندگی گزارتے، پانی اور چارے کی تلاش میں گھومتے پھرتے رہتے اور لوٹ اور لڑائی پر زندگی بسر کرتے تھے۔

جزیرہ نمائے عرب کی آبادی کا غالب حصہ انہی بدوی قبائل پر مشتمل تھا اور ایسا ہونا کچھ عربوں کی خواہش پر مبنی نہیں تھا بلکہ عرب کے طبعی حالات کا یہی تقاضا تھا کیونکہ ایک ایسا ملک جو وسیع صحراؤں، بے آب و گیاہ ریگستانوں اور طویل کوہستانی سلسلوں پر مشتمل ہو جہاں کوئی دریا نہ ہو جس کے گرد منظم بستیاں بسائی جا سکیں اور زراعت کی جا سکے وہاں کے باشندوں کا سب سے بڑا ذریعہ معاش گلہ بانی ہی ہوگا اور وہاں کے لوگ چارے اور پانی کی تلاش میں خانہ بدوش رہیں گے۔

تاہم یہ طرز معاشرت پورے جزیرۃ العرب کا نہیں تھا۔عرب کے بعض علاقے نہایت متمدن تھے اور ایک منظم ضابطہ حیات کے پابند تھے۔اس ضمن میں سرفہرست یمن (۷) تھا۔جو ایک درخشاں تہذیب کا حامل تھا۔یمن کے حکمرانوں نے وسیع سلطنتیں قائم کیں، جزیرہ نما کے باہر، بحیرہ احمر کے دوسرے ساحل پر حبشہ میں اپنی نو آبادی کی بنیاد رکھی اور اندرون ملک پہاڑوں کے درمیان مآرب (۸) کے مقام پر بند باندھ کر یمن کے ایک معتد بہ علاقے کو قابل کاشت بنا دیا۔ جنوبی عرب یعنی یمن اور حضرموت کی خوشحالی کا دارومدار زراعت اور تجارت پر تھا۔صدیوں تک

Marfat.com

جنوبی عرب کے تاجروں کو لوبان کی تجارت کی اجارہ داری حاصل رہی اور وہ ہندوستان اور یورپی ممالک کے درمیان آمدورفت کے ذرائع پر بھی متصرف رہے۔ یہ لوگ اپنا تجارتی سامان خشکی کے راستوں سے بھیجتے تھے جو عرب کو جنوب سے شمال تک قطع کرتے تھے۔ شمالی عرب میں بھی نو آبادیاں قائم کر لی گئی تھیں اور مصر، بحیرہ ایجین اور خلیج فارس کے علاقوں میں بھی تجارتی سرگرمیوں کی شہادت ملتی ہے۔

جنوبی عرب خصوصاً یمن میں تمدنی ترقی عروج پر تھی۔ بہت سی شاندار عمارتوں کا پتہ چلتا ہے جس میں قصر غمدان کا تذکرہ بڑے طلسماتی انداز میں کیا گیا ہے، یہاں سے ملنے والے کتبے اس بات کی شہادت بھی دیتے ہیں کہ یہ لوگ لکھنے پڑھنے کے فن سے واقف تھے۔ ان کا سیاسی نظام انتہائی مستحکم تھا اور انتظامی ساخت مضبوط تھی۔

جنوب میں صرف یمن کی حکومت ہی متمدن نہیں تھی بلکہ شمالی علاقوں میں بھی تہذیب و تمدن کی سرگرمیاں ملتی ہیں، سرحد عراق پر حیرہ (۹) یعنی مناذرہ (آل لخم) کی حکومت قائم تھی جو بحرین پر بھی برائے نام تسلط کی دعویدار تھی۔ عربوں کی یہ حکومت، ایرانیوں کی طفیلی ریاست تھی۔ یہ شہر تمدن کے ایک خاص معیار تک پہنچ گیا تھا اور آراستگی اور خوبی میں دارالسلطنت ایران اور قسطنطنیہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ (۱۰) بادشاہوں کے دربار میں شعراء جمع رہتے۔ روایتوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حیرہ کا شہر عالی شان محلات، شاداب باغات اور نظر فریب نہروں کی وجہ سے اس عہد کا بارونق شہر سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح شام کی سرحد پر غساسنہ (۱۱) (آل جفنہ) کی حکومت رومیوں کے زیر اثر قائم تھی۔ قحطان کی ایک شاخ کہلان کے عربوں کی یہ ایک نیم خود مختار حکومت تھی جس کا پایہ تخت بصریٰ کا شہر تھا۔ یہ حکومت حوران اور بلقاء کے دونوں منطقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بھی اپنے وقت کی خاصی متمدن حکومت تھی۔ آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات نے ان کی ترقی کی عظمت کو ثابت کر دیا ہے۔

تاہم عموماً شمالی اور جنوبی عرب کی ان متمدن ریاستوں کا کوئی خاص اثر وسطی عرب

Marfat.com

پر نہیں تھا۔ وسطی عرب کے بیشتر باشندے بدویانہ نظام زندگی کے خوگر تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شمالی، وسطی اور جنوبی عرب میں، جن میں سرحدی اتصال تھا، تہذیب وتمدن کا اتنا واضح فرق کیوں نظر آتا ہے۔

میرے نزدیک اس کی سب سے قوی وجہ ان علاقوں کے مختلف جغرافیائی حالات و عوامل ہیں۔ کسی جگہ کی تہذیب وتمدن کے تشکیلی عناصر میں جغرافیائی عامل ایک طاقتور عامل سمجھا جاتا ہے۔ یہ انسانی خدوخال سے لے کر طرز معاشرت ومعیشت تک ہر معاملہ میں حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ وسطی عرب کے ریگستانی علاقوں کے عربوں کا گلہ بان ہونا اور شمالی یا جنوبی عرب کے رہنے والوں کا اہل زراعت وتجارت ہونا، ان کی اپنی پسند یا صوابدید پر منحصر نہیں تھا بلکہ یہ وہاں کے جغرافیائی حالات کا حکم تھا کہ وہ ایسا کریں اور جہد للبقا کے لئے انہوں نے ایسا کیا یا ایسا کرنے پر مجبور ہوئے۔

بہرحال جزیرۃ العرب کی خواہ حضری آبادی ہو یا اہل البادیہ ہوں ان کا طرز زندگی ''قبائلی'' تھا۔ عہد جاہلیت میں قبیلہ ہی وہ وحدت تھی جس پر عربوں کی اجتماعی زندگی کا دارومدار تھا۔ حضری عرب بھی اسی قبائلی طرز زندگی کے عادی تھے۔ یہ درست ہے کہ مکہ میں قصی بن کلاب (۱۲) کے بعد ایک سیاسی نظام نظر آتا ہے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ ان کے تاجر، حبشہ، عراق، ایران، شام بلکہ ایشیائے کوچک تک جاتے تھے اور غیرملکی تاجروں سے جو ان کے شہر میں داخل ہوتے تھے وہ تجارتی ٹیکس بھی وصول کرتے تھے۔ یثرب میں بھی عرب قبائل کے علاوہ یہودیوں کی جماعت آباد تھی، جن کی ایک منظم معیشت تھی اور اپنا معاشرتی نظام (۱۳) تھا۔ یہودی تجارت پر قابض تھے تو اہل مدینہ زراعت پیشہ تھے، یہی حال طائف میں آباد مرفہ الحال بنوثقیف کا تھا۔ یہ شہر مکہ، مدینہ اور طائف وغیرہ جو کسی زمانے میں پہاڑوں کے مختصر دروں یا صحرا کے دامن میں کسی بڑے نخلستان کے سہارے آباد ہو گئے تھے، ان شہروں میں رہنے والے اگرچہ ایک ہی جگہ مستقل قیام کر چکے تھے مگر بدوی تہذیب وتمدن، عزت نفس اور حریت پسندی وغیرہ جملہ خصائل وعادات میں اپنے بادیہ نشین ہم وطنوں کے ساتھ پوری طرح مشابہ تھے اور ان شہروں میں بھی قبائلی نظام چل رہا تھا۔ چنانچہ اگر

134999

Marfat.com

مکہ کی شہری ریاست قبیلہ قریش کی ریاست تھی اور اس کے مختلف عہدے قبائل قریش کے درمیان تقسیم تھے اور ایک اعتبار سے یہ مناصب انہی بطون قریش میں موروثی تھے تو دوسری طرف یثرب کے عرب قبائل بھی اوس وخزرج کے متعدد بطون پر مشتمل تھے اور ان کا نظام بھی قبائلی ہی تھا۔ جو یہودی یہاں آباد تھے وہ بھی قبائل میں منقسم اور ایک دوسرے سے دست بگریباں رہتے تھے۔

گویا عرب کے صحرا ہوں یا شہر، طرز زندگی بہرحال قبائلی تھا اور جہاں قبائلیت ہوتی ہے وہاں سیاسی لامرکزیت ہوتی ہے۔ عرب معاشرے میں ہر قبیلہ ایک اکائی اور سیاسی اعتبار سے خودمختار تھا۔ پورے عرب میں کسی ایسی منظم حکومت کا پتہ نہیں چلتا جس کے سامنے سارے قبائل جوابدہ ہوں اس لئے قبائل کو من مانی کرنے کی یک گونہ آزادی تھی کسی مرکزی حکومت کی عدم موجودگی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ملک میں معاشی وسائل محدود ہوں آئے دن کی جنگوں کا باعث تھی۔ اصل میں ایک بدوی کی زندگی سخت نامساعد حالات بسر ہوتی تھی۔ اکثر اوقات خوراک کے وسائل وذرائع، آبادی کے اعتبار سے کافی نہیں ہوتے تھے چنانچہ ہر طاقتور کے ہاں یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ کمزور کے پاس اس قسم کے جو ذرائع ووسائل مثلاً اونٹ، مویشی وغیرہ ہوں ان پر قبضہ کرلیا جائے۔

بدوی جن کی معاش کا انحصار گلہ بانی پر تھا، چارے اور پانی کی تلاش ان کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ چراگاہوں اور پانی کے چشموں پر قبضے کے لئے ان میں آئے دن جنگ کا بازار گرم رہتا تھا (۱۴) عرب قبل اسلام کی ان قبائلی جنگوں کو ایام العرب (عرب کے دن) کہتے ہیں (۱۵) اگرچہ عرب جاہلیہ کی یہ تمام جنگیں صرف معاشی اسباب کی بناء پر ہی نہیں لڑی گئیں مگر ان میں سے بیشتر لڑائیوں کا محور یہی چراگاہیں، پانی کے کنویں، مویشی اور مال تجارت کی لوٹ تھی۔ ان لڑائیوں سے فاتح قبائل کو نہ صرف مال غنیمت کی شکل میں معاش کے نئے ذرائع حاصل ہوتے تھے بلکہ مغلوب قبائل کے افراد قتل یا قید کے باعث کم ہو کر ان کے معاشی دباؤ کو بھی کم کر دیتے تھے۔ پھر ایک بات یہ بھی تھی کہ اس قسم کی جنگوں کی وجہ سے عربوں میں عرب قومیت کے جذبات فروغ نہیں پاسکے۔ ان کا سب کچھ ان کا قبیلہ ہی تھا۔ دیگر قبائل (حالانکہ وہ عرب ہی ہوتے تھے) کا مال و

Marfat.com

متاع ان کے لئے جائز تھا۔(۱۶)

یہ لوٹ مار صرف چراگاہوں اور چشموں پر قبضہ کی غرض سے ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ تجارتی قافلوں کو لوٹ کر اس کے سامان پر قبضہ کرنے اور اس کے معتوب افراد کو غلام بنا لینے کو بھی عرب کی معاشرت کا کثیر الوقوع واقعہ خیال کیا جاتا تھا۔اس صورت حال سے نبٹنے کے لئے قریش اور دیگر قبائل عرب نے تجارتی قافلوں کی بسلامت آمدورفت کی غرض سے مختلف ممالک سے معاہدے بھی کیے تھے۔(۱۷)اس کے علاوہ بعض مہینوں میں قتل و غارتگری کو حرام قرار دے دیا گیا تھا مگر ان ''اشہر حرام''(۱۸) کی بھی بعض اوقات پروانہیں کی جاتی تھی اور جنگیں ہوتی تھیں۔یہی وجہ تھی کہ عام تاجروں کے علاوہ بڑے بڑے سرداروں کے اسباب تجارت بھی بازاروں میں اسی وقت بحفاظت آسکتے تھے جب ان کی بار برداری اور صیانت کی ضمانت قرب و جوار کے قبائل نے لی ہو(۱۹) یہ سب قوانین ضرورت کے مطابق بنائے گئے۔ایسے معاشرے میں جہاں کوئی مستقل حکومت نہ ہو،ایک اکیلا شخص یا کوئی کمزور قبیلہ کس طرح زندہ رہے۔لہٰذا ضرورتاً یہ عُرف یا قوانین بنتے گئے جن کا اس معاشرے میں احترام کیا جاتا تھا۔حالانکہ بظاہر کوئی قوت نافذہ موجود نہیں تھی۔لیکن ان کی معاشرتی و معاشی ضرورت ہی ان کے لئے مقنن اور قوت نافذہ کا کام دے رہی تھی۔یہ دوسری بات ہے کہ اس کے خلاف بھی ہوتا رہا جیسا کہ سطور بالا میں لکھا گیا۔

الغرض ایک ایسا معاشرہ جس کی بنیاد لاقانونیت،جس کا مزاج لامرکزیت اور جس کی معیشت غنائم پر ہو اس میں ذاتی و اجتماعی حفاظت کے لئے جو طریقہ رائج ہوگا وہ قبائلی ہوگا۔کسی مضبوط حکومت اور مذہب کی عدم موجودگی میں انفرادی اور اجتماعی بقا کی ضمانت قبائل کی باہمی عصبیت پر ہوگی۔چنانچہ عرب جاہلیہ میں معاشرے کی ہیئت ترکیبی قبائلی نوعیت کی تھی اور قبائلی عصبیت کے باعث لوگ اپنی جان اور اپنے مال کو محفوظ تصور کر سکتے تھے۔عربوں کی اس قبائلی عصبیت کی اساس اتحاد نسب تھی۔چنانچہ ایک باپ کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد ایک رشتہ اتحاد میں پروئے ہوئے تھے۔جب کسی قبیلے کی تعداد بڑھ جاتی تو وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا اور یہ تمام حصے الگ الگ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور صرف خاص

Marfat.com

خاص موقعوں پر مشترکہ مفاد و حفاظت کے لئے یا کسی غیر معمولی فوجی مہم کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جاتے تھے۔

ان قبائل کے داخلی طبقات یہ تھے

۱۔شعب : (جمع شعوب) یہ بعید ترین نسبی تعلق ہوتا تھا اس کی مثال عدنان اور قحطان ہیں۔

۲۔قبیلہ؛(جمع قبائل) ایک شعب سے تعلق رکھنے والے مختلف نسلی گروہ الگ الگ شاخوں میں تقسیم ہو جاتے تھے ،ان میں ہر شاخ ایک قبیلہ کہلاتی تھی مثلاً عدنان کی نسل سے تعلق رکھنے والے دو بڑے قبائل میں تقسیم ہوئے جن میں ایک مضر تھے اور دوسرے ربیعہ۔قبائل کو ''جماجم'' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

۳۔عمارۃ؛(جمع عمائر یا عمارات) ایک قبیلہ مختلف نسلی سلسلوں میں بٹ جاتا تھا ان میں سے ہر سلسلہ کو عمارہ کہا جاتا تھا مثلاً مضر کا قبیلہ مختلف عمائر میں تقسیم ہوا جن میں سے ایک قریش اور دوسرے بنو غفار تھے۔

۴۔بطن : (جمع بطون یا ابطن) عمارہ کی نسلیں مختلف شاخوں میں پھیل جاتی تھیں ان میں سے ہر شاخ کو بطن کہتے تھے مثلاً قریش کی متعدد شاخوں میں سے ایک بنو عبد مناف اور دوسری بنو مخزوم وغیرہ تھی۔

۵۔فخذ :(جمع افخاذ) بطن کے متعدد انساب الگ الگ فخذ کہلاتے تھے مثلاً بطن عبد مناف میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے فخذ تھے۔

۶۔فصیلہ :(جمع فصائل) فخذ کی مزید تقسیم کو فصیلے کی اصطلاح سے ظاہر کرتے تھے مثلاً فخذ بنو ہاشم میں بنو ابی طالب اور بنو عباس کے فصیلے تھے۔

۷۔اسرہ یا عائلہ :فصیلہ متعدد خاندانوں میں تقسیم ہوتا تھا ہر خاندان کو ایک الگ اسرہ یا عائلہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا ۔مثلاً آل ابی طالب کے اسروں میں آل جعفر، آل علی اور آل عقیل کے نام ملتے ہیں۔(۲۰)(دیکھئے نقشہ نمبر ۱)

Marfat.com

(نقشہ نمبر ۱)

قبائل کی داخلی تقسیم

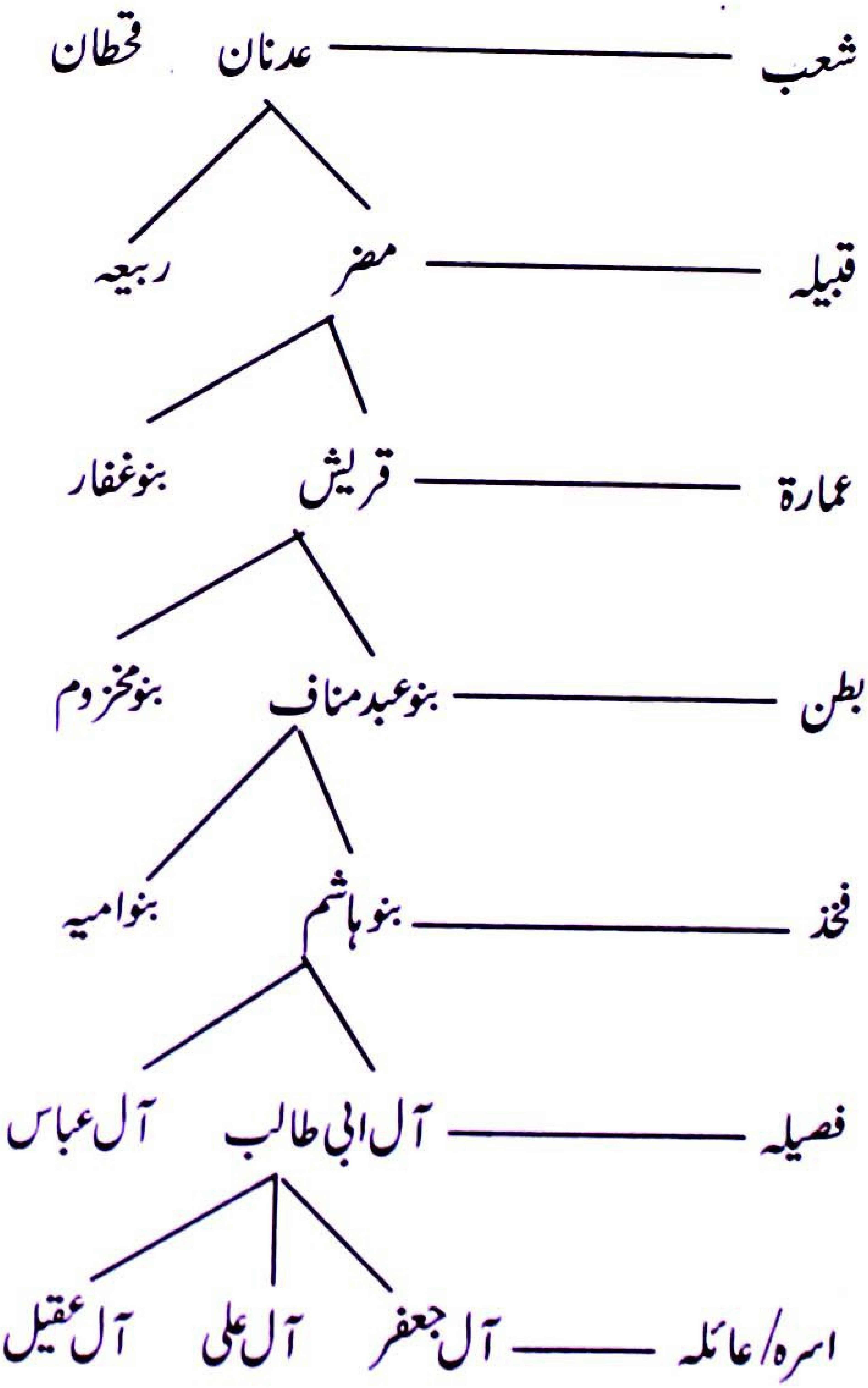

Marfat.com

قبائل کے ان طبقات کے درمیان اتحاد اور یک جہتی کا فقدان ہوتا تھا تاہم جب دوسروں سے مقابلہ پیش آ جائے تو یہ ایک ہو جاتے تھے مثلاً ایک عائلہ کے افراد دوسرے عائلہ کے افراد کے مقابلے میں، ایک فصیلہ کے لوگ دوسرے فصیلے کے لوگوں کے مقابلے میں، ایک فخذ سے تعلق رکھنے والے فصیلے، دوسرے فخذ کے فصیلوں کے مقابلے میں وعلی ھذا القیاس

عربوں کا یہ قول مشہور تھا 'میں اور میرا بھائی، چچا کے لڑکے سے جنگ کر سکتے ہیں لیکن غیر کے مقابلے میں، میں اور میرا چچا زاد دونوں ایک ہیں۔ (۲۱) اس قبائلی عصبیت کی حد یہ تھی کہ ہر شخص اپنے بھائی کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا تھا، خواہ اس کا بھائی ظالم ہو یا مظلوم۔ بقول ابن خلدون انسان کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ وہ اپنے کسی عزیز، رشتہ دار پر ظلم ہوتے برداشت نہیں کر سکتا۔ (۲۲)

اب ایسی حالت میں جبکہ طاقت و عصبیت کا دار و مدار قبائل پر ہو اور ملک میں عام لاقانونیت کا چلن ہو، کوئی مربوط سیاسی نظام بھی نہ ہو تو ہر قبیلہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ اپنی قوت اور طاقت میں اضافہ کرے۔ قوت میں یہ اضافہ، کثرت تعداد ہی کی صورت میں ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اولاد نرینہ کی کثرت انتہائی طمانیت کی بات تھی۔ عرب جاہلیہ میں سرداری کے لوازمات میں سے ایک کثیر العیال ہونا بھی تھا۔ جماعت کی تعداد، اکثریت کی قوت اور رشتہ داریوں کے زیادہ سے زیادہ پھیلنے کو عرب عزت و غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے عرب متعدد عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا کرتے تھے۔ (۲۳)

ان نکاحوں کا غالب مقصد تولید ہوتا تھا تا کہ زیادہ سے زیادہ بیٹے حاصل کئے جا سکیں، جو عزت، شرف اور طاقت میں اضافے کا باعث ہوں جب رسول اللہؐ کے دادا عبدالمطلب کا چاہ زمزم کھودنے کے معاملہ پر قریش سے جھگڑا ہوا اور ان کو دبنا پڑا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ ان کی زندگی میں سن بلوغ کو پہنچ کر ان کی حمایت کے قابل ہو گئے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ میں اللہ کے لئے قربان کر دیں گے۔ (۲۴)

یہ دوسری بات ہے کہ عبدالمطلب کے دس بیٹے تو ہوئے تاہم یہ ان کی زندگی میں جوان

Marfat.com

نہیں ہوئے۔ حارث بہت پہلے مر چکے تھے اور حمزہ اور عباس عہد طفولیت میں تھے۔ تاہم ان کی اس نذر سے اس قبائلی معاشرے کے مزاج کا پتہ ضرور چلتا ہے۔

دراصل زمانہ جاہلیت میں اعراب کی آبادی بہت کم تھی اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار محاربین کی جماعت فراہم ہو سکتی تھی اسی لئے اگر کسی کا خاندان مختصر ہوتا تو وہ اسے وسیع کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا اور یہی سبب تھا کہ عہد جاہلیت میں ایک شخص بلاتعین جتنے چاہے نکاح کر سکتا تھا۔ عرب ان شادیوں کے ذریعہ ایک طرف تو بیٹے حاصل کرتے تھے تو دوسری طرف اجنبیوں کو اپنا موالی بنا لیتے تھے۔ شادی کی بدولت دو قبائل کے مابین الفت و دوستی پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ (۲۵)

یوں تو عربی معاشرے میں عورتوں کی کوئی خاص عزت و مرتبہ نہیں تھا مگر صاحب اولاد خواتین کے شرف و عزت میں یقیناً اضافہ ہو جاتا تھا۔ عربوں میں کثیر الاولاد عورت کو ''ناتق'' کہتے تھے اور یہ عورتوں میں پسندیدہ صفت سمجھی جاتی تھی۔

نکاح و تولید کے علاوہ افرادی قوت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ رشتہ ولاء قائم کر کے زیادہ سے زیادہ موالی حاصل کئے جائیں جیسا کہ باب اول میں لکھا جا چکا کہ خونی رشتہ ہی کے زمرے سے ولاء اور معاہدہ کا رشتہ تھا کیونکہ ان دونوں سے بھی قریب قریب وہی خلوص اور وہی محبت پیدا ہو جاتی تھی جو خونی رشتے سے ہو سکتی تھی۔ مولیٰ اپنے مولا پر اور حلیف اپنے حلیف پر ظلم برداشت نہیں کرتا۔ (۲۶) عرب جاہلیہ میں موالی حاصل کرنے کے یہ طریقے معروف تھے۔

ا۔ حلف: تحالف یا حلف کسی ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے کے ساتھ وفاق تھا۔ اس کی ضرورت کئی وجوہ سے پیش آتی تھی جن میں سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ کمزور قبائل اپنی حفاظت کے لئے طاقتور قبائل سے منسلک ہونا چاہتے تھے۔

عربوں میں حلف کی تاریخ بہت قدیم ہے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ اسلام سے بہت پہلے ہوا تھا۔ یہ معاہدہ شہر مکہ کے اولین آبادکاروں میں طے ہوا تھا۔ قبیلہ جرہم کے تین سرداروں نے حلف لے کر اقرار کیا تھا کہ اگر کسی کمزور و بے بس پر ظلم ہوا تو ہم اپنے خاندان سمیت اس وقت تک مظلوم کی حمایت کریں گے جب تک ظالم، مظلوم کا حق ادا نہ کر دے اور

Marfat.com

ضعیف کو قوی سے اور اجنبی کو مقامی سے اس کا حق نہ دلا دیں (۲۷) حلف الفضول کے نام سے دوسرا معاہدہ ہجرت سے قبل کا ہے اور تاریخ میں بہت مشہور ہے۔

عرب میں قبائل کا ڈھانچہ مسلسل بدلتا رہتا تھا بعض قبائل خوشحال ہو جاتے تھے اور تعداد بڑھ جانے کے باعث جب ایک وحدت میں کام چلانا دشوار ہو جاتا تو دو یا دو سے زیادہ بطون میں تقسیم ہو جاتے، دوسری طرف جب ایک قبیلے کو خوشحالی نصیب نہ ہوتی تو اس کی تعداد میں کمی واقع ہو جاتی اس صورت میں یا تو وہ کسی طاقتور قبیلے کا سہارا ڈھونڈتا یا دوسرے کمزور قبائل کا حلیف بننے کی کوشش کرتا، یہ قبائلی معاشرے میں اس کی بقا کے لئے از بس ضروری ہوتا۔ اسی لئے مکے کے قریب چند کمزور قبائل زیادہ تر قریش کے دست نگر ہو کر رہ گئے تھے۔ چند قبائل جو اور بھی زیادہ کمزور تھے آپس میں مدغم ہو گئے تھے اور ان کا نام ''احابیش'' پڑ گیا تھا۔ (۲۸)

کسی قبیلے کی عددی اکثریت اس کی قوت اور اس قبائلی نظام میں اس کی حیثیت اور عزت کا سبب بنتی تھی۔ اپنی عددی قوت میں اضافہ کرنے کے لئے عرب قبائل اجنبیوں کو موالی کی حیثیت سے قبول کر لیا کرتے تھے۔ حلیف و مولیٰ کی حفاظت کرنا اور ان کا انتقام لینا کسی بھی قبیلے کی عزت و ناموس کا سوال ہوا کرتا تھا چونکہ دوسروں پر غلبہ پانے کے لئے اور اپنی تعداد کو بڑھانے کے لئے حلف و ولاء کا سہارا لیا جاتا تھا لہٰذا معاہدہ کرنے میں اس امر کی تخصیص نہ تھی کہ حلیف قبائل کا تعلق کسی مخصوص نسلی گروہ سے ہو مثلاً دونوں قبائل عدنانی ہوں یا دونوں قحطانی ہوں یا دونوں کا تعلق مضر سے ہو یا ربیعہ سے۔ بلکہ بعض اوقات عربوں نے اس قسم کے معاہدے ان غیر عرب اقوام سے بھی کئے جو سرزمین عرب میں آ کر بس جاتی تھیں۔ اس کی مثال یثرب میں ملتی ہے کہ یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنی قینقاع عربوں کے بنو اوس و خزرج کے حلیف تھے۔

بعض اوقات یہ حلف یا معاہدہ دو قبائل کے درمیان ہوتا تھا اور بعض حالات میں ایک فرد (یا چند افراد) اور ایک پورے قبیلے کے درمیان ہوتا تھا۔ جب کوئی آزاد انسان کسی قبیلے کی حفاظت میں آنا چاہتا تو وہ اس کا مولیٰ بن جاتا۔ ایسے میں اس کے لئے دونوں قبائل (یعنی نسبی قبیلہ اور حلفی قبیلہ) کی طرف نسبت کرنا جائز سمجھا جاتا مثلاً فلاں التمیمی ثم الوائلی یا فلاں الوائلی ثم

Marfat.com

التیمی وغیرہ۔

ایسے حلیف جو اپنی حفاظت کی غرض سے کسی طاقتور قبیلے سے معاہدہ کر لیتے تھے یا تو عموماً اسی قبیلے کے اسیر ہوتے تھے اور آزادی کے بعد اس کے معاہد بن جاتے تھے یا پھر کسی دوسرے قبیلے کی گرفت میں ہوتے تھے اور معاہد قبیلے کا کوئی فرد انہیں آزاد کرا دیتا تھا۔ ان لوگوں میں ایسے آزاد افراد بھی شامل ہوتے تھے جو کسی وجہ سے اپنے قبیلے سے الگ ہو کر، کسی دوسرے قبیلے کی پناہ میں آ کر ان کے پاس بس جاتے تھے مثلاً حضرت یاسر بن عامر (۲۹) جو یمن کے قبیلے کہلان سے تعلق رکھتے تھے۔ مکہ آ کر بنو مخزوم کے حلیف ہو گئے تھے اور وہ اور ان کی اولاد بنو مخزوم ہی کے افراد میں شمار ہوتی تھی اور یہ بنو مخزوم کے حلیف یا مولی کہلاتے تھے۔

دراصل معاشرے کے قبائلی نظام کے پیش نظر کوئی شخص اپنی زندگی ، مال و دولت اور عزت و آبرو کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا تھا جب تک کہ وہ کسی نہ کسی قبیلے سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ نہ ہوتا۔ پھر قبائل میں باہمی جنگ و جدل کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا۔ اس لئے بعض اوقات ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ یا بعض قبائل آپس میں مل کر تحالف (CONFEDERATION) کا رشتہ قائم کر لیتے تا کہ دشمن قبائل کی غارت گری کے مقابلے پر حلیف قبائل کا متحدہ محاذ پیش کر سکیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا **لا حلف فی الاسلام** اس ممانعت کا باعث بھی یہی تھا کہ اسلام میں کل مسلمان باہم بھائی بھائی ہو گئے۔ اس لئے قبائل کی جزوی اور متحاربانہ عہد بندی اسلام کی نظر میں مذموم تھی۔ منشاء یہ تھا کہ قبائل کی اندرونی چپقلش کو ختم کر کے اسلامی اخوت کو مستحکم کیا جائے۔ حلف کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث بھی مذکور ہے جس میں آپؐ نے بعد از اسلام تو حلف کو بند کیا لیکن عہد جاہلیت کے معاہدوں کے ایفاء پر زور دیا یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ فرامین ، اسلام کے شوکت کے زمانے ، یعنی فتح مکہ کے زمانے کے ہیں۔ (۳۰)

۲۔ استلحاق: اس کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی شخص کو اپنے نسب میں داخل کر لیتا تھا اس طور سے یہ نیا شخص اس خاندان کا فرد بن جاتا تھا ایسے شخص کو مستلحق اور دعی کہتے تھے۔ یہ

Marfat.com

مستلحق اور دعی کبھی غلام، قیدی یا مولیٰ بھی ہوتا تھا۔ عہد جاہلیت میں اس کی ایک مثال ذکوان کی ہے جو بنی امیہ کے جد امیہ کا غلام تھا۔ امیہ نے ذکوان کا اپنے نسب سے استلحاق کر لیا اور اس کی کنیت ابوعمرو رکھی اس طرح ذکوان کا نام اباعمرو بن امیہ پڑ گیا اور اسی نام سے وہ مشہور ہوا۔

عرب جاہلیہ میں ایسے ادعیاء کی کمی نہیں تھی۔ یہ ادعیاء اس بات کے بھی مجاز ہوتے تھے کہ دوسروں کو اپنا مستلحق اور دعی بنا لیں۔ چنانچہ زیر نظر دور میں بنوخلج کا پتہ چلتا ہے جو قریش کے ادعیاء تھے اور خود بنوخلج کا دعی ابن ہرمہ تھا۔ (۳۱) یہ استلحاق انفرادی بھی ہوتا تھا اور اجتماعی بھی۔ آخرالذکر صورت میں پورا قبیلہ، بطن یا فخذ، رشتہ استلحاق میں منسلک ہو جاتا تھا۔ استلحاق عموماً اس صورت میں وجود میں آتا کہ ایسا گروہ کسی قبیلے میں آ کر مقیم ہو جاتا تھا یا پھر اپنے دشمنوں کے خلاف ان سے مدد طلب کرتا تھا۔ ایسے ادعیاء عموماً اپنے مستلحق کے خاندان کے افراد سمجھے جاتے تھے اور صریح کی طرح اپنے مستلحق کی وفات کے بعد میراث کے حقدار ہوتے تھے۔ (۳۲) استلحاق کے ذریعہ دونوں فریق فائدے میں رہتے تھے۔ ایک طرف تو مستلحق یا دعی اغیار کی دست برد سے محفوظ ہو جاتے تھے تو دوسری طرف استلحاق کرنے والے قبائل کو اپنی تعداد میں اضافے کا موقع ملتا تھا۔ (۳۳)

مستلحق کی ضد ''خلیع'' تھی۔ یعنی کسی شخص کو ناپسندیدہ امور کی وجہ سے قبیلے سے خارج کر دیا جاتا۔ ایسا شخص ''خلیع'' کہلاتا تھا۔ (۳۴)

۳۔ مواخاۃ: حلف ہی سے مشابہ ایک اور رواج مواخاۃ کا تھا۔ یہ بھائی چارہ کبھی افراد کے مابین اور کبھی قبائل کے درمیان ہوتا تھا۔ رشتہ مواخاۃ استوار کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ کمزور افراد و قبائل کو حامی اور محافظ مل جائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حامی اور محافظ قبائل و افراد کی عددی قوت میں اضافہ ہو۔ یوں اس مواخاۃ کا فائدہ مخصوص سماجی حالات کی وجہ سے دونوں فریقوں کو ملتا تھا۔ (یہ طریقہ اسلامی عہد میں بھی ملتا ہے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے مابین مواخاۃ قائم کر کے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مدمقابل آنے کے بجائے ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائیں۔ ایک مواخاۃ رسول اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے مکہ میں بھی کرائی تھی کیونکہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے بہت سے مسلمان اپنے قبیلے کی اعانت وامداد سے محروم ہو گئے تھے۔

۴۔ استرقاق (یعنی غلامی) : غلامی نوع انسانی کی ہم عمر ہے۔ شاید اس کی وجہ انسانی فطرت کی استبدادیت ہے کہ وہ اپنے سے کمتر پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ غلامی کا رواج قدیم سے قدیم معاشروں میں بھی ملتا ہے، قبل اسلام عرب میں غلامی کا اسی طرح رواج تھا جس طرح قرون قدیمہ ووسطیٰ میں اس کا رواج باقی دنیا میں پایا جاتا تھا۔ عرب میں غلاموں کی اکثریت سیاہ فام حبشی الاصل لوگوں پر مشتمل تھی تاہم کچھ غلام سفید فام اور غیر حبشی النسل بھی ہوتے تھے۔ دیگر بڑے شہروں کی طرح مکہ کی منڈی میں بھی ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ اس دور میں غلاموں کا سب سے مشہور تاجر عبداللہ ابن جدعان تھا۔ (۳۵)

اس دور میں غلام ان تمام معلوم ذرائع سے حاصل کئے جاتے تھے جو اس عہد کی متمدن اقوام میں رائج تھے یعنی

...... جنگ میں ہاتھ آنے والے مغلوب افراد قیدی بنا لئے جاتے تھے۔

...... اکا دکا، بھولے بھٹکے اور تنہا سفر کرنے والے مسافروں کو بھی اغوا کر کے غلام بنا لینے کا رواج تھا۔

...... ''خلیع'' اگر چالاک لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو انہیں بھی غلام بنا لیا جاتا تھا۔

...... عرب، حبشہ اور قرب وجوار کے ممالک سے غلاموں کی خرید وفروخت بھی کرتے تھے۔ قبیلہ قریش میں بھی یہ تجارت جاری تھی جب کوئی شخص کسی غلام کو خرید لیتا تو اس کے گلے میں رسی ڈال دیتا اور اسے رسی سے پکڑ کر گھر لے جاتا تھا۔ (۳۶)

ایسے اسیران جنگ جو فاتح قبائل کے ہاتھ آتے تھے انہیں گرفتار کرنے والے عموماً ان کے بال کاٹ کر اپنے ترکش میں رکھ لیتے تھے اور جب تک ایسے لوگ اپنی آزادی خرید نہ لیں ان کے بال ان کے گرفتار کنندہ اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے۔ (۳۷)

جاہلی معاشرے میں غلاموں کی کثرت تھی۔ خصوصاً امراء اور ملوک کے یہاں اس کی

Marfat.com

کوئی حد نہیں تھی۔ ان کے غلاموں اور کنیزوں کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں سے متجاوز تھی چنانچہ جب ذوالکلاع حمیری کا وفد خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا تو اس کے خاندان اور قبیلے کے افراد کے علاوہ ایک ہزار غلام بھی اس کے ہمرکاب تھے (۳۸) الغرض اشراف عرب میں کسی کا گھر غلاموں سے خالی نہ تھا۔

عرب کے لوگ باندیوں سے شادیاں بھی کرتے تھے اور ان سے جو اولاد ہوتی تھی انہیں بھی غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ البتہ اگر وہ کوئی بڑا کام انجام دیتے تو انہیں آزاد کر کے آقا اپنا بیٹا بنا لیتے تھے۔ پھر ایسے بیٹوں کی حیثیت میں اور آزاد ماؤں کی اولاد میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال مشہور جاہلی شاعر اور عنترہ بن شداد العبسی کی ہے۔ (۳۹) جس کا قصیدہ ''سبعہ معلقات'' میں شامل ہے۔

عرب جاہلیہ میں غلاموں کو آزاد کرنے کا بھی تصور تھا۔ آزادی کا ایک طریقہ ''مکاتبت'' تھا۔ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لئے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیش کش کرے اور جب آقا اسے قبول کر لے تو دونوں کے درمیان شرائط طے ہو جائیں۔ ضروری نہیں کہ معاوضہ مال ہی کی شکل میں ہو آقا کے لئے کوئی خدمت انجام دینا بھی معاوضہ بن سکتا تھا بشرطیکہ فریقین اس پر راضی ہوں۔

آزادی کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آقا اپنے غلام کی آزادی کے لئے مرنے سے قبل وصیت کر دے تو آقا کے مرنے پر یہ غلام آزاد ہو جاتا تھا۔ یہ طریقہ ''تدبیر'' اور اس طریقے سے آزادی حاصل کرنے والا غلام ''مدبر'' کہلاتا تھا۔ غلام کو مدبر کرنے کے بعد عموماً آقا اس کو نہ اپنی زندگی میں فروخت کر سکتا تھا اور نہ ہی بطور ہبہ و بخشش کسی کو عطا کر سکتا تھا۔

آزادی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ غلام زرفدیہ ادا کر دے اور ایک صورت یہ تھی کہ آقا اس کی کسی خدمت پر خوش ہو کر اسے آزاد کر دے۔

حصول آزادی کے بعد یہ آزاد کردہ غلام ''موالی'' کہلاتے تھے اور ان کی نسبت ان کے آزاد کنندہ کے قبیلے کی طرف ہوتی تھی اور وہ مثل رشتہ دار کے سمجھے جاتے تھے اور وراثت میں

Marfat.com

بھی حصہ دار ہوتے تھے۔

اب تک کے بیان سے جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب جاہلیہ میں انفرادی و اجتماعی بقا کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ہر قبیلہ اپنی تعداد بڑھائے۔ تعداد میں اضافے کے کئی طریقے تھے جو اوپر بیان کئے گئے۔ یہی ضرورت گویا طریقہ ولاء کی اساس تھی۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی اور وہ یہ کہ ایسے ملک میں جہاں کوئی منظم حکومت نہ ہو اور جو شدید قسم کی لامرکزیت کا شکار ہو، ان لوگوں کی جان و مال کیسے محفوظ رہے جو یہاں کسی ضرورت یا کسی مجبوری کی وجہ سے آ رہے ہوں۔ اس غرض سے یہ طریقہ رائج کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو موالات کے طریقے سے کسی قبیلے کا رکن بنالیا جائے اور یہ طریقہ ادغامِ اغیار جیسا کہ آج کی دنیا میں بھی جاری ہے اس عہد میں بھی رائج تھا۔ (۴۰)

یہ نظام موالات جو عرب میں جاری تھا بلاشبہ کوئی نیا نظام نہیں تھا بلکہ اس عہد میں قریب قریب ہر قوم کو کم از کم غیر ملکی باشندوں اور ملک میں مفتوح، مغلوب اور آزاد شدہ غلاموں کے مسائل درپیش تھے، جسے مختلف اقوام نے اپنی سوچ اور فکر کے مطابق حل کیا مثلاً قدیم اہل ہند نے مفتوح و مغلوب اقوام کو جو غیر آریائی تھیں عام انسانی حقوق سے بھی محروم کر کے انہیں اچھوت یا شودر کا نام دے کر معاشرے کا سب سے نچلا طبقہ بنا دیا۔ جن کی وجہ تخلیق اور واحد ذمہ داری برتر ذاتوں کی خدمتگاری ٹھہری۔ وہ مر کر بھی اس غلامی سے آزاد نہیں ہو پاتے تھے۔ اسی طرح اہل یونان اور ان کے جانشین اہل روم نے اپنے زیر نگیں غیر اقوام کو کسمپرسی میں رکھا، ان کی حیثیت آزاد غلام سے زیادہ نہیں تھی اور وہ زندگی کی ان تمام سہولتوں سے قریب قریب محروم تھے جو روم و یونان کے عام شہریوں کو میسر تھیں۔ یہی حال ایران کا تھا جہاں غیر اقوام غلاموں کے درجے میں رکھی جاتی تھیں اور نسل ایرانی سے ہمسری اور ہم چشمی کی جرات بھی جرم سمجھی جاتی تھی۔ ہندوستان، ایران اور یونان و روم میں غیر اقوام سے اس سلوک کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے فلسفیوں اور دانشوروں نے انہیں یہ نظریہ عطا کیا تھا کہ دیگر اقوام کے مقابلے میں انہیں ایک الوہی تقدس حاصل ہے اور انہیں دیگر اقوام پر حکومت کرنے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ (۴۱)

Marfat.com

یہ عرب جاہلیہ کی کم مائیگی تھی کہ ان میں ایسا کوئی مفکر پیدا نہیں ہوا جس نے سامی نسل کی برتری کا نعرہ لگایا ہو لہٰذا عربوں کے ذہن اس تنگ نظری سے خالی تھے۔ ان میں ذہنی اعتبار سے بڑی وسعت اور فکری اعتبار سے بڑی سادگی تھی۔ اسی لئے جب اس معاشرے میں غیر عرب یا آزاد کردہ غلام درآئے تو عربوں نے انہیں اپنے اندر ضم کرلیا اور یہ ادغام اتنا مکمل تھا کہ اس کے بعد عرب و غیر عرب کی کوئی تمیز باقی نہ رہی اور اس سرزمین میں جو بھی آیا وہ عرب ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب جاہلیہ میں یمن کے اسرء ہ حاکم، ابنائے احرار (۴۲) اور حجاز کے یہود (۴۳) قبائل کے سوا تمام غیر عرب آبادکار خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو، اس طور سے باہم مل جل گئے تھے کہ عرب کے سوا گویا کوئی اور یہاں بستا ہی نہیں تھا۔

المختصر، عربوں نے غیر عربوں اور ایک قبیلے نے دوسرے قبیلے کو ان کی مرضی سے اپنے میں مدغم کرنے کی غرض سے ''نظام ولاء'' رائج کیا اور یوں اس محدود معاشرے میں جو قبائلی نوعیت کا تھا ایک گونہ وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس پیمان ولاء سے وابستہ دونوں ہی فریقوں کو فائدے پہنچے۔ وہ افراد جو کسی قبیلے سے عقد موالات کرتے تھے ان کو جان و مال کی حفاظت کی ضمانت اور حامیوں کی ایک جماعت مل جاتی تھی۔ اسی طرح وہ قبائل جو ایسے افراد کو اپنا مولیٰ بنا لیتے تھے۔ انہیں اپنی تعداد بڑھانے اور اپنے حریفوں کے مقابلے میں طاقت بہم پہنچانے کا موقع مل جاتا تھا۔

عربی زبان میں ولاء کے معنی و مفاہیم سے جو بحث کی گئی ہے وہ باب اول میں گزر چکی ہے نیز آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اشعار عرب کے حوالے سے موالی کی درجہ بندی بھی کی جا چکی ہے۔ تاہم اب موقع ہے کہ موالی کی ان اقسام پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

۱۔ مولیٰ القرابت والولادت: نسب و نسل سے قائم ہونے والی قرابت کا دائرہ عرب کے معاشرے میں بڑا وسیع تھا۔ دنیا کی شاید ہی کسی قوم نے اپنے شجرہ نسب کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیا ہو جتنا عربوں نے کیا ہے۔ (صدر اسلام میں بھی اس علم کی جانب خصوصی توجہ دی گئی) علم انساب کی یہ اہمیت اس لئے تھی کہ اسی کے ذریعہ نسلی نجابت اور نسبی رشتوں کی حفاظت و

Marfat.com

صیانت ممکن تھی۔(۴۴) اسی نسب کے محور پر عرب جاہلیہ کی معاشرتی زندگی گردش کرتی تھی اور یہی رشتے اس کے سماج کے تانے بانے تھے۔ چنانچہ بوقت ضرورت اس رشتے کے ناتے عرب ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے اور بوقت مفاخرت ان تعلقات پر فخر کرتے تھے۔ وہ محالفت و موالات جو اس طور سے وجود میں آتی تھی دوسری تمام اقسام حلف و ولاء سے زیادہ قوی اور موثر ہوتی تھی اسی لئے چچازاد بھائی کو مولیٰ کہا جاتا تھا جو افراد کے مابین قریب ترین رشتہ اتحاد سمجھا جاتا تھا۔

موالی کی اس قسم کو دو مزید درجوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

(الف) مولیٰ قرابت (ب) مولیٰ ولادت

(الف) مولیٰ قرابت

یہ قرابت شادی اور نکاح کے ذریعہ قائم ہوتی تھی ۔عرب جاہلیہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ ایک فرد شادی بیاہ کے ناتے سے کسی غیر قبیلہ کا مولیٰ بن جاتا تھا۔ یہ ولاء جواز دواج کے تعلق سے وجود میں آتی تھی اس میں قبیلہ کے صریح اور غیر صریح دونوں ہی افراد شامل ہوتے تھے۔اس طور سے داماد، خسر، سالے ایک دوسرے کے موالی بن جاتے تھے۔(۴۵)

(ب) مولیٰ ولادت:

یہ ولاء خون کے رشتے سے وجود میں آتی تھی۔ایک مورث اعلیٰ کی نسل میں شامل افراد جو ابنائے عم ہوتے تھے ایک دوسرے کے مولیٰ کہلاتے تھے مثلاً بنو ہاشم اور بنو امیہ جو عبد مناف کی اولاد میں تھے باہم رشتہ موالات میں منسلک تھے اور ایک دوسرے کے مولیٰ کہلاتے تھے۔محض دو بھائی کی اولاد ہی نہیں بلکہ اوپر سے سلسلہ نسب کا اتحاد بھی ولاء کے انعقاد کا باعث ہوتا تھا۔ چنانچہ قریش اور بنو غفار کہ ان کا مورث اعلیٰ کنانہ تھا، بنو اعمام اور موالی ہوئے۔ایسے موالی ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔

۲۔مولی الحلف والیمین:

بعض وجوہ کی بناء پر کوئی شخص کسی غیر قبیلہ کے فرد سے معاہدہ کر لیتا تھا اور اس پیمان

Marfat.com

بندی کے ذریعہ وہ اس قبیلہ کا مولیٰ بن جاتا تھا۔ ایسے شخص کو مولی الحلف یا مولی الاصطناع کہا جاتا تھا۔ یہ موالات متعدد طریقوں سے وجود میں آتی تھی کبھی محالفت یعنی باہمی عہد پیمان سے...... کبھی مخالطت یعنی کسی فرد کے کسی قبیلہ میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے باعث...... اور کبھی ملازمت یعنی کئی پشتوں سے تعلقات کے نتیجہ میں ایک فرد کے کسی قبیلہ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کے سبب سے، ولاء کا انعقاد ہو جاتا تھا۔ (۴۶) ابوالبکیر بن عبد یالیل حضرت عمر فاروقؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ کے حلیف اور اس رشتہ سے ان کے مولیٰ تھے۔ (۴۷) عبداللہ ابن مسعود کے والد مسعود بن غافل ہذلی، عہد جاہلیت میں عبداللہ بن الحارث کے جن کا تعلق بنی زہرہ سے تھا، حلیف تھے (۴۸) نیز مرثد بن ابی مرثد الغنوی اور ان کے والد ابو مرثد دونوں حمزہ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ (۴۹) وغیرہ۔

یہود یثرب مخالطت و ملازمت کے باعث اوس و خزرج کے موالی بن گئے تھے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر خزرج کے موالی تھے جبکہ بنو قریظہ اوس کے موالی تھے۔ (۵۰) ان موالی کے حقوق کا تعین بھی کیا جاتا تھا چنانچہ ان کی موت کے بعد صلبی وارث نہ ہونے کی صورت میں ان سے موالات کرنے والا ان کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اسی طرح اگر یہ لوگ مارے جاتے تو ان کی دیت بھی ان سے موالات کرنے والا وصول کرتا تھا۔ حقوق و فرائض میں انہیں مساوی سمجھا جاتا تھا اور یہ اپنے موالات کنندہ خاندان میں شادی بیاہ بھی کرتے تھے اور یوں مولیٰ الحلف والیمین کے ساتھ ساتھ یہ مولیٰ القرابت بھی بن جاتے تھے۔ اس کی ایک مثال عبیداللہ ابن جحش کی ہے، یہ بنو امیہ کے سردار ابوسفیان بن حرب کا مولیٰ الحلف تھا۔ عبیداللہ کا نکاح ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ سے ہوا تھا۔ (۵۱)

اس طرز کی موالات میں نہ مذہب کی قید تھی نہ نسل کی۔ اسی لئے رشتہ ولاء میں بت پرست، یہود و نصاریٰ بھی منسلک نظر آتے ہیں۔ (۵۲)

۳۔ مولی النعمت:

آزاد کردہ غلام مولیٰ النعمت کہلاتا تھا۔ غلاموں کی آزادی کے مختلف طریقے

Marfat.com

تھے،غلامی سے آزادی حاصل کرنے والے افراد کو معاشرے میں شامل کرنے کے لئے یہ طریقہ رائج کیا گیا تھا کہ انہیں اپنے آزاد کنندہ یعنی سابق آقا کی ولاء حاصل ہو جاتی تھی اور یوں وہ بے یارو مددگار نہیں رہتے تھے بلکہ ان کی پشت پر ایک ایسی طاقت ہوتی تھی جو بوقت ضرورت ان کی حامی و ناصر ہوتی۔عموماً یہ ولاء جو سابق آقا کو اپنے سابق غلام کی ملتی تھی،ایک موروثی حق متصور ہوتی تھی اور نہ صرف یہ کہ آزاد کنندہ اور آزاد شدہ افراد ایک دوسرے کے مولیٰ کہلاتے بلکہ ان کے خاندان کو پشتہا پشت تک ایک دوسرے کا مولیٰ کہا جاتا تھا۔چنانچہ صبیح جو ابواحیحہ سعید بن عاص بن امیہ کے مولیٰ تھے،سعید کے بعد اس کے بیٹوں کے اور ان کی اولاد سعید کے پوتوں کی مولیٰ تھی۔

یہ بھی قاعدہ تھا کہ سابق آقا ایسے موالی کی ولاء کسی دوسرے شخص کی جانب منتقل کر دیتے تھے اور یوں یہ موالات ایک نئے خاندان میں قائم ہو جاتی تھی۔

مکاتبت کی صورت میں اگر رقم کتابت،غلام کے علاوہ کوئی دوسرا فرد ادا کرتا تھا تو آزادی کے بعد ولاء آزاد کنندہ سابق آقا کے بجائے،زر کتابت ادا کرنے والے شخص کو حاصل ہو جاتی تھی۔(۵۳)

زر کتابت اگر آزادی حاصل کرنے والا شخص اپنی محنت سے کمائی ہوئی رقم سے ادا کرتا تو ایسی صورت میں کبھی کبھی وہ سابق آقا سے رشتہ موالات نہ قائم کرتا۔کبھی سابق آقا خود اس بات کا اعلان کر دیتا تھا کہ وہ حق ولاء سے دستبردار ہوتا ہے۔ایسے آزاد شدہ شخص کو سائبہ کہتے تھے اور اسے پیمان ولاء باندھنے کی آزادی ہوتی تھی اور اس کے ترکہ سے سابق آقا کو کچھ نہ ملتا تھا۔ایسے ہی سائبہ سالم (۵۴) مولیٰ ابوحذیفہ (۵۵) تھے۔

ایسے موالی حصول آزادی کے بعد بھی معاشرے میں دیگر آزاد افراد سے ایک طبقہ کم تر محسوب ہوتے تھے اور آزاد و غلام کے درمیانی طبقے میں شمار کئے جاتے تھے۔وہ اس حیثیت سے آزاد تھے کہ انہیں فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اس اعتبار سے وہ آزاد اشخاص سے فروتر تھے کہ نکاح و میراث میں آزادوں کی طرح انہیں آزادی عمل نہ حاصل تھی۔موالی کسی آزاد عورت سے شادی نہ کر سکتے تھے،اسی طرح ان کی دیت آزادوں کی دیت کے نصف کے بقدر تھی۔گویا

Marfat.com

آزادی کے بعد بھی انہیں کمتر ہی سمجھا جاتا تھا۔اسی طرح اگر ان پر قصاص واجب ہوتا تو آزادوں کے مقابلہ میں نصف دیت کی ادائیگی پر پابند کئے جاتے تھے ۔ایسے موالی کی موت کے بعد ان کے سابق آقا اور حال موالی ان کے وارث بھی ہوتے تھے ۔انہیں موالی النعمت کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے اگر چہ سابق آقا ایسے موالی کے وارث ہوتے تھے مگر خود یہ اپنے آقاؤں کے وارث نہ ہوسکتے تھے۔

حاصل بحث یہ کہ عرب جاہلیہ کا معاشرہ تین طبقات میں منقسم تھا۔ایک آزاد یا حر، دوسرے موالی اور تیسرے غلام۔آزاد کا یہ طبقہ بھی دو ذیلی طبقات میں تقسیم تھا ایک صریح اور دوسرا غیر صریح......صریح وہ تھا جس کا متعلقہ قبیلے سے نسلی تعلق ہوتا تھا اور بزرگ قبیلہ سے خونی رشتہ رکھنے کی وجہ سے افراد قبیلہ سے اس کا تعلق خون کا ہوتا تھا مثلاً حرب بن امیہ اور ابوسفیان بن حرب ،بنوامیہ کے صریح افراد تھے اور اس خاندان کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبدشمس کی اولاد میں تھے۔اسی طرح بنوعبد مناف اور قریش سے انہیں خونی رشتے کی بناء پر انتساب تھا۔عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ بن جحش محالفت کے ناطے سے حرب اور ابوسفیان سے وابستہ تھے۔اسی لئے بنوامیہ اور بنوعبد مناف و قریش سے ان کی وابستگی ان بنیادوں پر نہ تھی جن پر ان کے حلفاء......حرب و ابو سفیان کی تھی اور وہ بنوامیہ، بنوعبد مناف اور قریش کے غیر صریح افراد تھے۔ان قبائل میں ان کی حیثیت صریح افراد سے کم تر تھی۔گو جملہ حقوق و فرائض میں وہ ان کے مساوی محسوب ہوتے تھے۔ صریح و غیر صریح دونوں ہی کی حفاظت جان، صیانت مال اور حمایت آبرو کی خاطر قبائل کی رگ انتقام پھڑک اٹھتی تھی اور ان کی تمام قوت عمل اس نقطہ پر مرکوز ہو جاتی تھی کہ اس کا انتقام لینا اور اس کی آبرو کی حفاظت کرنا ان کا انفرادی و اجتماعی فریضہ ہے۔

جس طرح افراد قبائل اپنے بھائی، بھتیجے اور خون کے رشتے سے وابستہ افراد کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے اسی طرح وہ اپنے موالی کی خاطر بھی اپنی جان، مال اور عزت کو داؤ پر لگانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔مگر فی الجملہ صریح کے مقابلہ میں غیر صریح یا مولیٰ کو کسی قدر کمتر حقوق حاصل تھے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً آزاد کے مقابلے میں مولیٰ کی دیت نصف ہوتی

Marfat.com

تھی۔ارتکاب جرائم کی صورت میں اس پر جو قصاص لازم آتا تھا وہ بھی آزاد کے قصاص سے نصف ہوتا تھا۔اگراس کی صلبی اولاد نہ ہوتی تو اس کے تمام ترکہ کا حقدار اس کا سابق آقا اور حال مولیٰ ہوتا تھا اور صلبی اولاد کی موجودگی میں اسے ترکہ کا ایک ثلث ملتا تھا۔

معاشرے کا سب سے کمتر طبقہ غلاموں کا تھا جن کی تفصیل موضوع زیر بحث سے خارج ہے۔

خلاصہ بحث:

عرب خواہ بدوی ہوں یا حضری، ان کا طرز معاشرت قبائلی تھا، عہد جاہلیت میں قبیلہ ہی وہ وحدت تھی جس پر عربوں کی اجتماعی زندگی کا دارومدار تھا۔ جہاں قبائلیت ہوتی ہے وہاں سیاسی لامرکزیت ہوتی ہے، عرب معاشرے میں ہر قبیلہ ایک اکائی اور سیاسی اعتبار سے خودمختار تھا۔ پورے عرب میں کسی ایسی منظم حکومت کا پتہ نہیں چلتا جس کے سامنے سارے قبائل جوابدہ ہوں۔ مرکزی حکومت کی عدم موجودگی، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ملک میں معاشی وسائل محدود ہوں، آئے دن کی جنگوں کا باعث تھی، درحقیقت ایک عرب (خصوصاً بدوی عرب) کی زندگی سخت نامساعد حالات میں بسر ہوتی تھی، اکثر اوقات خوراک کے وسائل وذرائع، آبادی کے اعتبار سے کافی نہیں ہوتے تھے، چنانچہ ہر طاقتور کے ہاں یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ کمزور کے پاس جو وسائل حیات ہیں ان پر قبضہ کرلیا جائے۔جس کی وجہ سے معاشرہ لاقانونیت کا شکار ہوگیا تھا۔

اب ایسی حالت میں جب کہ طاقت وعصبیت کا دارمدار قبائل پر ہو، ملک میں عام لاقانونیت کا چلن ہو، کوئی مربوط سیاسی نظام بھی نہ ہو تو ہر قبیلہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ اپنی قوت اور طاقت میں اضافہ کرے۔قوت میں یہ اضافہ کثرت تعداد ہی کی صورت میں ممکن تھا۔یہی وجہ ہے کہ عربوں کے نزدیک اولاد نرینہ کی کثرت انتہائی ضروری تھی۔عرب جاہلیہ میں سرداری کے لوازمات میں سے ایک کثیر العیال ہونا بھی تھا۔ ہر قبیلہ اپنی تعداد بڑھانا چاہتا تھا جس کے لئے انہوں نے کئی طریقے اپنا رکھے تھے مثلاً عرب بیک وقت متعدد عورتوں سے نکاح کیا کرتے تھے، تاکہ زیادہ سے زیادہ بیٹے حاصل کئے جاسکیں، نیز وہ دوسروں سے رشتۂ ولاء قائم کرکے اپنے لئے

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ موالی حاصل کرتے تھے۔عرب جاہلیہ میں موالی حاصل کرنے کے کئی طریقے تھے مثلاً حلف، استلحاق، مواخاۃ اور استرقاق وغیرہ۔

عربوں نے غیر عربوں اور ایک قبیلے نے دوسرے قبیلے کو ان کی مرضی سے اپنے میں مدغم کر کے اپنی طاقت بڑھانے کی غرض سے باقاعدہ ''نظام ولاء'' رائج کیا تھا۔اس پیمانِ ولاء سے وابستہ دونوں ہی فریقوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔

وہ افراد یا کمزور قبائل جو کسی طاقتور قبیلہ سے عقدِ موالات کرتے تھے ان کو جان و مال کی حفاظت کی ضمانت اور حامیوں کی ایک جماعت مل جاتی تھی، اسی طرح وہ قبائل جو ایسے افراد اور کمزور قبائل کو اپنا موالی بنا لیتے تھے، انہیں اپنی تعداد بڑھانے اور اپنے حریفوں کے مقابلے میں طاقت بہم پہنچانے کا موقع مل جاتا تھا۔

عرب جاہلیہ میں موالی کی چند اقسام تھیں مثلاً (i) مولیٰ القرابت: یعنی وہ موالی جو قرابتداری اور رشتہ داری کی وجہ سے حاصل ہوتے تھے، یہ ولاء ازدواج کے تعلق سے وجود میں آتی تھی۔اسی طور سے داماد، خسر، سالے، ایک دوسرے کے موالی بن جاتے تھے۔(ii) مولیٰ ولادت: یہ ولاء خون کے رشتہ سے وجود میں آتی تھی ایک مورث اعلیٰ کی نسل میں شامل افراد ایک دوسرے مولیٰ کہلاتے تھے۔(iii) مولیٰ الحلف والیمین: بعض وجوہ کی بیان پر کوئی شخص کسی غیر قبیلہ کے فرد سے معاہدہ کر لیتا تھا، اس پیمان بندی کے ذریعہ وہ اس قبیلہ کا مولیٰ بن جاتا تھا۔اس طرز کی موالات میں مذہب یا نسل کی قید نہ تھی۔(iv) مولیٰ النعمت: غلاموں کو آزاد کر کے انہیں اپنا مولیٰ بنا لیا جاتا تھا...... ہر قسم کے موالی کے حقوق و فرائض اور سماجی مرتبہ میں فرق تھا، تاہم قبائلی معاشرہ میں نظام ولاء حصول طاقت کا ایک ذریعہ اور اہم ادارہ تھا۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

باب دوئم

۱۔ یہاں عہد جاہلیت سے مراد ہے دعوت اسلام سے پہلے، خصوصاً ہجرت نبویؐ سے پہلے کا زمانہ۔ کیونکہ اس عہد کے جزیرۃ العرب میں مشرکین عرب کا اجتماعی وسیاسی قانون موثر تھا جو کسی وحی یا الہام کے تابع نہیں تھا اس لئے وہ زمانہ ''جہل وھوٰی'' کا زمانہ تھا۔ قرآن مجید میں جاہلیہ کا لفظ چار مرتبہ استعمال ہوا ہے: ۱۔ ظن الجاهليه (آل عمران : ۱۵۴) ۲۔ افحکم الجاهليه (مائدہ:۵۰) ۳۔ تبرج الجاهلية الاولیٰ (الاحزاب:۳۳) ۴۔ حمية الجاهليه (الفتح:۲۶)

جہل سے مراد لاعلمی کے علاوہ درشتی، سختی، بربریت، خشونت، اکھڑپن اور قوانین الٰہیہ اور خدا سے ناواقفیت اور حالت کفر وبت پرستی بھی ہے۔ مشہور جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم نے بھی اپنے معلقہ میں لفظ ''جہل'' درشتی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

فنجهل فوق جهل الجاهلينا

(ہم اکھڑ لوگوں سے بھی بڑھ کر سختی اور درشتی سے پیش آئیں گے)

جہل کی ضد علم بھی ہے اور حلم بھی (الزمخشری محمود بن عمر (م ۵۲۸ھ) الکشاف، جلد ۳، ص ۵۳۷ و ۵۳۸ مطبعہ الاستقامہ، قاہرہ، طبع اول ۱۹۴۶ء (نیز بذیل تفسیر سورہ آل عمران، آیت ۱۵۴، المائدہ، آیت ۵۰، الفتح، آیت ۲۶)

۲۔ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن (م ۸۰۸ھ) مقدمہ۔ ص ۱۰۱، دار صادر، بیروت (تاریخ ندارد)

۳۔ ایضاً ص ۲۹۸ تا ۲۹۹

۴۔ ایضاً ص ۱۰۲

۵۔ موسیو گستاولیبان، تمدن عرب، ص ۱۶۱، مترجم سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی، لاہور

Marfat.com

۶۔ موسیو گستاولیبان، تمدن عرب، ص ۱۶۳، مترجم سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی، لاہور

۷۔ عرب قدیم کا سب سے متمدن اور سرسبز خطہ یمن تھا جو کہ جزیرۃ العرب کے جنوب میں واقع ہے۔ وقتاً فوقتاً یہاں عمالیق، اہل معین، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئیں۔ جنہوں نے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں جن کی عظمت کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اہل یمن کے تجارتی تعلقات اہل ہند، ایران اور حبشہ کے ساتھ قائم تھے۔ یہاں ظہور اسلام سے صدیوں پہلے آل سبا کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے بعد انہیں کی نسل بنام آل حمیر حکمران ہوئی۔ یمن کی خودمختار حکومت کا خاتمہ ۵۲۵ء میں اہل حبشہ کے تسلط سے ہوا۔ یمن پر حبشیوں کی حکومت تقریباً ۴۷ سال تک رہی۔ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایرانیوں نے حبشیوں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کرلیا اور ظہور اسلام تک یمن، ایرانی سلطنت کا ایک حصہ رہا۔ آخری ایرانی گورنر باذان نے رسول اللہؐ کی دعوت قبول کر لی اور اس کے ساتھ ہی یمن اسلام کی عملداری میں آ گیا۔ یمن کا سیاسی نظام خاصا ترقی یافتہ اور مستحکم تھا۔ (عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ السیرۃ النبویہ، جلد ا، ص ۱۳ تا ۲۷، طبع مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ۱۳۵۵ھ ندوی، سید سلیمان، تاریخ ارض القرآن، جلد ا، ص ۲۳۶ تا ۲۹۴، مجلس نشریات اسلام، کراچی)۔

(موسیو گستاولیبان نے قبل مسیح کے قدیم حوالوں سے یمن کی مدنیت، شہر مآرب اور سد مآرب کی تفصیل بیان کی ہے۔ جو عرب مورخین کے بیانات کی تصدیق کرتی ہے۔ دیکھئے تمدن عرب صفحات ۱۹۲ تا ۱۹۵ و نیز ''العرب قبل اسلام'' از ڈاکٹر جواد علی عراقی)

۸۔ اہل یمن نے زراعت کی ترقی کے لئے وادیوں میں بارش کے پانی کو روک کر بڑے بڑے بند بنائے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مآرب ہے، جس کا قرآن میں بھی ذکر ہوا ہے (سورۃ سبا: آیات ۱۵۔۱۶) شہر مآرب کے جنوب میں دو پہاڑ ہیں جنہیں کوہ ابلق کہا جاتا ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذنیہ ہے۔ پہاڑوں سے نیز ادھر ادھر سے پانی جمع ہو کر وادی میں ایک دریا سا جاری ہو جاتا ہے۔ سبا نے ان پہاڑوں کے بیچ

Marfat.com

میں تقریباً ۸۰۰ ق ۔م میں سد مآرب کی تعمیر کی تھی ۔ یہ بند تقریباً ۱۵۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک دیوار تھی ۔اس بند میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں ۔ جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں ۔ بند کے دائیں بائیں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ وراست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ قدیم مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حکومت آل حمیر تک یہ بند صحیح سلامت رہا۔ بعد میں جب ملک میں سیاسی انتشار پھیلا اور بند کی نگرانی کی طرف سے غفلت برتی گئی تو یہ بتدریج تباہ ہو گیا۔ اس بند کا کچھ حصہ آج بھی موجود ہے ۔ بقول حمزہ اصفہانی ظہور اسلام سے چار سو سال قبل یہ بند تباہ ہوا۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ یمن پر حبشیوں کے تسلط کے زمانہ یعنی چھٹی صدی عیسوی میں یہ بند تباہ ہوا اور ابن خلدون کا خیال ہے کہ بند کی تباہی پانچویں صدی عیسوی میں مکمل ہوئی ۔ (جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام ،ص ۱۵۰ تا ۱۶۰ طبع دارالہلال ،مصر ۱۹۰۸ء ؛ ندوی، سید سلیمان ،ارض القرآن ،جلد اول ۲۵۴)

۹۔ یہ عراق عرب میں قائم عربوں کی نیم خودمختار حکومت تھی ۔ایرانی بادشاہ ،شاہ پور اول کے عہد (۲۴۰ء) میں حکومت ایران نے نہر فرات کے کنارے حیرہ کی مملکت کی بنیاد رکھ کر عمرو بن عدی کو اس کا امیر مقرر کیا تھا ۔ یہ ایک طرح کی بفر اسٹیٹ تھی ۔ حیرہ کی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ ایران پر اس کی سمت سے حملہ آور کی مدافعت کرے ۔اس کے عوض ایران نے اُسے ٹیکس کی ادائیگی سے معافی دے رکھی تھی ۔ ایرانی حکومت عموماً حیرہ کے عربوں پر بنو قضاعہ کی ایک شاخ قبیلہ لخم کے کسی فرد کو مقرر کرتی تھی ۔اسی لئے اس کو آل لخم یا لخمی حکومت بھی کہتے ہیں ۔ پائیہ تخت حیرہ کی مناسبت سے ملوک حیرہ اور متعدد حکمرانوں کے نام منذر ہونے کی وجہ سے مناذرہ کی حکومت بھی کہتے ہیں ۔ حیرہ پر مناذرہ کے بائیس بادشاہوں نے تین سو چونسٹھ سال تک حکومت کی قبیلہ لخم کی امارت کا نظام بوجوہ ۶۰۲ء میں ختم کر دیا گیا اس کے بعد یہاں ایرانی حکومت اپنی طرف سے ایرانی گورنر مقرر کرتی تھی جس کی اطاعت حیرہ کے تمام امرائے عرب کیا کرتے تھے ۔ یہ دستور ۶۳۳ء تک باقی رہا

Marfat.com

جبکہ حیرہ کو حضرت خالد بن ولید نے فتح کیا۔(امین احمد المصری: فجر الاسلام ص ۱۷، الجنہ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ الطبعتہ العاشرہ ۱۹۶۵ء)

۱۰۔ تمدن عرب ص ۱۹۶

۱۱۔ ابو الفداء کی بیان کے مطابق یہ حکومت تیسری صدی عیسوی میں وجود میں آئی اور اس کا خاتمہ ۶۳۳ء میں عہد فاروقی میں ہوا۔ یوں آل غسان کے حکمرانوں نے کم وبیش چار سو سال حکومت کی۔ ان حکمرانوں نے رومیوں کے زیر اثر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ اس حکومت کو غسانسہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یمن سے ہجرت کے بعد یہ لوگ تہامہ میں نہر غسان کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ اسی نسبت سے وہ غسان کے نام سے معروف ہوئے۔ انہیں بانی خاندان کے نام سے آل جفنہ بھی کہتے ہیں۔(تاریخ ارض القرآن، جلد ۲ ص ۳۸۳) غسانیوں کا آخری فرمانروا جبلہ بن ایہم تھا۔ دور عمر فاروق میں شام کی فتح کے دوران جبلہ مسلمان ہو گیا بعد میں مسلمانوں کے جذبہ مساوات کی تاب نہ لاتے ہوئے مدینہ سے بھاگ کر قیصر کے پاس چلا گیا اور قسطنطیہ میں ہی ۲۰ھ میں فوت ہوا۔

۱۲۔ مکہ کی شہری ریاست کی بنیاد قصی بن کلاب نے ڈالی اور اسی سے قریش کی حقیقی عظمت کا آغاز ہوتا ہے۔ قصی نے قبائل قریش کو منظم کیا مکہ سے بنو خزاعہ کو نکال کر وہاں قریش کی بستیاں بسائیں۔ اس نے مکہ میں جس یونانی طرز کی شہری ریاست کی بنیاد رکھی تھی اس کے چودہ عہدوں کی سربراہی دس بطون قریش میں منقسم تھی۔ خود قصی کی حیثیت رئیس اعلیٰ کی تھی۔ اس ریاست کا ایوان حکومت کعبہ سے متصل دارالندوہ کی عمارت میں تھا۔ یہ شہری ریاست اپنے عہد کی ایک متمدن ریاست تھی اور قریش کی نسبتاً ترقی یافتہ سوسائٹی کی خبر دیتی تھی۔ دراصل قصی نے حدود شام میں تربیت پائی تھی۔ قریشی عرب اس وقت تک بدوی تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے تہذیب زندگی، نظم حکومت اور تاسیس قومیت کے اصول شام ہی کے ملک سے سیکھے اور جوانی کے بعد حجاز آ کر اسی اصول پر قریش کے منتشر افراد کو یکجا کیا اور ان میں ایک چھوٹی سی جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی۔ بلکہ پروفیسر حمید اللہ

Marfat.com

ابن قتیبہ کے حوالے سے یہاں تک کہتے ہیں کہ قصی کو خود قیصر روم نے مدد دی تھی جس کے ذریعہ اس نے مکہ پر قبضہ حاصل کیا۔ دیکھئے "رسول اکرم ؐ کی سیاسی زندگی" ص ۱۷۲، بحوالہ کتاب المعارف، طبع یورپ ص ۳۱۳، تاہم یہ بات مجھے کتاب المعارف کے کسی نسخہ میں نہیں مل سکی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۱۳۰ تا ۱۳۴؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ جلد ا ص ۶۶، ۷۳؛ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۵۸، ۲۵۹، ارض القرآن، جلد ۲، ص ۴۰۶ تا ۴۰۹

۱۳۔ یثرب میں مکہ جیسی کوئی شہری ریاست تو نہ تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ کی اپنی مجلس شوریٰ یا محلّہ وار مجالس ہوتی تھیں جسے سقیفہ کہتے تھے (ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۴۱، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۱ء

۱۴۔ دیوان الحماسہ، جلد ا ص ۳۲۹

۱۵۔ المیدانی نے "مجمع الامثال" کے ۲۹ ویں باب میں "ایام العرب" سے بحث کرتے ہوئے زمانہ قبل از اسلام کے ۱۳۲ ایام کا ذکر کیا ہے۔ یہ ایام کسی ایک نسلی گروہ کے مابین یا دو مختلف نسلی گروہوں کے درمیان ہی موجود نہ تھے بلکہ ایک ہی نسلی گروہ سے تعلق رکھنے والے قبائل آپس میں دست بگریباں ہو جاتے تھے۔ اسی طرح عرب وعجم کی متحارب جماعتیں بھی مصروف جنگ رہتی تھیں۔ چند مشہور ایام العرب میں سے ایک جنگ بسوس تھی جو ربیعہ کے دو قبائل بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان ہوئی اور جس کی اصل وجہ چراگاہ میں اونٹ کو چرانے کا حق تھا۔ دوسری مشہور جنگ حرب داحس والغبراء تھی جو دو گھوڑوں کی مسابقت اور شرط کی رقوم کی ہار جیت پر اختلاف ہو جانے کے باعث مضر کے دو قبائل عبس و ذبیان کے درمیان ہوئی تیسری مشہور جنگ حرب فجار تھی جس میں ایک فریق قریش اور کنانہ تھے اور دوسرے فریق ہوازن (قیس عیلان) تھے۔ ایام العرب میں چوتھی قابل ذکر جنگ حرب ذی قار کے نام سے مشہور ہے جو ربیعہ کے قبائل اور ایران کی شاہی فوج کے مابین، شاہان حیرہ کے امانت رکھے ہوئے سامان کی واپسی کے تنازعہ پر ہوئی۔ (ابن ہشام، جلد ا ص ۱۹۵ تا ۱۹۸ نیز ص ۳۰۷، عزالدین ابی الحسن علی بن محمد، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد ا ص ۵۰۲ تا

Marfat.com

۶۸۴ دار صادر، بیروت، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء)

۱۶۔ جوزف ہیل، دی عرب سویلائزیشن، ص ۱۱ نیز ص ۱۵۔ ۱۴۸ انگریزی میں ترجمہ صلاح الدین خدا بخش، لاہور ۱۹۶۹ء

۱۷۔ کاروان تجارت کی بسلامت آمدورفت کی غرض سے قریش نے بیرون و اندرون عرب متعدد معاہدے کئے تھے۔ مکہ میں عبد مناف کے بیٹوں میں ہاشم نے شاہان روم اور آل غسان سے، عبد شمس نے نجاشی الاکبر سے، مطلب نے ملوک حمیر سے اور نوفل نے اکاسرۂ ایران سے، ان کے ممالک میں تجارتی قافلوں کی بحفاظت آمدورفت اور عربوں کی نوآبادیوں کے لئے اجازت حاصل کی اور معاہدے کئے۔ اسی طرح رابیہ (حضرموت) میں قریش، ملوک کندہ کی حفاظت میں اپنا مال لے جاتے تھے۔ تمام قبائل عرب میں قریش سامان تجارت لے کر جاتے تھے اور ایک تو اس وجہ سے کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اور دوسرے ان معاہدوں کی وجہ سے انہیں کوئی گزند نہیں پہنچائی جاتی تھی۔ (طبقات الکبریٰ، جلد ۱ ص ۷۵، ۷۸، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۵۲؛ صدیقی، علی محسن، ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ماہنامہ ''آگہی'' جلد ۲ شمارہ ۵ بابت مئی ۱۹۹۰ء، ص ۶۷)

قرآن مجید میں سورۃ قریش میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی احسان کی طرف اہل قریش کو متوجہ کیا ہے۔ ایک توجج کی وجہ سے قریش کو کھانے پینے کی فراغت تھی اور چونکہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اور کعبہ کی عام عظمت اہل عرب کے دلوں میں موجود تھی اس کی بناء پر وہ ''جبران اللہ'' یعنی خدا کے پڑوسی سمجھے جاتے تھے۔ لوگ ان کو نہیں ستاتے تھے اور ان کے تجارتی قافلے بے دھڑک گزرا کرتے تھے۔

۱۸۔ عربوں میں جن چار مہینوں میں جنگ حرام خیال کی جاتی تھی انہیں اشہر حرام کہتے تھے۔ اسلام میں بھی اس حرمت کو برقرار رکھا گیا، ان میں تین مسلسل مہینے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک علیحدہ مہینہ رجب تھا۔ مگر کئی دفعہ خود عربوں نے ان اشہر حرام کی حرمت کو پامال کیا۔ عربوں میں اشہر حرام کا طریقہ سب سے پہلے حذیفہ بن عبد کنانی مضری نے رائج

Marfat.com

کیا۔(ابن ہشام، جلد اص ۴۵،۴۶) ان حرام مہینوں کو حلال کر کے ان میں جنگ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ہر تیسرے سال نسئ کر کے تیرہویں مہینے کا اضافہ کر لیتے تھے جو ذوالحجہ اور محرم کے درمیان ہوتا تھا۔ اس کا اعلان حج کے موقع پر کیا جاتا تھا۔ یہ اضافہ شدہ مہینہ حرام نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ سے حرام مہینوں کا تسلسل بھی ٹوٹ جاتا تھا۔ حرام مہینوں کی تعداد پوری کرنے کی غرض سے آئندہ مہینے یعنی صفر کو حرام قرار دیتے تھے جو عام حالات میں حرام مہینہ نہیں تھا۔ اسی نسئ کے متعلق قرآن میں متنبہ کیا گیا ہے (قرآن: سورۃ توبہ، آیت ۳۷) اور اسی کی ممانعت رسول اللہؐ نے خطبہ حجتہ الوداع میں کردی تھی (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۵۰ نیز ابی علی المرزوقی الاصفہانی الازمنہ والامکنہ جلد ۲ ص ۱۶۶، حیدرآباد، دکن، ۱۳۳۲ھ؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۴۹ تا ۵۵؛ صدیقی، علی محسن ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ص ۶۸)

۱۹۔ عرب کے مختلف بازاروں میں اسباب تجارت کو بحفاظت پہنچانے کی غرض سے تاجروں کو ایک رقم دینا پڑتی تھی جسے ''خفارہ'' کہتے تھے۔ جس کے لفظی معنی ہیں کسی کو اپنی پناہ میں لینا۔ خواہ معاوضہ کے ساتھ یا بلا معاوضہ۔ دومۃ الجندل کے بازار میں جو ربیع الاول کے پہلے پندرہواڑے میں لگتا تھا، تجار، بنوکلب وجدیلہ کی حفاظت میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ مشقر کے بازار میں جو جمادی الاخرۃ میں لگتا تھا، بنوعبدالقیس اور بنوتمیم کا عمل دخل تھا اور ان کی رضامندی کے بغیر یہاں مال لانا ممکن نہ تھا۔ رابیہ (حضر موت) میں بنوآکل المرار (ملوک کندہ) اور آل مسروق بن وائل حضرمی کے زیر خفارہ مال تجارت لایا جاتا تھا۔ عکاظ کا مشہور بازار جو اشہر حرام (ذوالقعدہ، ذوالحج) میں لگتا تھا البتہ خفارہ سے پاک تھا۔ خفارہ کی رقم عشور کے علاوہ ہوتی تھی جو تجار کو بازار کی زمین استعمال کرنے اور راہداری کے عوض دینا پڑتی تھی (الازمنہ والامکنہ، جلد ۲ ص ۱۶۱، ۱۶۷؛ صدیقی، علی محسن ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ص ۶۹)

۲۰۔ ابن منظور، لسان العرب، جلد ۵ ص ۷۷ (قبائل کی اس تقسیم میں ابن عبد ربہ نے جزوی ترمیم کی ہے ان کے مطابق فخذ کے بعد فصیلہ نہیں بلکہ عشیرہ ہوتا تھا۔ یعنی کسی شخص کے اہل

Marfat.com

خاندان مثلاً آل عباس وابی طالب۔اس کے بعد فصیلہ تھا جو کسی شخص کے اہل خانہ (اہل بیت) سے عبارت تھا۔ابن عبد ربہ قرطبی، متوفی ۳۲۸ھ العقد الفرید، طبع عامرہ مصر ۱۲۹۳ھ جلد۲ص ۵۵) قبائل کی درجہ بندی کے سلسلے میں علمائے انساب میں اختلاف ہے لہٰذا اس ضمن میں کوئی بات حتمی طور سے نہیں کہی جاسکتی۔

۲۱۔ جرجی زیدان ، تاریخ تمدن الاسلامی، جلد۴، ص ۱۹، دارالہلال، قاہرہ، ۱۹۴۷ء

۲۲۔ مقدمہ ص ۱۰۸

۲۳۔ عرب جاہلیہ میں نکاح کے متعدد طریقے رائج تھے

۱۔نکاح کا ایک طریقہ تو وہ معروف طریقہ تھا جسے بعد ازاں اسلام نے قائم رکھا یعنی آدمی کسی عورت کے ولی کو نکاح کا پیغام دیتا، مہر ادا کرتا اور نکاح کر لیتا تھا۔(سنن ابی داؤد جلد۲ص ۲۰۶)

۲۔نکاح کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ شوہر اپنی منکوحہ بیوی سے کہتا کہ جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو فلاں شخص کے پاس چلی جانا اور اس سے ہم بستری کرنا، ایسی عورت سے اس کا شوہر اس وقت تک اس سے جنسی تعلقات قائم نہیں کرتا تھا جب تک کہ اس نئے شخص سے اس کی بیوی حاملہ نہ ہو جائے۔ایسا عموماً نجیب بچے کے حصول کیلئے کیا جاتا تھا۔ایسے نکاح کو "نکاح استبضاع" کہتے تھے (۔بلوغ الارب جلد۲ص ۴ نیز سنن ابوداؤد، جلد۲ص ۲۰۶)

۳۔دس سے کم افراد کسی عورت سے جنسی تعلقات قائم کرتے اور جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی تو وضع حمل کے چند روز بعد وہ ان تمام مردوں کو جمع کر کے نومولود کو کسی ایک مرد کی طرف منسوب کر دیتی اور وہ شخص اس انتساب کو قبول کر لیتا۔یہ فقط اس صورت میں ہوتا جب لڑکا پیدا ہوتا اور نہ یہ جانتے ہوئے کہ عرب لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے وہ عورت لڑکی کی پیدائش پر ایسا نہ کرتی تھی (۔بلوغ الارب جلد۲ص ۴ نیز سنن ابوداؤد جلد۲ص ۲۰۶)

۴۔عموماً آزاد شدہ لونڈیاں جن کا کوئی سرپرست نہ ہوتا یا کوئی خاندان وقبیلہ ان کا پشت پناہ نہ ہوتا تو یہ کسی گھر میں بیٹھ جاتیں اور کئی کئی مردوں سے بیک وقت ان کا معاہدہ ہو جاتا کہ وہ ان کو خرچ دیں گے اور ان سے اپنی جنسی ضرورت پوری کرتے رہیں گے۔حاملہ ہو جانے

Marfat.com

کی صورت میں وضع حمل کے بعد وہ عورت سارے معاہد مردوں کو جمع کرتی اور قیافہ شناس اپنے علم کے ذریعہ اس بچے کو جس مرد سے منسوب کر دیتا وہ بچہ اسی کی ولدیت میں داخل ہو جاتا۔ ان پیشہ ور عورتوں کو ''جھنڈیوں والیاں'' (صواحبات الرایات) کہا جاتا تھا۔ (بلوغ الارب جلد۲ ص۵، ابوداؤد، **باب فی وجوہ النکاح التی کان یتنا کح بہا اھل الجاھلیہ جلد۲ ص۲۰۶، ۲۰۷)**

۵۔ ایک طریقہ ''نکاح المتعہ'' کا تھا۔ یہ ایک عارضی نکاح ہوتا تھا جو ایک مقررہ مدت کے لئے کیا جاتا اور مدت گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اسلام نے اسے حرام کر دیا۔

۶۔ ایک نکاح ''نکاح البدل'' تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا کہ تو میرے حق میں اپنی بیوی سے دست بردار ہو جا اور میں تیرے حق میں اپنی بیوی سے دست بردار ہوتا ہوں۔

۷۔ ایک طریقہ ''نکاح الشغار'' کا تھا۔ اس میں ایک شخص اپنی بیٹی، بہن یا بھتیجی کی شادی کسی شخص کے ساتھ اس شرط پر کرتا کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی، بہن یا بھتیجی کی شادی اس سے کر دے گا۔ اس طرز کے نکاح میں مہر نہیں رکھا جاتا تھا۔ (بلوغ الارب جلد۲ ص۵)

۲۴۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۲ ص ۲۴۰، دار المعارف، مصر ۱۹۶۳ء

۲۵۔ اس کی ایک بڑی اچھی مثال خالد ابن یزید بن معاویہ (م ۸۵ھ) کی ہے وہ سخاوت اور فصاحت میں قریش کے اکابر میں سے تھا۔ ابن زبیر کے قتل کے بعد خالد حج کے لئے گیا وہاں اس نے رملہ بنت زبیر بن العوام سے شادی کر لی (رملہ کے علاوہ اس کی دو بیویاں ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور آمنہ بنت سعید بن العاص بن امیہ بھی تھیں۔ بعد میں آمنہ کو خالد نے طلاق دے دی تھی تو اس نے ولید بن عبدالملک سے شادی کر لی تھی۔ الکامل للمبرد جلد۱ ص۲۰۳) خالد کو رملہ سے بڑی محبت ہو گئی اس کا کہنا تھا۔ میرے دل میں جس قدر آل زبیر کے خلاف بغض تھا اس قدر کسی کے خلاف نہ تھا۔ حتیٰ کہ میں نے

Marfat.com

انہی کی ایک دوشیزہ رملہ سے شادی کر لی۔ چنانچہ آل زبیر میرے لئے محبوب ترین لوگ بن گئے۔ اسی رملہ کے متعلق خالد کہتا ہے۔

احب بنی العوام طراً لا جلها　　　ومن اجلها احببت اخوالها کلبا

(میں رملہ کی خاطر تمام بنی عوام سے محبت کرتا ہوں اور اسی کی خاطر، اس کے ماموؤں یعنی بنی کلاب سے محبت کرتا ہوں) بلوغ الارب جلد۲ ص ۷ الکامل للمبرد اور المعارف لابن قتیبہ میں پہلا مصرعہ یوں ہے

احب بنی العوام طراً لحبها (الکامل للمبرد، جلد۱، ص۲۰۴، المعارف، ص۹۷)

۲۶۔ مقدمہ ابن خلدون، ص۱۰۸

۲۷۔ لسان العرب، جلد۱۰، ص۳۹۹ تا ۴۰۲

۲۸۔ مکہ کے نواح میں ایک پہاڑی ہے جسے حبشی کہتے ہیں۔ اسی پہاڑی کے دامن میں بعض قبائل نے جن میں حارث بن عبدالمناۃ بن کنانہ، عضل، قارہ، دیش اور المصطلق شامل تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی مناصرت و معاونت پر قسمیں کھائی تھیں۔ قسم کے الفاظ یہ تھے کہ "جب تک رات کی شان یہ ہے کہ رات اندھیری ہو، جب تک دن کا منظر یہ ہے کہ روشن رہے۔ جب تک کوہ حبشی اپنی جگہ پر قائم رہے گا ہم لوگ غیروں کے مقابلہ میں یکدست رہیں گے"۔ اسی مناسبت سے یہ "احابیش قریش" کے نام سے مشہور ہوئے۔ (طبقات الکبریٰ جلد۲ ص ۲۵ ۔۲۴)

۲۹۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ جلد۴ ص ۱۳۶، نیز ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، الاستیعاب، جلد۳، ص۱۱۳۵ تا ۱۱۳۶، دارالجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

(یاسر بن عامر بن مالک اور ان کے دو بھائی حارث اور مالک اپنے ایک بھائی کی تلاش میں یمن سے مکہ آئے۔ حارث اور مالک تو واپس یمن چلے گئے یاسر مکہ میں ہی رہ گئے۔ انہوں نے بنومخزوم کے ابوحذیفہ بن مغیرہ سے حلف کرلیا۔ ابوحذیفہ نے ان سے اپنی باندی سمیہ بنت خیاط سے نکاح کردیا۔ ان سے عمار پیدا ہوئے جنہیں ابوحذیفہ نے آزاد کردیا تھا۔ ابو

Marfat.com

حذیفہ کے انتقال تک یاسراس کے ساتھ رہے۔ جب اسلام لائے تو بنومخزوم نے انہیں گرفتار کر کے شدید اذیتیں دیں۔ (الاستیعاب، جلد۴ ص ۱۵۸۸ تا ۱۵۸۹، نیز جلد۴ ص ۱۸۶۳تا۱۸۶۴)

۳۰۔ لسان العرب، جلد نمبر ۱۰، ص ۳۹۹

۳۱۔ جرجی زیدان ، تاریخ التمدن الاسلامی جلد۴ ص ۲۵

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ صدر اسلام میں استلحاق کی ایک مثال زیاد ابن ابیہ کی ہے جس کو بذریعہ استلحاق حضرت امیر معاویہؓ نے اپنا بھائی قرار دیا تھا، یہ تاریخ اسلام کا معلوم ومشہور واقعہ ہے دیکھئے ابن خلدون، تاریخ، جلد۳، ص ۷، تاہم رسول اللہؐ کے حکم **الولد للفراش و للعاهر الحجر** کے بعد اس قسم کے استلحاق کی کوئی قانونی واخلاقی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

۳۴۔ خلیع (یالعین) یعنی ذات باہر وہ شخص ہوتا تھا جس کے شر کی وجہ سے اس کے اہل خاندان اسے عاق کر دیتے تھے اور اس بات کا اعلان خلیع کا باپ ایام حج کے موقع پر کرتا تھا کہ وہ اور اس کا قبیلہ اس شخص سے دست بردار ہوتا ہے اور اس کے کسی بھی فعل کی ذمہ داری اس پر یا اس کے قبیلے پر نہیں ہوگی۔ ایسے شخص کو قتل کر دینے پر قاتل کے اوپر کسی قسم کی دیت لازم نہیں آتی تھی۔ یہ خلیع آبادی سے دور تنہا یا گروہ بنا کے رہتے تھے۔ کبھی یہ کسی کے ہتھے چڑھ جاتے تو غلام بن جاتے اور کبھی یہ لوگ بھی دوسروں کو قتل کر دیتے اور سامان تجارت لوٹ لیتے۔ ایسے عاق شدہ لوگ صحرا میں کسی جگہ جمع ہو کر ایک گروہ بنا لیتے تھے اور لوٹ مار کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضریوں کے مقابلے میں بدویوں میں یہ رواج زیادہ تھا۔ (صدیقی، علی محسن، ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ص ۲۷)

۳۵۔ عبداللہ ابن جدعان چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں قبیلہ تیم بن مرہ کا ایک ممتاز قریشی تھا۔ اس نے کاروانی تجارت اور غلاموں کی خرید وفروخت سے اتنی دولت جمع کر لی کہ مکے کے متمول اشخاص میں اس کا شمار ہونے لگا۔ شاندار ضیافتیں کھلانے میں اس کی دریا دلی ضرب

Marfat.com

المثل تھی۔ وہ اپنے عز و وقار کی وجہ سے سیاسی معاملات میں بھی دخل رکھتا تھا۔ ابن ہشام (جلد ا ،ص ۱۴۱) اور یعقوبی (جلد ۲ ،ص ۱۷) کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکے کے قبائلی اتحاد کا جو "حلف الفضول" کے نام سے مشہور تھا محرک عبداللہ ابن جدعان تھا۔

۳۶۔ جرجی زیدان ،جلد ۴ ،ص ۲۷

۳۷۔ آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب، جلد ۳ ص ۱۵ نیز جرجی زیدان ،تاریخ التمدن اسلامی جلد ۴ ص ۲۷

۳۸۔ جرجی زیدان ،جلد ۴ ،ص ۲۷

۳۹۔ عنترہ کے باپ نے عنترہ کو خاصی بڑی عمر کا ہو جانے کے بعد اپنا بیٹا تسلیم کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عنترہ ایک سیاہ فام لونڈی "زبیبہ" کے بطن سے تولد ہوا تھا۔ جاہلی دور میں یہ عربوں کا دستور تھا کہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے کو غلام بنا کر رکھتے تھے۔ عنترہ کے دوسرے ماں جائے بھائی سب غلام تھے۔ ایک بار ایک عربی قبیلے نے بنی عبس کے کچھ لوگوں پر چھاپا مارا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ بنی عبس کے بعض افراد نے ان کا پیچھا کیا اور دونوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ انہی میں عنترہ بھی تھا۔ اس کے باپ شداد نے اس سے کہا عنترہ حملہ کر، عنترہ نے جواب دیا۔ غلام کیا حملہ کرے گا وہ تو دودھ دوہنا جانتا ہے۔ اس پر اس کے باپ نے کہا حملہ کر، تو آزاد ہے، اس پر عنترہ نے ان سے جنگ کی اور ان کے قبضے سے تمام مال غنیمت چھڑا لیا۔ اس واقعہ کے بعد اس کے باپ نے اسے بیٹا تسلیم کر لیا۔ (بلوغ الارب جلد ۲ ص ۱۲۶؛ صدیقی، علی محسن، "عرب جاہلیہ میں موالی" ص ۷۳)

۴۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ،ص ۱۷ ۔ ۷۰

۴۱۔ امیر علی ،سید SPRITE OF ISLAM ص xxx (مقدمہ) طبع لندن ۱۹۵۳ء و نیز صدیقی، علی محسن، "عرب جاہلیہ میں موالی" ص ۷۳

۴۲۔ یمن پر اہل حبشہ کے تسلط کو ختم کر کے جب ایرانی یہاں قابض ہوگئے تو انہوں نے یہاں رہ کر مقامی لوگوں میں شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم کئے لیکن اپنی انفرادیت برقرار رکھنے

Marfat.com

کے لئے ان ایرانیوں نے اپنے لئے ''ابناء الملوک'' (بادشاہوں کی اولاد) کا نام تجویز کیا جو مختصر ہو کر ''ابناء'' رہ گیا۔ ابناء نے رسول اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کیا۔ فتنہ ارتداد میں بھی ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ صدر اسلام میں وہب بن منبہ، ہمام بن منبہ اور طاؤس بن کیسان جیسے جلیل القدر تابعی انہیں ابناء سے تعلق رکھتے تھے۔ (صدیقی، علی محسن، ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ماہنامہ ''آگہی'' ص ۴۷ شمارہ بابت مئی ۱۹۹۰ء)

۴۳۔ یثرب کے یہود قبائل نے بنو اوس و خزرج سے مخالفت و موالات کے باوجود اپنی انفرادیت باقی رکھی۔ ان کے محلے اور گڑھیاں الگ، ان کے رسم و رواج الگ اور ان کے نسلی غرور امتیاز باقی رہے اور وہ انصار یا دوسرے قبائل عرب میں مدغم نہیں ہوئے۔ (احمد امین المصری، فجر الاسلام، ص ۲۳ و صدیقی، علی محسن، ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ص ۴۷)

۴۴۔ بلوغ الارب، جلد ۳ ص ۱۸۲، ۲۱۰، جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد ۳، ص ۳۵ صدیقی، علی محسن، ''عرب جاہلیہ میں موالی'' ص ۱۵۵، آگہی کراچی شمارہ ۳/۴، جلد ۲ مارچ، اپریل ۱۹۹۰ء)

۴۵۔ ابوالفرج الاصفہانی (م ۳۵۶ھ) کتاب الاغانی، جلد ۱۴، ص ۱۵۶ مصر ۱۳۲۳ھ (سدیف بن میمون بنو خزاعہ کا مولیٰ تھا۔ اس نے یا اس کے باپ نے آل ابی لہب میں ان کی ایک مولاۃ سے شادی کر لی تھی جس کی بناء پر آل ابی لہب کی ولاء کا دعویٰ کیا اور ان کے موالی کے زمرے میں شامل ہو گیا)

۴۶۔ ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی جلد ۱۹، ص ۹۷

۴۷۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ جلد ۳ ص ۳۸۸، الاستیعاب، جلد ۲، ص ۸۸۷

۴۸۔ الاستیعاب، جلد ۳، ص ۹۸۷

۴۹۔ الاستیعاب، جلد ۳، ص ۱۳۸۳، جلد ۴، ۱۷۵۵

۵۰۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۸۹

۵۱۔ ابن سعد، جلد ۳، ص ۸۹، ابن ہشام، جلد ۱، ص ۳۴۶، الاستیعاب، جلد ۳، ص ۸۷۷

Marfat.com

۵۲۔ ابن قتیبہ الدینوری، (م ۲۷۶ھ)، المعارف ص ۱۱۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ابن ہشام جلد ۱ص ۹۱، ۹۳

۵۳۔ اس ضمن میں بریرہ کا واقعہ بہت مشہور ہے جن کا زر کتابت حضرت عائشہؓ نے ادا کیا تھا۔ (اس ضمن میں مشہور حدیث ہے "فانما الولاء لمن اعتق" صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۱۱۴۱، ۱۱۴۲ کتاب العتق)

۵۴۔ سالم، اصطخر کے باشندے اور حضرت ابوحذیفہ کی بیوی ثبیہ انصاریہ کے غلام تھے۔ انہوں نے سالم کو سائبۃً آزاد کر دیا۔ ابوحذیفہ نے انہیں اپنا متبنیٰ اور مولیٰ بنا لیا تھا اور ان کی شادی اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس سے کر دی۔ انہوں نے ابوحذیفہ کے ساتھ ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہجرت کے بعد قبا میں قیام کیا اور چونکہ وہاں موجود صحابہ میں قرآن کا علم سب سے زیادہ انہی کو تھا اس لئے مسجد قبا میں امامت نماز کے فرائض یہی انجام دیتے تھے۔ مدینہ میں جب مواخاۃ قائم کی گئی تو رسول اللہؐ نے انہیں حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا بھائی بنا دیا۔ ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں مہاجرین کے علم دار یہی تھے۔ اسی جنگ یمامہ میں اپنے آقا کے ساتھ شہید ہوئے۔ ان کی میراث ان کی سابق مولاۃ (آقا) کے پاس بھیجی گئی۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے سالم کو سائبۃً آزاد کیا تھا۔ حضرت سالم کی جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بوقت استخلاف فرمایا تھا کہ اگر آج سالم زندہ ہوتے تو میں انہیں مسلمانوں کا امیر نامزد کر دیتا۔ (ابن سعد، جلد ۳ ص ۸۵، ۸۸، ۳۴۳، ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۲۲، الاستیعاب، جلد ۴، ص ۱۷۹۹؛ صدیقی، علی محسن، "عرب جاہلیہ میں موالی، ماہنامہ آگہی، مئی ۱۹۹۰ ص ۷۶)

۵۵۔ ابوحذیفہ کا نام ہشیم یا مہشم تھا۔ وہ سردار قریش عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے بیٹے تھے۔ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل رہے۔ یہ ہجرت انہوں نے اپنی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو کے ساتھ کی۔ حبشہ میں ہی ان کا بیٹا محمد پیدا ہوا۔ مدینہ

Marfat.com

میں ان کی مواخاۃ عبادہ بن بشیر انصاری سے کی گئی۔ غزوہ بدر، احد، خندق اور حدیبیہ میں شامل رہے۔ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۵۳ یا ۵۴ سال تھی نہایت صاحب فضل و شرف تھے۔ (طبقات الکبریٰ جلد ۳، ص ۸۴، ۸۵، الاستیعاب، جلد ۴، ص ۱۶۳۱، صدیقی، علی محسن، عرب جاہلیہ میں موالی، ص ۷۷)

Marfat.com

باب سوم: فصل اول

اسلامی معاشرہ کا قیام

عہد جاہلیت اور عہد رسالت میں وہی فرق ہے جو "اسلام" اور "جہالت" میں ہے یعنی حق و باطل، دن اور رات یا سفید و سیاہ کا فرق۔ جہالت اسلام کی ضد ہے۔ قرآن اپنے پیش کردہ دین کو "اسلام" اور اس سے پہلے کے زمانے کو "جاہلیت" کہتا ہے اس لئے کہ یہ نام دونوں زندگیوں اور ذہنیتوں کی دو انتہاؤں کے پورے فرق کو ظاہر کرتے ہیں۔ جہالت کے معنی حماقت، نادانی، خود پسندی، تکبر، عصبیت و حمیت کے ہیں چونکہ اسلام سے قبل عربوں میں ایک قسم کی عصبیت، قبائلی منافرت اور ظلم و تعدی پایا جاتا تھا اسی بناء پر اس دور کو عہد جاہلیت کہا جاتا ہے جبکہ اس کے بالکل برعکس اسلام امن و صلح اور عدل و رواداری کا پیغام ہے۔ اسلام کے معنی ہیں سلامتی، صلح پسندی، رواداری اور خدا کی اتباع اور یہی خصوصیات نئے مذہب کی بنیاد ہیں۔

عرب کے بت پرست معاشرے میں اسلام پیامِ انقلاب تھا۔ اسلام اور جاہلیت کے عقائد و خیالات ایک دوسرے سے انتہائی متضاد تھے۔ عرب معاشرے میں اسلام کی اشاعت کا صرف یہ مطلب نہ تھا کہ چند وحشیانہ رسوم و عادات کو مٹا دیا جائے بلکہ جاہلی خیالات و تصورات اور جاہلی مزاج کو یکسر تبدیل کر دینا اس کا مقصد اعلیٰ تھا۔

جہالت اور اسلام کے فرق کو عمرو ابن اہتم (۱) کے قول سے بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ عمرو بن اہتم نے حضرت عمر کے سامنے مفاخرت کرتے ہوئے خود کو احنف ابن قیس (۲) پر ترجیح دینے کے لئے اپنی تعریف میں کہا تھا (جبکہ وہ دونوں سرداری کے مقابلے میں امیدوار تھے) "جب ہم تم زمانہ جاہلیت میں تھے تو اس وقت برتری جہالت کرنے والے کے لئے تھی۔ چنانچہ اس وقت ہم نے تمہارے خون بہائے، تمہاری عورتوں کو قید کر کے لونڈیاں بنایا اور

Marfat.com

آج ہم اسلام میں ہیں جس میں تفوق اور برتری۔ تحمل اور بردباری کرنے والے کے لئے ہے۔ سو میری دعا ہے کہ خدا تمہیں اور ہمیں بخش دے"۔ (۳) اس طرح وہ احنف ابن قیس کی خودستائی اور فخر کے مقابلے میں بازی لے گیا۔

یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اسلام نے مخصوص عربی ذہنیت اور طرز فکر میں عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔ جاہلیت پر پوری قوت سے حملہ آور ہو کر اسے ملیامیٹ کر دیا تھا اور سماج کے سامنے کچھ ایسے بلند اصول پیش کئے جو ان کے سابقہ متداول اصولوں کے مخالف اور ان کے مسلمہ اقدار سے متصادم تھے۔

مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور بعثت کے بعد کے مصائب، مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور پھر مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام اور توسیع، گو کہ یہ راتوں رات آنے والا انقلاب نہیں تھا مگر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے لئے صدیوں کے فاصلے طے کئے گئے اور نسلوں کا خراج دیا گیا۔ یہ سب کچھ جس میں حضری عربوں کی اکثریت کی ذہنی وفکری کایا پلٹ کے ساتھ ساتھ ان کا حیرت انگیز سیاسی وعلمی سفر بھی نظر آتا ہے صرف تیئس سال کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اتنے بڑے انقلاب کے لئے یہ مدت بہت کم ہے۔ شاید اسی لئے قرآن کو معجزہ کہا گیا ہے۔ یہ قرآن کا معجزہ ہی تھا جس نے بادیہ نشین عربوں کو صدیوں کے لئے کئی براعظموں کا حکمران بنا دیا تھا۔ یہ حکمرانی صرف سیاسی ہی نہیں تھی بلکہ علمی اور فکری بھی تھی۔

دیکھا جائے تو زمین وہی تھی، آب وہوا وہی تھی، ذرائع معیشت وہی تھے، لوگ بھی وہی تھے، لیکن ان کے رویوں میں بنیادی فرق آ گیا تھا۔ ان کی فکر کی ان اساسی تبدیلیوں کی وجہ قرآنی تعلیمات تھیں۔ قرآن کے فلسفہ اخلاق نے انہیں ایک بالکل مختلف انسان بنا دیا تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اور ایک اسلامی معاشرہ تشکیل پایا تو نہ اس میں وہ معاشرتی طبقات قائم رہ سکے جو عہد جاہلیت میں تھے اور نہ ہی وہ اقدار پنپ سکیں جو جاہلی معاشرے میں جاری وساری تھیں۔ "قبائلی امتیازات مٹا دیئے گئے اور آزاد وغلام کی جاہلانہ تفریق بھی کم ہوگئی"۔ (۴)

Marfat.com

اسلام نے جو تصور معاشرت دیا وہ جاہلی تصور معاشرت سے بالکل جداگانہ تھا۔قرآن کہتا ہے:

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃو خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالاً کثیراًو نساءً ج واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام O (النساء:۱)

ترجمہ: (اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک وجود سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اوران دونوں سے بہت سارے مرداور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرواس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم دگر طالب مدد ہوتے ہواور ڈرو قطع رحمی سے۔)

اس آیت سے ایک اصول تو یہ وضع ہوتا ہے کہ تمام انسان نفس واحدہ سے پیدا ہوئے لہٰذا برابر ہیں اور دوسرا اصول یہ نکلتا ہے کہ ایسی اخوت کا قیام اور دوام تعلق باللہ پر منحصر ہے۔مدینہ کا اسلامی معاشرہ انہی اصولوں پر قائم کیا گیا تھا۔اسلام کی معاشرتی سوچ یہ تھی کہ جملہ نوع انسانی ایک برادری کے مانند ہے، جس میں سب کو زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا حق حاصل ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کے استحکام کے لئے روحانی دعوت کو خاص اہمیت دی گئی۔ کیونکہ صرف مادی وسائل کے ذریعے جو شیرازہ بندی ہوتی ہے وہ یقینی نہیں ہوسکتی۔اس لئے روحانی عقائد کے ذریعہ وحدت و تنظیم پر زور دیا گیا۔یہ کام انبیائے کرام کرتے رہے اوراس سلسلے کی آخری دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔انہوں نے جس اسلامی معاشرے کی بنیاد مدینہ میں رکھی اس کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ رنگ، نسل، قبیلہ اور ذات برادری کو ترک کر کے تقویٰ کو معیار فضیلت قرار دیا گیا۔دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ بنیادی انسانی ضرورتوں میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک روا رکھا گیا اور تیسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ انسانی حاکمیت کی جگہ اللہ کی حاکمیت قائم کر کے سب انسانوں کے لئے عدل وانصاف کی سہولت مہیا کی گئی۔چنانچہ مدینہ میں جو اسلامی معاشرہ وجود میں آیا وہ رنگ ونسل کے تعصبات سے پاک تھا اور بزرگی وفضیلت صرف متقی کے لئے تھی۔قرآن کہتا ہے:

Marfat.com

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات ۔۱۳)

ترجمہ: (لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔)(۵)

یعنی یہ شعوب وقبائل کا اختلاف محض تعارف اور شناخت کے لئے ہے ایک دوسرے پر فخر کرنے یا ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے نہیں ہے، چنانچہ اس نسلی اختلاف میں انسان کو اپنی اصل نہیں بھولنی چاہئے اور انسان کی اصل یہی ہے کہ وہ اولاد آدم ہے اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ فتح مکہ (۸ھ) کے دوسرے دن رسول اللہؐ نے جو خطبہ دیا اس میں کہا:

''اے قریش! جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباؤ اجداد پر فخر وغرور کو اپنے سے دور کر دو کیونکہ تمام انسانوں کے باپ آدم تھے اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''(۶)

خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

''اے لوگو! تمہارا رب ایک، تمہارا مورث اعلیٰ ایک، تم سب آدم کی اولاد سے ہو اور آدم کا خمیر مٹی سے اٹھا تھا۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے کسی عربی کو کسی عجمی (۷) پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ فوقیت ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔''(۸)

اسی حج کے موقع پر ایک خطبے میں آپ نے فرمایا:

''اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''(۹)

انسانی معاشرے کو مختلف قسم کے امتیازات قائم کر کے طبقات میں تقسیم کرنے کے عمل کو قرآن نے فرعونیت قرار دیا ہے:

ان فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعاً یستضعف طائفۃ منھم

Marfat.com

(القصص:۴)

ترجمہ: (فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اس نے باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو کمزور کرتا جاتا تھا۔)

اس قسم کے قرآنی بیانات، مساوات، بین المسلمین کے قیام کے لئے دو واضح اعلانات پر مشتمل ہیں۔ ایک وحدۃ الرب اور دوسرا وحدۃ الاب۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا مناسب ہوگا کہ یہ سب اعلانات رسول اللہ ؐ کی زندگی کے آخری سالوں کے ہیں۔ یعنی ۸ھ اور ۹ھ کے جبکہ رسول اللہؐ کو اسلام کی تبلیغ کرتے ۲۲ برس گزر چکے تھے۔ اسی طرح سورۃ الحجرات (۱۰) کے جو بیانات بالائی سطور میں نقل کئے گئے یہ بھی عام الوفود ۹ھ میں نازل ہوئی۔ نولدیکی (Noldeke) اور اس کی خوشہ چینی کرتے ہوئے لیوی (Levy) بھی یہ نکتہ اٹھاتا ہے کہ یہ تعلیمات رسول اللہ ؐ کی زندگی کے آخری سالوں کی ہیں۔ (۱۱)

اس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کی بنیاد قبیلہ تھا، قبائلیت اور قبائلی عصبیت، جیسا کہ پچھلے باب میں بھی بیان کیا گیا، ان کے لئے یک گونہ ضروری بھی تھی اور عربوں کی معاشرتی زندگی کے تار و پود سے اس طرح گندھی ہوئی تھی کہ اس کو یک لخت ختم نہیں کیا جا سکتا تھا اس کو ختم کرنے کے لئے ''تدریج'' کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ وہ تمام معاملات جو انسانی نفسیات کے نازک پہلوؤں سے متعلق تھے، انہیں بڑی احتیاط سے تدریجاً چھیڑا گیا، مثلاً نماز تو ابتداء ہی میں فرض ہوگئی (جبکہ ابھی ہجرت بھی نہیں ہوئی تھی) روزہ بھی ہجرت کے بعد فرض قرار دے دیا گیا۔ یہی حال جہاد کا تھا کہ عرب ایک جنگجو قوم تھی اور لڑنا بھڑنا ان کے معمولات زندگی میں شامل تھا مگر زکوٰۃ کو سب سے آخر میں فرض کیا گیا۔ کیونکہ انسان جو کچھ کماتا ہے اس پر صرف اپنا حق سمجھتا ہے اور مال کی محبت عام حالات میں انسانوں میں کافی شدید ہوتی ہے۔ چنانچہ زکوۃ کے احکامات میں تدریج کا خیال رکھا گیا۔ مکی زندگی میں پہلے صدقات (انفاق فی سبیل اللہ) کی طرف رغبت دلائی گئی تاہم فرضیت کا حکم نہیں تھا، پھر مدینہ منورہ میں آ کر صدقہ فطر واجب

Marfat.com

ہوا۔ یعنی یہ کہ سال میں ایک دن عید کی نماز سے قبل ہر مسلمان سیر، سوا سیر غلہ راہ خدا میں خیرات کرے۔ یہ ایک معمولی سی سالانہ ادائیگی تھی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی تاکید کی جاتی رہی۔ یہ سب زکوٰۃ کی فرضیت کی راہ میں اختیار کئے جانے والے تدریجی مراحل تھے۔ اس طرح اسلام اپنے ماننے والوں کے دلوں سے مال کی محبت کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرتا رہا تا آنکہ رسول اللہؐ کی زندگی کے آخری سالوں میں، فتح مکہ کے بعد زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض قرار دی گئی۔

یہی حال ''عصبیت'' کا تھا۔ قبائلیت اور قبائلی عصبیت عربوں کی معاشرتی زندگی کا ایسا جزو لاینفک تھا جس کو مناسب حد تک کم کرنے کے لئے بھی اسلام نے ''تدریج'' کا راستہ اختیار کیا۔ انہیں وقتاً فوقتاً اس قسم کی اخلاقی تعلیمات دی جاتی رہیں کہ آباؤ اجداد پر فخر و غرور اور نسلی تفاخر اور حد سے بڑھی ہوئی قبائلی عصبیت، آثار جاہلیت میں سے ہیں جنہیں ترک کر دینا چاہئے اور بالکل آخری سالوں میں حتمی طور پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ حسب نسب کسی کام کے نہیں اصل چیز تقویٰ ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں اگر باہم فرق ہو سکتا ہے تو صرف ایمان و تقویٰ کی بنیاد پر۔ رسول اللہؐ کا فرمان تھا:

''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی عصبیت اور آباء پر فخر کا طریقہ ختم کر دیا ہے۔ اب یا تو مومن متقی ہوگا، یا فاجر شقی، تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے''۔ (۱۲)

رسول اللہؐ اپنے خاندان اور قبیلے پر بھی اس معاملہ میں سخت تھے کہ مبادا رسول اللہؐ سے نسبت ان میں بے جا فخر و غرور کے جذبات پیدا کر دے اور وہ اسلامی مساوات کے اس راستے سے ہٹ جائیں جس کی طرف رسول اللہؐ ہر مسلمان کو دعوت دے رہے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا وہ قول قابل غور ہے، جو فاطمہ بنت محمدؐ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا۔ ''اے فاطمہ بنت محمد! اپنے لئے نیک عمل کر لو میں تمہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔'' اسی طرح دوسرے افراد خانہ کو مخاطب کر کے آپؐ نے فرمایا تھا۔ ''اے آل محمد! ایسا نہ ہو کہ لوگ میرے پاس نیک

Marfat.com

اعمال لے کر آئیں اور تم حسب نسب لے کر آؤ۔ تم عمل کرو میں تمہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا"۔ (۱۳)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے: لاتفتخروا بابائکم

ایک دوسری حدیث میں ہے: التبعیر فی الاحساب من امر الجاھلیہ (۱۴)

بلکہ مسند ہی کی ایک حدیث میں تو اسے کفر قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی اخوت واتحاد کو مستحکم کرنے کے لئے رسول اللہؐ نے الطعن فی النسب سے بھی منع کیا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم کی حدیث کی رو سے طعن فی النسب بمنزلہ کفر کے ہے (۱۵) تاہم اپنے بزرگوں کے اچھے اوصاف کی یاد منع نہیں کی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے احساب جاننے اور خاندانی رشتوں کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنا نسب یاد کرو۔ (۱۶)

ان تمام بیانات کی روشنی میں یہ اصول متعین کیا جا سکتا ہے کہ اسلام تمام مسلمانوں کے درمیان معاشرتی مساوات کا قائل ہے اور انہیں طبقات میں تقسیم کرنا نہیں چاہتا۔ وہ تمام مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں ایک امت واحدہ کے طور پر دیکھتا ہے۔

گولڈز ہیر IGNAZ GOLDZIHER رسول اللہؐ کے اس انسانیت نواز اصول کی تعریف کرتا ہے، لیکن روحانی دعوتوں کے الوہی سرچشموں سے طبعاً وتمدناً انکاری ہونے کی وجہ سے وہ اس اصول کو ایک سیاسی ضرورت قرار دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے (۱۷) کہ مساوات واخوت کا یہ اصول آپؐ نے انصار کو خوش کرنے اور قریش مکہ کو، جو کہ آپؐ کے دشمن تھے، مرعوب کرنے کے لئے اختیار کیا۔ حالانکہ یہ تجزیہ درست نہیں۔ رسول اللہ کا یہ اقدام انسانیت کی خاطر تھا اور اس وقت بھی جاری رہا جب نہ انصار کو خوش کرنے کی ضرورت تھی، نہ کسی کی تالیف قلب مطلوب تھی اور نہ قریش مکہ کو مرعوب کرنے کی ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ مکہ فتح ہو چکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ اصول آپؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ نے بھی اسی سختی سے اپنایا۔

المختصر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مدینہ کے اسلامی معاشرے میں انسانی طبقات کی درجہ بندی وہ نہیں تھی جو عہد جاہلیت میں تھی۔ عہد جاہلیت میں حُر موالی اور غلاموں کے

Marfat.com

طبقات موجود تھے جب کہ اسلامی معاشرے میں صرف دو ہی طبقات تھے ایک مسلم طبقہ، دوسرا غیر مسلم طبقہ۔ مسلم طبقے کی مزید درجہ بندی اگر ممکن تھی تو صرف ان کے تقویٰ کی وجہ سے اور یا پھر شناخت کی وجہ سے جیسا کہ قرآن نے بعض کو سابقون الاولون، (۱۸) بعض کو مولفتہ القلوب اور بعض کو اعراب کا نام دیا۔ بعض کو انصار (۱۹) کا اور بعض کو مہاجرین کا نام دیا۔

رسول اللہؐ نے فی الحقیقت جو نیا سماجی ماحول مدینہ میں پیدا کیا تھا اس میں باوجود اس کے کہ رسول اللہؐ نے قبائلیت پر براہ راست ضرب نہیں لگائی تھی مگر انہوں نے مرکز قوت کو قبائل سے امت کی طرف منتقل کر کے قبائلیت کا سد باب کرنا چاہا تھا۔ (۲۰) اس نئے نظام کا تقاضا تھا کہ انصار و مہاجرین کے مقامی اور نسبتی رشتوں کے مقابلے میں محکم دینی اور روحانی رشتہ قائم ہو۔ لہٰذا ''مواخاۃ'' کے ذریعہ آپؐ نے نہ صرف انصار کو باہم بلکہ انصار و مہاجرین کو بھی باہم یکساں کر دیا۔ چنانچہ اگر ایک طرف اس مواخاۃ سے مہاجرین کی آبادکاری اور انصار کی تربیت کا انتظام کیا گیا تو دوسری طرف نسبی رشتہ داری کے مقابلے میں دینی تعلق اور روحانی رشتہ پیدا کر کے، عربوں کے عصبی مزاج کا رخ موڑنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ اس مواخاۃ کے بعد انصار و مہاجرین ایسے رہے جیسے وہ ایک ہی خاندان کے فرد ہوں۔ خود اوس و خزرج کو اپنی دیرینہ عداوت ختم کرنی پڑی۔ یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک مواخاۃ مکہ میں قائم کی تھی (۲۱) اور ایک مدینہ میں مہاجرین و انصار کے مابین۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ دین کے مقابلے میں نسب کی اہمیت نہیں ہے اگر دین ایک ہے تو نسبی اعتبار سے حقیقی بھائی کی کمی یا غیر موجودگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کمی کو دینی بھائی سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی اور مواخاۃ کا نظام قائم کیا گیا۔ مکہ میں آپؐ نے اپنی مواخاۃ حضرت علیؓ سے قائم کی۔ زید ابن حارثہ کو اپنے چچا (اور رضاعی بھائی) حمزہ بن عبدالمطلب کا بھائی بنایا۔ یہ کوئی معمولی رشتہ نہیں تھا۔ بلکہ ان دینی بھائیوں کی نسلوں نے بھی اس رشتہ کی حرمت کو نبھایا۔

ان نظریاتی بنیادوں پر اٹھایا جانے والا مدنی معاشرہ ایک عادل و متوازن معاشرہ تھا۔ اس معاشرے میں جو چیز ازروئے قرآن حرام تھی وہ سب کے لئے حرام تھی اور جو چیز ازروئے

Marfat.com

قرآن حلال تھی، اس کی حلت ہر مسلمان کے لئے تھی خواہ وہ سردار قبیلہ ہو یا نکٹا، چپٹا، حبشی غلام۔ جب بنی مخزوم کی ایک اعلیٰ نسب خاتون فاطمہ نے چوری کی تو قریش کو یہ بات شاق گزری کہ رسول اللہؐ اسے سزا دیں۔ لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ اسامہ بن زید مولیٰ رسول اللہؐ جنہیں رسول اللہؐ بہت محبوب رکھتے تھے، کے ذریعہ سفارش کرائی جائے۔ اسامہ نے رسول اللہؐ سے بات کی جس پر رسول اللہؐ سخت ناراض ہوئے اور کہا ''تم حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتے ہو''۔ اس کے بعد لوگوں سے کہا ''تم سے پہلے کی اقوام اسی لئے تباہ ہوگئیں کہ ان کی نظر میں جو معزز تھے ان میں سے اگر کوئی جرم کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی ادنیٰ درجہ کا شخص جرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔''(۲۲) دراصل قانون کی یکسانی سے زیادہ بنی نوع انسان کو مثالی وحدت کی طرف لانے والی کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ اسی طرح قانون کے تفاوت سے زیادہ اپنوں کو بیگانہ بنانے والا کوئی امر نہیں ہوتا۔

مدینے کے اسلامی معاشرہ کی یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ اس زمانے میں ٹھیک ٹھیک اسلام کے اصولوں اور اس کی روح کے مطابق قبائلی، نسلی اور وطنی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر تمام لوگوں کو برابری کا درجہ عطا کیا گیا۔ یہ بات تو نہیں تھی کہ مسلمانوں نے اپنی لغت سے غلام اور مولیٰ کے الفاظ کھرچ کر نکال دیئے تھے۔ یہ الفاظ، اپنے سابقہ معانی و مفاہیم کے ساتھ اس معاشرے میں بھی استعمال ہوتے تھے مگر ان الفاظ میں جو ذلت اور کمتری تھی اسے ضرور ختم کر دیا گیا تھا۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ غیر عرب نومسلموں کو کسی حقارت کی وجہ سے ''موالی'' کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ یہ صرف ایک تعارفی یا شناختی معاملہ تھا۔ عہد جاہلیت میں متبنیٰ بنانے کا رواج تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا تو اس کو اسی کی نسبت سے پکارا جاتا (جیسے زید ابن حارثہ کو زید ابن محمد کہا جانے لگا تھا) اس کے مرنے کے بعد اس کا متبنیٰ بیٹا اس کا وارث بھی ہوتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

ادعوھم لابائھم ھو اقسط عند اللہ ج فان لم تعلموا اباء ھم فاخوانکم فی الدین و موالیکم (الاحزاب:۵)

Marfat.com

ترجمہ: (ان کو ان کے باپ کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور مولیٰ ہیں)

اس حکم کے بعد ایک تو یہ ہوا کہ تنبیت کی رسم ختم ہوگئی اور ہر شخص کو اس کے اصل باپ کے نام سے پکارا جانے لگا (چنانچہ زید ابن محمد، دوبارہ سے زید ابن حارثہ ہو گئے، رسول اللہؐ انہیں اپنا دینی بھائی اور مولیٰ کہنے لگے، (صحیح بخاری، جلد ۴، ص ۲۱۳) دوسرے یہ ہوا کہ وہ سب افراد جن کے نسب کا زیادہ علم نہیں تھا، جس میں نومسلم بھی شامل تھے انہیں موالی (اخا فی الدین) کہا جانے لگا۔ یہ شناخت کا ایک طریقہ تھا اس میں حقارت کا کوئی پہلو شامل نہیں تھا۔

یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عہد رسالت و خلافت راشدہ کے معاشرے میں قبائلی تفاخر کلیتہً ختم ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے جب قبیلہ موجود تھا تو قبائلی عصبیت و تفاخر اس سے وابستہ ایک ایسی نفسیاتی بات تھی جس کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ البتہ اب عصبیت و مفاخرت کے موضوعات بدل گئے تھے۔ اب اس میں شرف آدمیت کو شامل کر دیا گیا تھا۔ مثلاً ایک بار قبیلہ اوس و خزرج میں مفاخرت ہوئی تو اوس نے کہا ''ہم میں حنظلہ ابن الراہب ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا، ہم میں عاصم بن الافلح ہیں جن کے جسم کو بھڑوں نے کفار کی دست برد سے محفوظ رکھا تھا، ہم میں سعد بن معاذ ہیں جن کی موت پر عرش الٰہی ہل گیا تھا، ہم میں خزیمہ بن ثابت ہیں جن کی شہادت کو رسول اللہؐ نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا''۔

اس کے جواب میں خزرج نے بھی اپنے چار افراد کا نام لے کر مفاخرت کی اور کہا کہ ''ہم میں چار اشخاص ہیں جنہوں نے عہد نبوت میں قرآن یاد کر لیا تھا یعنی سید القراء ابی بن کعب، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اور ابو زید''۔ (۲۳)

اسی طرح اگر کوئی کسی سے اس کا حسب نسب پوچھتا تو جواب ملتا میں تمہارا دینی بھائی ہوں تاہم اگر تم میرے باپ دادا کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ ابو بکرہ ثقفی سے کسی نے یہی سوال پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ''انا من اخوانکم فی الدین و انا مولی رسول اللہ'' (۲۴) ایک موقع پر کسی نے حضرت سلمان فارسی سے پوچھا آپ کا تعلق

Marfat.com

کہاں ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا" انا سلمان ابن الاسلام من بنی آدم (۲۵) یعنی میں سلمان ابن الاسلام ہوں اور میرا تعلق بنی آدم سے ہے۔

مدینہ میں قائم ہونے والے اس اسلامی معاشرے میں اب اصل اہمیت اس بات کو حاصل نہیں تھی کہ کس کا تعلق کس بڑے قبیلے سے ہے بلکہ اصل بات یہ ہوگئی تھی کہ کس نے خدا کی راہ میں ہجرت کی۔ یا کس نے مہاجرین کی مدد کی، یا کس نے غزوہ بدر میں شرکت کی، یا کون سابقون الاولون میں شامل ہے۔ اسلامی معاشرے کی نئی درجہ بندی اسی نہج پر ہوئی تھی، اسی اعتبار سے عہد فاروقی میں انہیں وظائف دیئے گئے اور اسی معیار کے مطابق سقیفۂ بنو ساعدہ میں مسلمانوں کے پہلے امیر (خلیفہ) کا فیصلہ ہوا اور بنو تیم کے نسبتاً کم معروف قبیلے میں خلافت چلی گئی۔ اگر حسب نسب ہی دیکھا جاتا (جیسا کہ عہد جاہلیت میں دیکھا جاتا تھا) تو یہ خلافت بنو امیہ، بنو ہاشم، بنو مخزوم یا بنو ثقیف کے کسی صریح عرب کو ملتی۔

نئے قائم ہونے والے اسلامی معاشرے میں جو عزت و مرتبہ سابقون الاولون کو حاصل تھا، قطع نظر اس کے کہ وہ حر تھے یا مولیٰ یا غلام، وہ بڑے بڑے صاحب حسب نسب شرفائے مکہ کو نصیب نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس نوزائیدہ اسلامی معاشرہ میں جو حیثیت بلال بن ابی رباح مولیٰ ابوبکر صدیق۔ عامر بن فہیرہ مولیٰ ابوبکر صدیق۔ زید بن حارثہ مولیٰ رسول اللہ، سالم مولیٰ ابو حذیفہ، سلمان فارسی مولیٰ رسول اللہ، صہیب بن سنان رومی، عمار بن یاسر (۲۶) خباب بن الارت، ابوذر غفاری اور عبداللہ ابن مسعود جیسے کمزور لوگوں کو حاصل تھی وہ حیثیت نامی گرامی شرفاء کو حاصل نہ ہو سکی کیونکہ نئے اسلامی معاشرے میں نسب سے کہیں زیادہ اس بات کی اہمیت تھی کہ کس نے آواز نبوت پر پہلے لبیک کہا۔ اس کے لئے مصائب برداشت کئے، مال خرچ کیا اور قربانیاں دیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مورخین کی وہ تقسیم درست معلوم ہوتی ہے۔ جو انہوں نے صحابہؓ کے مراتب کے مطابق انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کر دینے میں برتی ہے۔ چنانچہ بعض مورخین نے صحابہ کرامؓ کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے جن میں آخری طبقہ ان لوگوں کا ہے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ (۲۷)

Marfat.com

اسلامی معاشرے کی اہم بنیاد، یعنی مساوات بین المسلمین کی روح ہمیں اسلامی عبادات میں بھی نظر آتی ہے۔ ہر عبادت میں حیرت انگیز مساوات و رواداری کا سبق دیا گیا ہے۔ نماز (صلوٰۃ) میں سب برابر ہیں جو پہلے آیا ہے اسے اگلی صف میں جگہ ملے گی خواہ مولیٰ ہو یا غلام۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ آقا کا سر، اگلی صف میں کھڑے اس کے غلام کے قدموں میں ہوتا۔ بلاذری نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب سردار مکہ ابوسفیان مسلمانوں کے پاس آئے تو انہوں نے مسلمانوں کو رسول اللہؐ کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا۔ مساوات واطاعت گزاری کے اس نظارے نے انہیں ششدر کر دیا اور انہوں نے کہا۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے آج کی طرح کبھی کسی ایسی قوم کی فرمانبرداری نہیں دیکھی جو ادھر ادھر سے آ کر جمع ہوگئی ہو۔ نہ معزز فارسیوں اور نہ پرشکوہ رومیوں میں ایسی اطاعت گزاری کا نمونہ دیکھا ہے۔

اسی طرح رمضان کے روزے ہیں، جن میں بعض افعال سے بچنا ہے مولیٰ کو بھی اور آقا کو بھی۔ دونوں کے لئے روزے کے قوانین یکساں ہیں۔ حج مساوات بین المسلمین کا سب سے بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ حج کے موقع پر مختلف اقوام اور مختلف افراد کی شخصی حیثیت کالعدم ہو جاتی ہے۔ غسانی امیر جبلہ بن الایہم، جس نے حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں اسلام قبول کر لیا تھا، ایک بار حج کے دوران کعبے کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک اس کی چادر کے گوشے پر ایک بدوی کا پاؤں پڑ گیا، جبلہ نے طیش میں آ کر اس بدوی کے ایک تھپڑ مار دیا۔ اس بدوی نے یہ معاملہ خلیفہ وقت حضرت عمر ؓ کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ جواباً بدوی بھی امیر جبلہ کے ایک تھپڑ مارے۔ اس پر جبلہ سخت چیں بجبیں ہوا اور کہا ہم تو وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی کے ساتھ پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے جواباً کہا ''جاہلیت میں تو ایسا ہی ہوتا تھا مگر اسلام نے شاہ و گدا اور پست و بلند کو ایک کر دیا ہے''۔ جبلہ نے کہا ''اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں۔'' (۲۸) یہی وجہ تھی کہ رسول اللہؐ نے اپنی امت کو نکٹے حبشی کی اطاعت تک اختیار کرنے کے لئے تیار کیا۔ صحیح مسلم میں ام الحصین سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

Marfat.com

ان امر علیکم عبد مجدع حسبتها قالت اسود یقودکم بکتاب الله تعالی فاسمعوا له و اطیعوا (۲۹)

(یعنی اگر تم پر ایک سیاہ فام نکٹے غلام کو امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کا فریضہ انجام دیتا ہو تو اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔)

عبادات و امارت تو کسی نظام کا انتہائی اہم معاملہ ہوتا ہے، اس نئے اسلامی معاشرہ میں معمولی سے معمولی باتوں میں بھی اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ سابقہ جاہلی عصبیت و رعونت پلٹ کر نہ آنے پائے۔ لہٰذا عہد اسلامی میں شعار (یا نعرہ جنگ) کی صورت بھی یکسر بدل گئی۔ قبائلی نعرے متروک ہو گئے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کا نعرہ احد احد تھا، غزوہ احد میں امت امت وغیرہ (۳۰) اسی طرح فتح مکہ اور حنین و طائف میں مہاجرین کا شعار ''یا بنی عبدالرحمٰن'' اور انصار کا شعار ''یا بنی عبداللہ'' تھا۔

بہرحال یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام نے قبائلی مفاخرت و منافرت کی جگہ اسلامی اخوت اور مساوات کی فضا پیدا کی۔ قرآن نے اسے نعمت الٰہی سے تعبیر کیا:

واذکروا نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداء " فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: (یعنی اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔)

اسلامی تعلیمات نے عربوں کے عقلی رجحانات کو بڑی حد تک تبدیل کر دیا۔ اسلام نے جاہلی معیار خیر و شر کو بدل دیا تھا، زمانہ جاہلیت کی بہت سی پسندیدہ اقدار، اسلامی معاشرہ میں ناپسندیدہ ہو گئیں مثلاً عربوں کی اسراف کی حد تک بڑھی ہوئی سخاوت، صحیح یا غلط اپنے قبیلے سے مکمل وفاداری۔ وغیرہ

تاہم جو اسلامی معاشرہ اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہوا تھا اس میں سارے ہی افراد تقویٰ کے مطلوبہ معیار تک پہنچے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ یہ ایک ملا جلا

Marfat.com

معاشرہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مختلف افراد یا گروہ افراد نے اسلامی تعلیمات کو مختلف پیمانے پر قبول کیا۔ اس سلسلے میں ایچ۔ اے۔ آر۔ گب ایک نہایت معقول تجزیہ پیش کرتا ہے

" In Muhammad's own life time, it (Islam) was received at three different levels. The first was at the level of total conversion, producing religious personalities, whose activities and decesions were motivated by a complete inward acceptance of its spirit and principles. This group, the nucleus of the future religious institution, was in the nature of the case relatively small to begin with but steadily increased with the expansion of the community.

The second was that of formal adhesion, of willing acceptance of the outward preseiptions and duties without assimilation of their spirit, but because of the advantages to be gained by incorporation in the new community, its leading representatives were the later Meccan adherents, to whose mercantile temper the external demands of Islam were eminently suited requiring only the dedication to religious duties of a proportion of time and wealth and leaving the rest free for personal activities and interest. A further commendation of Islam in Mecan eyes was the firm control which is established over the bedouins, whose acceptance was on the third level, that of enforced adherence maintioned by threat (and after Muhammad's death by the application) of military sanctions." (۳۱)

اس معاشرے میں بعض لوگ تو وہ تھے جنہوں نے پوری آمادگی اور قلب صمیم سے

Marfat.com

اسلام کی دعوت، ابتدائی سالوں میں ہی قبول کر لی۔ یہ سابقون الاولون تھے۔ انہیں رسول اللہ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہنا نصیب ہوا لہٰذا ان کی قلب ماہیت ہوگئی۔ یہ لوگ قلیل التعداد تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے قدرے تاخیر سے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ کی براہ راست صحبت انہیں قدرے کم نصیب رہی مگر یہ اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ ان کی تعداد اول الذکر گروہ سے زیادہ تھی۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو اسلام کے آخری ایام میں اسلام لایا صرف اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اسلام اس وقت کی پھیلتی بڑھتی ہوئی سیاسی اور فوجی قوت تھی، مکہ فتح ہو چکا تھا گردونواح کے قبائل اسلام کے دامن میں پناہ لے چکے تھے لہٰذا کوئی راستہ نہ پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ زیادہ تر اہل البادیہ تھے جن کو قرآن ''اعراب'' کا نام دیتا ہے۔ یہ سب سے کثیر التعداد گروہ تھا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مقرر کردہ حدود سے بہت زیادہ بیگانہ تھے۔ جن کے کچھ سربرآوردہ رہنما قیس بن عاصم کی طرح دین کو برحق سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ رسول اللہؐ کے بعد آپؐ کی جانشینی کے خیال سے اسلام لائے تھے۔ رسول اللہؐ کے اس بیان سے ساری صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔

''خدائے تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت وعلم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے جو ایک ایسی زمین پر برسے جس کا ایک قطعہ قابل کاشت اور زرخیز ہو، جو پانی اپنے اندر جذب کر لے پھر وہاں سبزہ ونباتات بکثرت پیدا ہو جائے۔ دوسرا قطعہ سخت پتھریلا نشیبی ہو جہاں پانی بھر جائے اور اس پانی سے خدا لوگوں کو فائدہ پہنچائے کہ وہ اس میں سے خود پئیں نیز اپنے جانوروں اور کھیتوں کو سیراب کریں اور ایک قطعہ زمین بالکل سپاٹ اور چٹیل ہو جس میں نہ پانی رکے نہ گھاس اگے۔'' (۳۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ صورت احوال بعینہ یہی تھی چنانچہ سب سے آخر میں ایمان لانے والے بدو جنہیں قرآن اعراب کہتا ہے، کا حال یہ تھا کہ ہجوگوئی، بے جا تعصب، اپنے آباء پر فخر اور مئے خواری جیسی عادتوں میں مبتلا رہے۔ رسول اللہؐ کے انتقال کے ساتھ ہی ارتداد رونما ہوا جو دراصل قبائلی تعصبات کی ہی دوسری شکل تھی۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب سوم: فصل اول)

۱۔ عمرو بن الاھتم بن سمی تمیمی المنقری، بنو تمیم کا ایک مشہور شخص تھا جو شعر و خطابت میں اپنی نمایاں قابلیت کی وجہ سے نیز اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بھی مشہور تھا اور اسی وجہ سے اس کا لقب المکحل (سرگیں چشم) ہو گیا تھا۔ وہ ہجرت سے چند سال قبل پیدا ہوا اور ۹ ھ/ ۶۳۰ء میں اپنے قبیلے کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ آیا۔ (الاستیعاب جلد ۳ ص ۵۔۱۱۶۳، ابن عبدالبر نے اس کے ارتداد کا ذکر نہیں کیا) وہ ۱۱ ھ/ ۶۳۲ء میں مرتد ہو گیا تھا اور سجاح (مدعیہ نبوت) کی پیروی اختیار کر لی تھی تاہم بعد میں وہ پھر اسلام لے آیا اور اسلامی فتوحات میں شرکت کی۔ اس کی وفات ۵۷ ھ/ ۶۷۷ء کے لگ بھگ ہوئی۔ اس نے رشہر کی فتح کی منظوم خبر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوائیوں کی جو ٹولی کوفہ سے گئی تھی یہ اس کا سردار تھا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۷، ص ۱۷۴)

۲۔ احنف ابن قیس، بصرے کے تمیمی سردار تھے۔ ان کا نام ابو بحر صخر بقول بعض ضحاک بن قیس بن معاویہ تمیمی السعدی المنقری تھا۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے، کسی عمل جراحی کی وجہ سے ان کے ایک پاؤں میں ٹیڑھ تھا اسی لئے انہیں ''احنف'' کہتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ کا زمانہ پایا مگر ان سے ملے نہیں۔ اس کے بعد وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ بصرے کے اولین باشندوں میں شمار ہوتے تھے۔ جہاں وہ بہت جلد ان کے ترجمان اور ان کے سردار بن گئے۔ ان کی شخصیت اس انداز کی تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ جب وہ غضب ناک ہوتے تو ان کے غصے کی وجہ سے ایک لاکھ تلواریں تڑپ کر باہر آ جایا کرتیں، یہ جانے بغیر کہ احنف کو کس بات پر غصہ آیا ہے۔ ایران اور ترکستان کی فتوحات میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ جنگ جمل

Marfat.com

میں وہ غیر جانبدار رہے تاہم جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑے۔ان کا انتقال ۶۷ھ میں کوفہ میں مصعب بن زبیر کے عہد امارت میں ہوا۔ان کی اصل شہرت ان کی دانش مندی کی وجہ سے ہے، جس کا اظہار ان کے چھوڑے ہوئے ان بے شمار حکیمانہ اقوال سے ہوتا ہے جن میں سے بعض ضرب الامثال بن گئے ہیں۔ان کے حلم کا مقابلہ حضرت معاویہ کے حلم سے کیا جاتا ہے چنانچہ مثل مشہور ہے کہ احلم من الاحنف (احنف سے بھی زیادہ حلیم) امیر معاویہ کے دربار میں انہیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔(احمد امین المصری، فجر الاسلام، قاہرہ)

۳۔ زیات، احمد حسن، تاریخ ادب العربی، ص ۸۲، دار نہضۃ، مصر

۴۔ JOSEPH HELL, the Arab civilization, translated from the German, by S. khuda Bakhsh' P-20, Lahore, 1969

۵۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طبری نے کئی احادیث نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے حسب نسب کے بارے میں نہیں پوچھے گا بلکہ اللہ کے نزدیک افضل وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے''۔(طبری، ابوجعفر بن جریر، جامع البیان، عن تاویل آی القرآن، جلد ۲۶، ص ۱۴۰ مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء)

۶۔ الطبقات الکبریٰ جلد ۲، ص ۱۴۳، تاریخ طبری جلد ۳، ص ۶۱ (تاریخ طبری میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہؐ نے سورۃ الحجرات کی تیرھویں آیت تلاوت کی تھی۔تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۲، پر اس کو حدیث کے طور پر لکھا گیا ہے)

۷۔ ''عجمی'' کے لغوی معنی کند زبان یا گونگے کے ہیں کیونکہ غیر ممالک کے لوگ عرب جا کر وہاں کی زبان نہیں بول سکتے تھے اس وجہ سے اہل عرب انہیں عجمی یعنی ''گونگے'' کہا کرتے تھے۔علاوہ ازیں یہ لفظ وہ کم شائستہ اجنبی آدمی کے لئے بھی بولتے تھے۔''عجمہ''، عربی لفظ ''فصاحت'' کی ضد ہے۔عہد جاہلیت میں چونکہ عربوں میں غیر عربوں کے مقابلے میں

Marfat.com

احساس تفاخراوراحساس برتری بہت بڑھا ہوا تھا لہٰذا لفظ عجمی حقارت کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ تاہم اس لفظ کا مفہوم اس کے استعمال کرنے والے کے مخصوص نقطہ نظر پر منحصر ہوتا تھا۔ لہٰذا اس لفظ میں، عہد عباسی میں، ایک تہذیبی دلکشی نظر آنے لگی اس وقت یہ لفظ ذلت کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کی اس حقارت کو زائل کرنے میں ایرانیوں کے ماضی سے زیادہ اسلامی تعلیمات کا دخل تھا۔ صرف ''عجمی'' ہی نہیں بلکہ اسلام نے کئی الفاظ کی حقارت کو عمدگی سے زائل کیا۔

۸۔ البیان والتبیین، الجاحظ، جلد ۲، ص ۱۶۔۱۵

۹۔ تاریخ طبری جلد ۳، ص ۱۵۱

۱۰۔ الحجرات، قرآن کی مدنی سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں اسلامی معاشرے کے افراد میں اخوت و مساوات اور محبت و خلوص پیدا کرنے کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو رسول اللہ کی ذات سے عقیدت و محبت اور انتہائی ادب و احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملت اسلامیہ کو ان صورتوں کی نشاندہی کرائی گئی ہے جس سے افتراق، عداوت، بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً بلا تحقیق کسی کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے، متحارب گروہوں میں صلح و صفائی کرا دی جائے۔ کسی کی تحقیر نہ کی جائے، جاسوسی اور بدگمانی سے باز رہا جائے۔ سب سے آخر میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ سب انسان اولاد آدم ہیں کسی کو کسی پر فخر و فضیلت نہیں۔ اللہ کے ہاں عزت و برتری اور دنیاوی اور اخروی کامیابی کا مستحق صرف وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے

۱۱۔ R. Levy; "The social structure of Islam" Cambridge, 1957, P.55:

۱۲۔ مسند احمد میں ہے کہ ''تمہارے یہ نسب نامے کوئی کام دینے والے نہیں تم سب برابر ہو اور آدم کی اولاد ہو، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے'' (تفسیر ابن کثیر جلد ۵، ص ۱۵۵)

۱۳۔ صحیح بخاری، باب ۱۹، کتاب اوصایا (ھل یدخل النساء والولد فی الاقارب) محمد سعید اینڈ سنز، کراچی (تاریخ طباعت ندارد)

Marfat.com

۱۴۔ مسند احمد بن حنبل، جلد ۲، ص ۲۹۱

۱۵۔ صحیح مسلم، جلد ۱، ص ۸۲ (کتاب الایمان)

۱۶۔ : دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۸، ص ۱۸۶

۱۷۔ 'IGNAZ GOLDZIHER Muslim Studies' (Muhammedani--sche Studien) Vol. 1, P. 54-55: translated by C. R. BARBER & S. M. STERN, Landon, 1967

۱۸۔ سابقون الاولون کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک، انصار و مہاجرین میں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ ابتدائی مسلمان ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے اور بعض کے خیال میں سابقون الاولون وہ ہیں جو بیعت الرضوان میں شامل تھے۔ (الاستیعاب، جلد ۱، ص ۲، ۳، ۱۰، ۱۴۔۱۳)

۱۹۔ غیلان بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا کہ آپ لوگ انصار کے لقب سے خود اپنے آپ کو پکارتے تھے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ لقب دیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ لقب دیا ہے۔ (بخاری، کتاب مناقب الانصار باب ۱) قرآن مجید نے سورۂ توبہ میں مدینہ کے مسلمانوں کو "انصار" کا نام دیا۔ اس سے قبل یہ اوس وخزرج کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے جن میں شدید قبائلی عصبیت کی وجہ سے طویل جنگیں ہوئی ہیں تاہم اسلامی تعلیمات کی وجہ سے اوس وخزرج کی باہمی عداوت رفتہ رفتہ ختم ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد تو ان کی باہمی عداوت کا ذکر ہی سننے میں نہیں آیا۔

۲۰۔ A. R. NICHOLSON 'A Literary history of the Arabs' P. 173, Cambridge, 1953

۲۱۔ الاستیعاب، جلد ۳، ص ۱۰۹۸

Marfat.com

۲۲۔ طبقات الکبریٰ، جلد۴، ص ۷۰ نیز ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء، جلد۲، ص ۲۵۶، دار المعارف، مصر

۲۳۔ بلوغ الارب، جلد۱، ص ۲۸۷

۲۴۔ الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۶۱۵

۲۵۔ ایضا،" جلد۲، ص ۶۳۴

۲۶۔ عمار بن یاسر بن مالک بن کنانہ عنسی ثم المذحجی کی کنیت ابو الیقظان تھی، بنومخزوم کے حلیف تھے۔ ان کے خاندان کو اسلام قبول کرنے پر سخت عذاب دیا گیا۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں دو قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، جنگ بدر اور دیگر مشاہد میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ کا والی مقرر کیا تھا۔ جنگ صفین (۳۷ھ) میں حضرت علیؓ کی طرف سے جنگ لڑی اور شہید ہوئے۔ (الاستیعاب، جلد۳ ص ۱۱۳۵، ۱۱۴۱)

۲۷۔ احمد امین المصری، فجر اسلام، ص ۸۲، مکتبہ نہضتہ، مصر ۱۹۶۵ء (ابوالفداء نے طبقات صحابہ میں ایک طبقہ کا اور اضافہ کیا ہے جس میں ان اصحاب کو شمار کیا ہے جو رسول اللہ کی زندگی میں کم سن تھے۔)

۲۸۔ البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۶۳ تا ۶۶۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۱، ص ۲۶۵، امام ابوالحسن البلاذری، فتوح البلدان، ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۲۹۔ صحیح مسلم، جلد۲، ص ۹۴۴ (، کتاب الحج) نیز جلد۳، ص ۱۴۶۸ (، کتاب الامارۃ)

اس طرح کی روایتیں بخاری اور مسلم میں اور بھی ملتی ہیں مثلاً ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے دوست (رسول اللہؐ) نے وصیت فرمائی کہ "اگر تم پر ایک نکٹے حبشی کو بھی امام بنادیا جائے تو اس کی اطاعت کرتے رہنا"۔ بخاری میں ایک اور جگہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "اگر تم پر حبشی کو امام بنادیا جائے، جس کا سر منقی جیسا ہو تو اس کی بات سننا اور اس کے اطاعت شعار رہنا"۔

۳۰۔ ابن ہشام، جلد۲، ص ۲۸۷

۳۱۔ H.A.R. GIBB, Studies on the civilization of Islam', P.5, London, 1962.

۳۲۔ : احمد حسن زیات، ص ۱۵۵

Marfat.com

باب سوم: فصل دوم

اسلام میں غلامی کا تصور

جیسا کہ باب اول میں لکھا جا چکا کہ عربوں کے یہاں آزاد کردہ غلاموں کو بھی ''مولیٰ'' کا نام دیا جاتا تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسلام میں غلامی کی حقیقت کو سمجھا جائے اور نئے اسلامی معاشرہ میں غلاموں اور موالی کی سماجی حیثیت کے تعین کی کوشش کی جائے۔ بعثت محمدیؐ کے وقت عرب اور بیرون عرب دنیا بھر کے معلوم معاشرے غلاموں سے بھرے ہوئے تھے اور ان قوموں کا سارا معاشی اور معاشرتی نظام انہی غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ اسلام نے غلامی کے اس مسئلہ کو اس حد تک حل کیا جس حد تک ایسے مسائل، جو دو قوموں کے درمیان ہوں، حل کئے جا سکتے ہیں۔

داخلی طور پر اسلام نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام بنانے کی تمام مروجہ صورتوں کو سخت ناپسندیدہ بلکہ جرم قرار دے کر عملاً اور حکماً انہیں ختم کر دیا۔ غلام بنانے کی مروجہ صورتوں میں سے ایک صورت تو یہ تھی کہ بھولے بھٹکے یا کم تعداد میں سفر کرنے والوں کو اغواء کر کے غلام بنا لیا جائے جیسے حضرت سلمان فارسیؓ کو بنو کلب نے دھوکے سے غلام بنا لیا تھا۔ رسول اللہؐ صراحتاً اس ظلم کی ممانعت کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

قال اللہ تعالی ثلاثتہ انا خصمھم یوم القیامہ رجل اعطی بی ثم غدر و رجل باع حرّاً فاکل ثمنہ و رجل استاجرا اجیراً فاستوی فی منہ ولم یعطہ اجرہ (۱)

(یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تین قسم کے آدمی ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا، ایک وہ شخص جس نے مجھ کو عہد دیا اور پھر غداری کی اور ایک وہ شخص کہ جس نے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی اور ایک وہ شخص جس نے کسی مزدور سے اجرت پر پورا

Marfat.com

کام کرالیا مگر اس کو اجرت نہ دی۔)

دوسری طرف اسلام نے جوئے اور قمار بازی کو حرام (۲) قرار دے کر غلام بنائے جانے کی یہ صورت خود بخود ختم کردی کہ کوئی شخص داؤ پر لگے اور ہار کر کسی دوسرے کی غلامی میں چلا جائے۔

قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں بھی قرض دار کو غلام بنالیا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن یہاں بھی واضح ہدایت دیتا ہے:

و ان کان ذو عسرۃٍ فنظرۃٌ الی میسرۃٍ ط و ان تصدقوا خیرلکم ان کنتم تعلمون (۳)

(تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کردو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔)

یہی نہیں بلکہ مصارف زکوۃ میں ایک مد ادائیگی قرض اور گردن چھڑانے کی بھی رکھی ہے (۴) تا کہ معاشرے کے مقروض افراد کا قرض معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری بن جائے اور قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں ان کے غلام بنالئے جانے کا امکان ختم ہو جائے۔

قرآن نے والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض متعین کئے۔ ذیل کی آیت قرآنی (۵) والدین کے لئے وہ راستہ بند کردیتی ہے کہ وہ غربت وافلاس سے خوفزدہ ہو کر اپنی اولاد کو قتل یا فروخت نہ کردیں۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیتہ املاق ط نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خطاءً کبیراO (بنی اسرائیل:۳۱)

(اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، درحقیقت ان کا قتل ایک بہت بڑی خطا ہے۔)

غرض اس طرح غلام بنانے کی تقریباً تمام ہی مروجہ صورتیں حکماً یا عملاً ختم کردی گئیں مگر جنگی قیدیوں کی حد تک بہرحال اس بات کی گنجائش تھی کہ انہیں غلام بھی بنایا جا سکتا تھا گو کہ یہ

Marfat.com

بات حکماً نافذ نہیں کی گئی مگر حکماً منع بھی نہیں کی گئی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ زیر نظر عہد میں جنگوں میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کو غلام اور باندیاں بنانے یا انہیں قتل کر دینے کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی لیکن اسلام نے اس کے علاوہ اور صورتوں کی گنجائش نکالی۔ سورہ محمد میں جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ حکم آیا ہے:

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب ط حتی اذا اثخنتموھم فشدو الوثاق لا فاما مناً م بعد و اما فداءً حتّٰی تضع الحرب اوزارھا ج (سورہ محمد: ۴)

ترجمہ: پس جب ان کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھ لو۔ اس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیہ کا معاملہ کرلو، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اس آیت میں قیدیوں سے متعلق دو ہی صورتیں بتائی گئی ہیں۔

۱۔ یا تو ان پر احسان کیا جائے۔

۲۔ یا قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔

تاہم مشرک قیدیوں کو قتل کر دینے کی بھی گنجائش ہے۔

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (التوبہ: ۵)

(ترجمہ: جہاں کہیں بھی تم مشرکین کو پالو انہیں قتل کر ڈالو۔)

احسان میں چار چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔

۲۔ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔

۳۔ جزیہ لگا کر ذمی بنالیا جائے۔

۴۔ بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔

فدیہ کا معاملہ کرنے کی بھی دو صورتیں تھیں۔

۱۔ یہ کہ مالی معاوضہ لے کر یا کوئی خاص خدمت لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔

Marfat.com

۲۔قیدیوں کا تبادلہ کر کے اپنے افراد چھڑا لئے جائیں۔

ان میں سے ہر ایک کے مطابق رسول اللہ کا عمل موجود ہے۔

جنگ کی صورت میں جنگی قیدیوں کو غلام بنالینا ایسا رواج تھا جو اس وقت تمام اقوام میں رائج تھا۔اس آیت میں نہ تو جنگی قیدیوں کو غلام بنالینے کا صراحتاً حکم دیا جا رہا ہے اور نہ ہی منع کیا جا رہا ہے تاہم رسول اللہؐ اور خلفائے راشدین کا واضح رجحان مفتوحہ آبادیوں کو غلام نہ بنانے کی طرف تھا اور جہاں اس کی ضرورت محسوس کی وہاں انہیں مسلسل جیل خانوں یا عقوبت گاہوں میں رکھنے کی بجائے مسلمان گھرانوں پر تقسیم کر دیا گیا جس کا دوطرفہ فائدہ ہوا۔ایک فائدہ حکومت وقت کو ملا کہ اس کے جنگی قیدیوں کا مسئلہ حل ہو گیا اور بیت المال پر اضافی بوجھ بھی نہیں پڑا۔دوسرا فائدہ جنگی قیدیوں (غلاموں) کو ہوا جب انہیں جیل خانوں کی سخت اور پابند زندگی گزارنے کے بجائے مسلمان گھرانوں میں ان کے ایک فرد کے طور پر رہنے کا موقع ملا،ان پر ان کے مسلمان آقاؤں کی پاکیزہ سیرتوں کے اثرات مرتب ہوئے چنانچہ تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں کہ ان غلاموں نے اپنے آقاؤں کی سیرتوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا،ان کا اسلام قبول کرنا اکثر ان کے لئے پروانہ آزادی ثابت ہوتا۔آزادی کے باوجود ولاء کے رشتے سے وہ اپنے آقا کے مولیٰ بن کر ان سے وابستہ رہتے۔

رسول اللہؐ کے بارے میں پھیلایا جانے والا یہ تاثر غلط العام ہے کہ رسول اللہؐ کی ساری زندگی جنگ وجدل،خون خرابے اور لوٹ کھسوٹ میں گزر گئی،بستیوں کی بستیاں لونڈی غلام بنائی گئیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ یہاں غلطی مستشرقین سے ہی نہیں،خود مسلمان مورخین سے بھی ہوئی جنہوں نے گشتی دستوں کو بھی غزوات یا سرایا کے عنوان سے پیش کر کے معمولی صورت حال کو گمبھیر بنا دیا اور بیشتر مستشرقین نے اس بات کو مسلمان مورخین سے بعینہ لے کر حق تحقیق ادا نہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عہد رسالت میں ایسے غزوات وسرایا کی تعداد جن میں جنگی قیدی ہاتھ آئے۔چھبیس (۲۶) ہے۔مخالفین کے کل افراد جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید یا گرفتار ہوئے

Marfat.com

ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار کے لگ بھگ ہے۔اس میں سے ۶۸ جنگ بدر کے قیدیوں کو زر فدیہ لے کر رہا کیا گیا جبکہ ساڑھے چھ ہزار سے زائد قیدیوں کو احساناً بغیر کسی زرفدیہ کے رہا کیا گیا اس اعتبار سے عہد رسالت کے جنگی قیدیوں کی تعداد ایک ہزار سے بھی بہت کم ہے۔اس ضمن میں رسول اللہؐ کی عمومی پالیسی یہ رہی کہ وہ کثرت سے قیدیوں کو رہا کر دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے لئے ان کا یہ عمل حکم کے درجہ میں آ گیا تھا(۶)

جنگ بدر کے بعد غزوہ بنو مصطلق (شعبان ۶ ھ) میں بڑی تعداد میں قیدی ہاتھ آئے تھے۔انہی میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار الخزاعی کی بیٹی برہ (ام المومنین جویریہ)(۷) بھی تھیں۔جو ایک مسلمان ثابت بن قیس شماس کے حصے میں آئی تھیں۔انہوں نے رسول اللہؐ سے مکاتبت کی درخواست کی،رسول اللہؐ نے ان کی درخواست پر انہیں ان کے مالک (ثابت بن قیس) سے خرید کر آزاد کر دیا۔نیز بنو مصطلق کی تالیف قلب اور تکریم کی خاطر ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ان کے پہلے شوہر جنگ میں مارے گئے تھے(اس جنگ میں بنو مصطلق کے دس آدمی مارے گئے تھے)اس صہری رشتے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو جن کی تعداد سو سے زائد تھی،آزاد کر دیا۔بنی مصطلق کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جو اپنی قوم میں واپس نہ چلی گئی ہو۔(۸)

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے ۸۰(اسی) آدمی تنعیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انہوں نے آپ کے کیمپ پر اچانک شب خون مارنے کا ارادہ کیا مگر وہ سب کے سب پکڑ لئے گئے لیکن رسول اللہؐ نے ان سب کو احساناً چھوڑ دیا تاکہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے۔

فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے چند آدمیوں کے سوا تمام اہل مکہ کو جو مفتوح ومغلوب تھے،احساناً معاف کر دیا اور جنہیں مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔فاتح ہونے کے باوجود آپؐ نے نہ مفتوحین مکہ کے مال کو اسلامی لشکر کے لئے حلال (غنیمت) قرار(۹) دیا اور نہ انہیں لونڈی اور غلام بنایا بلکہ عام معافی کی صورت میں انہیں جان و مال،عزت

Marfat.com

وآبرو کی امان نصیب ہوگئی۔حالانکہ انہی اہل مکہ نے رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں کیسا بہیمانہ سلوک کیا تھا، تاریخ کا یہ کوئی ڈھکا چھپا واقعہ نہیں ہے۔

جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے حاضر ہوا تو سارے قیدی لشکر میں تقسیم کئے جا چکے تھے۔رسول اللہؐ نے سب مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا یہ تائب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیئے جائیں تم میں سے جو بخوشی اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اس طرح چھوڑ دے اور جو معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دیں گے۔چنانچہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔(۱۰)

آپؐ نے بعض قیدیوں کو تبادلے میں بھی رہا کیا۔مثلاً ایک سریہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرکردگی میں بنو کلاب کی طرف نجد میں بھیجا گیا تھا (۷ھ) اس میں چند افراد قید ہوئے ایک قیدی لڑکی سلمہ بن الاکوع کے حصے میں آئی، جسے رسول اللہؐ نے بہ اصرار اس سے مانگ کر مکہ بھجوایا اور اس کے بدلے دو مسلمان قیدیوں کو جو قریش مکہ کے قبضے میں تھے، رہا کروالیا۔(۱۱) اسی طرح بنو ثقیف کے حلیف بنی عقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہو گیا۔رسول اللہؐ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے دونوں مسلمانوں کو رہا کروالیا۔جنگ بدر کے ایک قیدی عمرو بن ابی سفیان کے بدلے ایک مسلمان سعد بن نعمان کو رہا کرانے کا واقعہ ابن ہشام نے بیان کیا ہے۔(۱۲)

یوں ایک طرف تو اسلام نے غلامی کی مروجہ صورتوں کو حکماً ختم کیا تو دوسری طرف جہاں بہ امر مجبوری جنگی قیدیوں کی حد تک غلامی کو روا رکھا وہاں بھی روح یہ کارفرما تھی کہ گنجائش کی حد تک احساناً قیدیوں کو رہا کر دیا جائے لیکن جہاں گنجائش نہ ہو وہاں انہیں غلام بنانا ناگزیر تھا۔اسلام کو یہ اجازت اسی وجہ سے دینی پڑی کہ جنگ ہمیشہ کم از کم دو قوموں کے مابین معاملہ ہوتا ہے۔ان مین سے اگر ایک فریق جنگی قیدیوں پر تصرف سے باز آجائے تو دوسرا فریق کھل کھیلے گا اور اپنے حریف کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔چونکہ یہ دو طرفہ معاملہ تھا لہٰذا اسلام ''لارق فی

Marfat.com

الاســـــلام '' کا یکطرفہ فیصلہ سنا ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس طرح مسلمان تو کبھی کسی جنگی قیدی پر قابض نہ ہو سکتے جبکہ مد مقابل کفار مسلمانوں کو اندھا دھند قیدی بنا کر اسلامی ریاست پر زبردست سیاسی، معاشی اور اخلاقی دباؤ بڑھا سکتے تھے۔ چنانچہ اسلام کو غلامی کی یہ شکل مجبوراً اس وقت تک برداشت کرنی پڑی جب تک دشمن اور غیر اقوام اس سلسلہ میں ایک ہی لائحہ عمل پر متفق نہ ہو جائیں۔ یوں جنگی قیدیوں کا معاملہ اسلامی حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔

تاہم عہد جاہلیت کے ثمرہ کے طور پر عربی معاشرے میں جو غلام پہلے سے موجود تھے ان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک طرف اسلام نے غلاموں کے حقوق متعین کئے تو دوسری طرف ان کی آزادی کے لئے ایک تحریک سی چلا دی۔ '' فک رقبہ '' کی اس تحریک کے نتیجے میں سینکڑوں، ہزاروں غلام آزاد ہوئے اور معاشرے کے باعزت شہری (موالی) بنے۔

'' فک رقبہ '' کی تحریک کیا تھی۔ یہ دراصل وہ اسلامی احکام وقوانین تھے جن کے ذریعہ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ زیادہ سے زیادہ غلام آزاد کریں۔ قرآن نے غلاموں کو آزاد کرنا ایک انتہائی نیکی کا عمل بنایا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وھدینه النجدین ٥ فلا اقتحم العقبه ٥ وما ادرک ماالعقبه ٥ فک رقبةٍ ٥ او اطعم فی یومٍ ذی مسغبةٍ ٥ یتیماً ذا مقربةٍ ٥ او مسکیناً ذا متربةٍ ٥
(سورۃ البلد ۱۶۔۱۰)

ترجمہ: اور کیا ہم نے نہیں دکھا دیئے (انسانوں کو) دونوں نمایاں راستے۔ مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی۔ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث بھی ملتی ہیں مثلاً حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایما الرجل اعتق امرأً مسلماً استنقذ الله بکل عضو منه عضواً منه من النار (۱۳)

Marfat.com

(جس شخص نے ایک مومن غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کنندہ کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے بچالے گا۔)

حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) نے اس حدیث کے راوی سعد بن مرجانہ سے پوچھا کیا تم نے یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے خود سنی ہے۔ انہوں نے کہا ''ہاں'' اس پر علی بن حسین نے اپنے سب سے قیمتی غلام، جس کی قیمت ان کو عبداللہ ابن جعفر دس ہزار درہم (یا ایک ہزار دینار) دینے کو تیار تھے، کو بلایا اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ (۱۴)

بیہقی کی روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں جو جنت میں لے جائے۔ حضورؐ نے فرمایا ''غلام آزاد کر اور گردن چھڑا'' اور جب ابو ذر غفاریؓ نے پوچھا ''حضورؐ کس غلام کو آزاد کرنا سب سے افضل ہے تو آپؐ نے جواب دیا جس کی قیمت سب سے زیادہ ہو اور جو مالک کو زیادہ پسند ہو اسے آزاد کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔'' (۱۵)

اسلام نے صرف ترغیبات سے ہی کام نہیں لیا اور اسے محض ایک اخلاقی مسئلہ ہی نہیں سمجھا بلکہ اس کے لئے عملی اقدامات کئے اور غلاموں کو بند غلامی سے چھڑانے کے لئے متعدد ذرائع نکالے۔

اسلام نے غلاموں کی آزادی کا ایک طریقہ یہ نکالا کہ بعض جرائم سرزد ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کو کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا چنانچہ اگر کوئی شخص قسم کھا کر توڑ دے تو اس کے کفارے کی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے۔ (۱۶) اسی طرح ظہار کے کفارے میں بھی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے۔ (۱۷) اگر کوئی مسلمان غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کا کفارہ بھی غلام کو آزاد کرنا ہے۔ (۱۸) اگر مسلمان نے کسی معاہد کافر ملک یا غیر معاہد کافر ملک میں رہنے والے مسلمان کو قتل کر دیا تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ (۱۹) رسول اللہؐ کا یہ فیصلہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام سے متعلق فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ اس کا غلام آزاد کر دیا جائے گا۔ (۲۰) غلاموں کی آزادی

Marfat.com

کے لئے ''تدبیر'' اور'' مکاتبت'' کے قوانین عہد جاہلیت میں موجود تھے۔ اسلام نے نہ صرف ان کو باقی رکھا بلکہ اس ضمن میں انہیں احسان کی تلقین کی۔ یعنی قرآن مسلمانوں کو صرف یہی تاکید نہیں کرتا کہ غلاموں کی درخواست پر انہیں مکاتبت کر لینی چاہئے (۲۱) بلکہ انہیں احسان کرنے کی بھی تاکید کرتا ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ نہ کچھ معاف کر دیا کریں۔ چنانچہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے مکاتبوں کو مال کتابت کا ایک معتد بہ حصہ معاف کر دیا کرتے تھے۔

اس ضمن میں کسی بھی قسم کے لیت ولعل کو ہمیشہ ناپسند کیا گیا بلکہ مسلمان خلفاء نے اس بارے میں بعض اوقات راست اقدامات کئے مثلاً حضرت عمرؓ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ابوسعید المقبری نے اپنے مالک سے مکاتبت کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مال کتابت فراہم کر کے مالک کے پاس لے گیا۔ مالک نے کہا میں تو وقت مقررہ سے قبل نہیں لوں گا۔ ابوسعید نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ انہوں نے اپنے معلی یرفاء کو حکم دیا کہ مکاتبت کی رقم بیت المال میں جمع کر دے اور ابوسعید سے کہا کہ جا تو آزاد ہے اب اگر تیرا مولیٰ چاہے گا تو یہ مال ہم سے لے لیگا اور چاہے گا تو چھوڑ دے گا۔ (۲۲)

دوسرا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے جو زیادہ دلچسپ ہے۔ مشہور فقیہہ اور محدث حضرت محمد ابن سیرین کے والد سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے مکاتبت کی درخواست کی، انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سیرین نے جا کر حضرت عمرؓ سے شکایت کر دی، حضرت عمر نے حضرت انس پر درّہ اٹھایا اور فرمایا ''اللہ کا حکم ہے کہ مکاتبت کرلو''۔ (۲۳)

قرآن میں زکوۃ کے جو مصارف بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک گردنوں کو غلامی سے رہا کرانا بھی شامل ہے۔ (۲۴) چونکہ عموماً کسی غلام کو آزاد کرنے کی پوری قیمت یا اس کی آزادی کا زرفدیہ ادا کرنا ہر شخص برداشت نہیں کر سکتا اس لئے زکوۃ یا صدقہ اور فئے کی مجموعی رقم سے اجتماعی طور پر اس فرض کو ادا کرنے کی صورت تجویز کی گئی ہے۔ (۲۵) زکوۃ کی اس رقم کے علاوہ رسول اللہؐ نے مزید ہدایت کی کہ غلاموں کو زر کتابت ادا کرنے کے لئے قرض دیا جائے۔

اس کے علاوہ شارع اسلام نے لونڈیوں کی آزادی کی ایک راہ یہ نکالی کہ ''ام ولد''

Marfat.com

(۲۶) کی بیع ناجائز قرار دے دی گئی۔ نہ تو اس کا آقا اسے بیچ سکتا ہے اور نہ کسی کو ہبہ کر سکتا ہے۔ آقا کے مرنے کے بعد ''ام ولد'' خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ اس کے بطن سے پیدا ہونے والا اس کے آقا کا بیٹا پیدائشی آزاد سمجھا جاتا تھا مزید براں وہ اپنے باپ کی جائیداد کا وارث بھی ہوتا تھا اور یہ ساری صورت حال عہد جاہلیت سے بالکل مختلف تھی۔

ام ولد کی بیع کو ناجائز قرار دینے کو ابن اثیر حضرت عمر کی اولیات میں شمار کرتا ہے۔

(۲۷) تاہم واقعہ یہ ہے کہ یہ حکم عہد نبوی سے جاری تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب رسول اللہؐ کی ملک یمین ماریہ قبطیہ (۲۸) سے ابراہیم تولد ہوئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا ''لما ولدت ام ابراھیم، ابراھیم، اعتق ام ابراھیم ولدھا'' (۲۹) (یعنی ابراہیم کی ماں کو ان کے بیٹے ابراہیم نے آزاد کر دیا۔)

محض حصول لذت کے لئے جاریہ سے جنسی تعلق کو پسند نہیں کیا گیا یہی وجہ ہے کہ جاریہ کے حق میں آقا کو ''عزل'' سے منع کیا گیا ہے۔

لونڈیوں سے تمتع کے بارے میں اسلام کو بڑی لعنت ملامت کی جاتی ہے اور اسے ایک طرح کی داشتہ بازی سمجھا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ جنگ میں ہاتھ آنے والی عورتیں اسلامی حکومت کے حوالے ہوں گی۔ اس کے بعد حکومت کو اختیار ہوگا کہ

(الف) یا تو انہیں احساناً یونہی چھوڑ دے۔ جیسا کہ زید بن حارثہ اور ان کی فوج کا حسمیٰ کی جانب جمادی الاخر ۶ ھ میں جو سریہ ہوا تھا اس میں سو عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے تھے، رسول اللہؐ نے بعد میں ان سب کو بغیر فدیہ لئے احساناً رہا کر دیا تھا۔ اسی طرح غزوہ حنین میں بنو ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کو جن میں عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد تھی، بغیر فدیہ لئے رہا کر دیا۔ (۳۰) غزوہ بنی مصطلق کے قیدیوں کو بھی آپؐ نے بغیر زر فدیہ لئے چھوڑ دیا تھا۔ (۳۱)

(ب) یا انہیں زر فدیہ لے کر چھوڑ دے۔

(ج) یا ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے قبضے میں ہوں۔ جیسا

Marfat.com

کہ غزوہ بنی فزارہ میں ہاتھ آنے والی ایک باندی کے عوض رسول اللہؐ نے قریش مکہ سے اپنے چند قیدی رہا کروائے تھے۔

(د) اور خواہ انہیں اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔ جیسا کہ غزوہ بنو قریظہ اور غزوہ خیبر میں گرفتار کی جانے والی عورتیں اور بچے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔

آخر الذکر صورت میں مسلمان سپاہی اس عورت سے تمتع کر سکتا ہے جو حکومت کی طرف سے اسے باقاعدہ عطا کی گئی ہو (تاہم کسی دوسرے کو اسے ہاتھ لگانے کی قطعی اجازت نہیں) یہ نکاح جیسا ہی ایک قانونی فعل ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی عورت کا ولی اس کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اس کے شوہر سے واپس لینے کا حقدار نہیں رہتا بالکل اسی طرح اسیران جنگ میں سے کسی عورت کو کسی مسلمان کی ملکیت میں دینے کے بعد پھر حکومت اسے واپس لینے کی مجاز نہیں ہوتی۔ اس عورت کے ساتھ آقا اس وقت تک جسمانی تعلق قائم نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ایک مرتبہ حیض سے پاک نہ ہو جائے (۳۲) اور یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے، اگر حاملہ ہے تو وضع حمل سے قبل اس سے خلوت کرنا ناجائز ہے۔ اسے از روئے شرع استبراء کہا جاتا ہے۔ اس وجوب کی بناء رسول اللہؐ کے اس ارشاد پر ہے جو آپؐ نے غزوہ حنین کے فوراً بعد بمقام اوطاس، اسیران جنگ کے متعلق جن میں عورتیں بھی شامل تھیں فرمایا تھا کہ حبالیٰ (حاملہ) سے وضع حمل اور حیالیٰ (غیر حاملہ) سے استبراء سے پہلے مقاربت نہ کی جائے۔ اس حکم کی حکمت یہ تھی کہ ان کی اولاد کا نسب مختلط نہ ہونے پائے۔ (۳۳)

اگر کوئی آقا اپنی باندی کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دے تو پھر مالک کو اس سے دیگر خدمات لینے کا حق تو باقی رہتا ہے لیکن جنسی تعلق کا حق باقی نہیں رہتا۔ قرآن کا منشاء تو یہ رہا ہے کہ آقا خود ہی اپنی باندی کو اچھی تعلیم و تربیت دے کر آزاد کر کے اس سے خود ہی نکاح کر لے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے یہ حدیث درج ہے کہ "من کانت له جاریه فعالها فاحسن الیها ثم اعتقها و تزوجها کان له اجران" (۳۴)

("جس کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی طرح پرورش کرے پھر اس کو آزاد

Marfat.com

کرے اور اس سے نکاح کرے تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔'')

قیدی عورتوں کی حفاظت اور معاشرے میں ان کی وقعت کو قائم رکھنے کے لئے اس سے بہتر صورت ان حالات میں ممکن بھی نہیں تھی۔

مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ غلاموں کی حریت و آزادی کے چند راستے ہیں مثلاً اگر ایک غلام میں کئی افراد شریک ہیں۔ ان میں سے ایک شریک اپنا حصہ آزاد کر دے تو پورا غلام آزاد ہوگا بشرطیکہ آزاد کرنے والا دوسرے شرکاء کو بھی ان کا حصہ ادا کر دے اور اگر وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو غلام کو سعی وکسب کی اجازت دی جائے گی تا کہ وہ خود اپنی قیمت کے بقدر ادا کر کے آزادی حاصل کر لے۔ (۳۵)

اسی طرح دارالکفر سے نکل کر دارالاسلام میں داخل ہونے والا غلام آزاد تصور کیا جائے گا اور اسلامی حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ اس فیصلے کو نافذ کرے۔ غزوہ حدیبیہ میں صلح سے پہلے مکہ کے کچھ غلام بھاگ کر رسول اللہؐ کے پاس چلے آئے ان کے مالکوں نے آپؐ کو لکھا کہ بخدا یہ لوگ آپؐ کے دین کی طرف رغبت رکھنے کی وجہ سے نہیں بھاگے بلکہ غلامی کی پابندیوں سے بھاگے ہیں۔ کچھ صحابہؓ نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ ان غلاموں کو واپس کر دیا جائے۔ رسول اللہؐ یہ مشورہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور آپؐ نے ان غلاموں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ (۳۶) جب یہ غلام مدینہ کے شہری بنے تو آزاد تھے۔

اسی طرح محاصرہ طائف کے دوران (۸ ھ) اہل طائف کے چند غلام رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ رسول اللہؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ بعد میں جب اہل طائف بھی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اپنے غلاموں کے بارے میں بات کی تو آپؐ نے فرمایا یہ لوگ خدا کے آزاد کئے ہوئے ہیں۔ (۳۷)

ہمیں اسلام میں حصول آزادی کے طریقوں کو اور زیادہ بڑھانے کا رجحان نظر آتا ہے کم کرنے کا نہیں مثلاً آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کے قبضے میں ایک عاقل، بالغ نوجوان لڑکا ہو اور وہ دعویٰ کرے کہ یہ لڑکا میرا غلام ہے اور لڑکا اس کی تکذیب کرے اور قسم کھائے تو اس

Marfat.com

صورت میں وہ لڑکا آزاد سمجھا جائے گا۔(۳۸) فقہا کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر دو اشخاص کو جن میں سے ایک مسلمان ہو اور دوسرا کافر، ایک لاوارث بچہ ملے اس بچے کے بارے میں مسلمان کا دعویٰ ہو کہ وہ اس کا غلام ہے اور کافر کا دعویٰ ہو کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اس صورت میں فیصلہ کافر کے حق میں ہوگا تاکہ بچہ آزاد رہے۔

غلاموں کو آزاد کرنے کے اس وسیع عملی پروگرام کے تحت سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں غلام آزاد ہوئے۔رسول اللہؐ نے تریسٹھ ۶۳ غلام آزاد کئے۔تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تو آپؐ نے نہ کوئی لونڈی چھوڑی اور نہ غلام۔(۳۹) آپؐ ملنے والے سارے لونڈی غلام اپنی زندگی میں ہی آزاد کر چکے تھے۔اس سلسلے میں اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ بنو قریظہ کی ریحانہ کے بارے میں ہے۔طبری انہیں رسول اللہؐ کی سریہ مانتا ہے۔طبری کہتا ہے کہ رسول اللہؐ نے ریحانہ پر اسلام پیش کیا اور ان کو اپنی منکوحہ بنانا چاہا لیکن انہوں نے یہودیت پر اصرار کیا اور کہا کہ مجھے آپ اپنی ملک میں ہی رہنے دیں اس سے ہم دونوں پر ہی ذمہ داری کم ہوگی۔تاہم بعد میں ریحانہ اسلام لے آئی تھیں۔(۴۰) طبری یہ وضاحت نہیں کرتا کہ اسلام لانے کے بعد آیا رسول اللہؐ نے ان سے نکاح کر لیا تھا یا وہ ان کی ملک یمین تھیں۔تاہم عبدالبر نے صراحتاً لکھا ہے کہ ریحانہ سریہ تھیں تاہم ان کا انتقال رسول اللہؐ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا جبکہ آپؐ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے واپس لوٹے تھے۔(۴۱) اس طرح یہ بیان درست ٹھہرتا ہے کہ آپؐ کا انتقال ہوا تو آپؐ نے نہ کوئی لونڈی چھوڑی نہ غلام۔

حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی۔ان میں سے چالیس غلام تو آپؓ نے صرف اسی کفارے میں آزاد کئے کہ انہوں نے اپنے بھتیجے عبداللہ ابن زبیر سے ناراض ہو کر کبھی نہ بولنے کی قسم کھالی تھی۔جب عبداللہ ابن زبیر نے دوسرے صحابہؓ سے سفارش کرائی انہوں نے اس قسم کو توڑ دیا تھا اور کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے۔حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے اپنی زندگی میں ستر (۷۰) غلاموں کو آزاد کیا۔(۴۲) حکیم ابن حزام نے جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے اور سو اونٹ سواری کے لئے دیئے تھے۔جب اسلام لائے تب بھی

Marfat.com

غلام آزاد کئے اور سو اونٹ سواری کیلئے دیئے۔(۴۳) ذوالکلاع حمیری نے آٹھ ہزار غلام آزاد کئے۔ان میں سے چار ہزار غلام اس نے صرف اس دن آزاد کئے جس دن وہ اسلام لائے۔ (۴۴) حضرت عبداللہ ابن عمر نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے تیس ہزار کو رہائی بخشی۔ انہوں نے صرف ایک دن میں تیس غلام آزاد کئے۔ (۴۵) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف مکی زندگی کے دوران سات غلاموں اور باندیوں کو کفار مکہ سے منہ مانگے داموں خرید کر آزاد کیا۔(۴۶) حضرت عثمانؓ ابن عفان نے اسلام لانے کے بعد ہمیشہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا اور اگر کسی جمعہ آپ ایسا نہ کر پاتے تو دوسرے جمعہ کو دو غلام آزاد کرتے۔ نیز صرف دوران محاصرہ آپ نے بیس غلام آزاد کئے۔ یہی نہیں بلکہ دوران محاصرہ آپؓ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ اس وقت جو ہتھیار رکھ دے گا وہ آزاد ہے۔(۴۷)

الغرض محدثین نے اندازہ لگایا ہے کہ صحابہؓ نے انتالیس ہزار دو سو انسٹھ (۳۹,۲,۵۹) غلام آزاد کئے۔ یہ اعداد وشمار یہ بتانے کے لئے بھی کافی ہیں کہ عہد جاہلیت میں غلامی کس قدر راسخ تھی اور شاید ہی کوئی گھرانہ رہا ہو جس کے پاس غلام یا غلاموں کی ایک معتد بہ تعداد موجود نہ ہو۔

آزاد ہو جانے والے غلام ''موالی'' کہلائے۔اسلام نے ان کو سماج میں جو مقام دیا اس پر آگے بحث آئے گی تاہم ابھی یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ وہ افراد جو اسلامی تعلیمات کے باوجود غلام رہ گئے ان کے مسئلے کو اسلام نے انسانی بنیادوں پر کس طرح حل کیا اور انہیں کیا حقوق عطا کئے۔

یاد رہے کہ جنگ ''سبب'' تھا اور غلامی اس کا ''نتیجہ'' جب تک سبب موجود رہے گا نتیجہ نکلتا رہے گا۔غلامی کو ختم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ سبب (یعنی جنگ) کو ختم کیا جاتا جو عملاً ممکن نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام شراب اور جوے کی طرح حکماً غلامی کا خاتمہ نہیں کر سکا لیکن غلامی میں جو ذلت اور برائی تھی اسے یقیناً ختم کرنے کی کوشش کی اور غلاموں کو سماج میں وہ مرتبہ دیا اور قانونی طور پر وہ حقوق عطا کئے جس کی وجہ سے ''غلامی'' کی نوعیت یکسر بدل گئی۔

اسلام غلامی کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتا ہے۔فطرت کا مستقل انتظام نہیں سمجھتا۔

Marfat.com

اسلام نے حریت کا جو تصور پیش کیا ہے اس کے مطابق آزادی کو انسان کا مقدس فطری حق تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو غلاموں سے احسان کا معاملہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ (۴۸) ایک انسان ہونے کے ناطے ان کے قانونی حقوق واضح کرتا ہے۔ غلام کو قتل کرنے والے، اس کا مال چرانے والے اور ان کی عورتوں کی آبروریزی کرنے والے کی وہی سزا رکھی جو آزاد لوگوں کے ساتھ ان جرائم کے ارتکاب پر مقرر ہے۔ قرآن کا فیصلہ ہے **الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی** (البقرہ:۸) یعنی جو قاتل ہو قصاص اسی سے لیا جائے آزاد نے قتل کیا ہو تو بدلے میں اسی آزاد کو پکڑا جائے۔ غلام نے قتل کیا ہو تو اسی غلام سے قصاص لیا جائے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ اگر ایک اعلیٰ قبیلے کے آزاد شخص نے ایک ادنیٰ قبیلے کے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے قتل کے بدلے میں اس آزاد کو جو کہ اصل قاتل تھا، نہ پکڑا جاتا بلکہ اس کی جگہ اس قبیلے کے کسی غلام کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔ اس کے برعکس اگر کمزور قبیلے کا غلام، اعلیٰ قبیلے کے آزاد شخص کو قتل کر دیتا تو اعلیٰ قبیلے والے اپنے مقتول کے بدلے میں ادنیٰ قبیلے کے اس غلام پر جو قاتل ہوتا اکتفا نہ کرتے بلکہ اس قبیلے کے آزاد شخصوں کو قصاص میں قتل کر دیتے لیکن اسلام نے گویا یہ طے کیا کہ غلاموں کا قصاص بھی احرار کی طرح لیا جائے۔

اسی طرح اسلام نے غلاموں کی شہادت کو معتبر مانا ہے (تاہم بوجوہ ان کے اصول قبول شہادت قدرے سخت ہیں) اور ان کی دی گئی پناہ کا بھی انعقاد کرایا ہے۔ مدینہ کے دستور حکومت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ''اللہ کا ذمہ واحد اور ناقابل تقسیم ہے۔ اور اگر (مومنین میں سے) کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ دے دیتا ہے تو اس کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے''۔ (۴۹) یہ صرف معاہدہ میں لکھا ہوا ایک فیصلہ ہی نہیں تھا بلکہ ۱۷ھ میں اس کی نظیر بھی سامنے آئی اور ایرانی شہر جندی شاپور کی جنگ ایک غلام مکنف کی دی گئی پناہ پر مصالحت میں بدل گئی۔ (۵۰)

اسلام املاک پر غلاموں کے مالکانہ حقوق کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ غلاموں اور لونڈیوں کو شادی بیاہ کا بھی حق دیتا ہے، یہی نہیں بلکہ غلام مرد آزاد عورت سے بھی شادی کر سکتا ہے، اسی طرح

Marfat.com

آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی تذکرہ کیا گیا کہ آقا کے لئے یہ بہت بڑی نیکی ہے کہ وہ اپنی باندیوں کی تعلیم وتربیت کرے اچھا ادب سکھائے پھر انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لے۔ اسلام باندیوں کو یہ تحفظ عطا کرتا ہے کہ کوئی آقا اپنی باندیوں سے پیشہ (کسب) نہیں کرا سکتا۔ قرآن میں واضح ارشاد موجود ہے:

ولا تکرھوا فتیتکم علی البغاء ان اردن تحصناً لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا ومن یکرھھن فان اللہ من م بعد اکراھھن غفور الرحیم۔ (النور: ۳۳)

ترجمہ ("اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لئے غفور الرحیم ہے۔")

عربوں میں اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرانے کے دو طریقے تھے ایک تو یہ کہ آقا اپنی جوان لونڈیوں پر ایک بھاری رقم عائد کر دیتے کہ ہر مہینے اتنا کما کر ہمیں دیا کرو اس بھاری مطالبے کو وہ قحبہ گری کر کے ہی پورا کر سکتی تھیں۔ جیسا کہ سمیہ، حارث بن کلدہ کو ٹیکس ادا کرنے کے لئے قحبہ گری کرتی تھی (۵۱) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیتے ان کے دروازوں پر جھنڈے لگا دیتے جنہیں دیکھ کر دور ہی سے معلوم ہو جاتا کے ضرورت مند شخص یہاں سے اپنی خواہش نفس پوری کر سکتا ہے۔ یہ عورتیں "قلیقیات" کہلاتی تھیں اور ان کے گھر "مواخیر" کے نام سے مشہور تھے۔ حجاز کے بڑے بڑے رئیسوں نے اس طرح کے چکلے کھول رکھے تھے۔ مکہ میں عبداللہ ابن جدعان کا پیشہ بھی یہی تھا کہ وہ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتا اور ان کے بچے فروخت کر دیتا۔ (۵۲)

مدینہ میں عبداللہ بن ابی سلول اسی ناجائز طریقے سے اپنی لونڈیوں کو روپیہ کمانے پر آمادہ کرتا تھا لیکن اس کی دو لونڈیوں نے اس ننگ و عار کو گوارا نہ کیا اور رسول اللہؐ سے شکایت کر دی اس پر یہ قرآنی آیت (النور: ۳۳) نازل ہوئی۔ (۵۳) اور اس قحبہ گری کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

Marfat.com

اسلام حر کی طرح غلام کو بھی حریت فکر و قول کی دولت عطا کرتا ہے چنانچہ غلام اپنے آقا کو نصیحت کر سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام غلاموں کو سرداری کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

ان امر علیکم عبد مجدع (حسبتها قالت اسود) یقودکم بکتاب الله تعالیٰ فاسمعوا له و اطیعوا۔(۵۴)

"یعنی سنو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو، خواہ تمہارا سردار کسی نکٹے (چپٹے حبشی) غلام کو بنا دیا جائے۔ اس کی اطاعت کرو جب تک وہ تمہارے درمیان خدا کے احکام کا نفاذ کرے"۔

ان سب حقوق و مراعات کے علاوہ حسن معاشرت و حسن معاملات بھی غلاموں کا حق ہے جو اسلام انہیں عطا کرتا ہے۔ چنانچہ شارع اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ غلاموں پر تہمت تراشی (۵۵) نہ کی جائے اور نہ انہیں مارا پیٹا جائے (۵۶) اور نہ لعنت ملامت کی جائے۔ (۵۷) ان سے ایسے سخت کام نہ لئے جائیں جو ان کی ہمت سے باہر ہوں۔ وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کی جائے۔ وہ دعوت دیں تو اس کو قبول کیا جائے۔ کھانے پینے میں انہیں شریک کیا جائے۔ انہیں غلام یا لونڈی نہ کہا جائے بلکہ میرا بیٹا (فتای) یا میری بیٹی (فتاتی) کہہ کر پکارا جائے۔ (۵۸) اپنے غلام کو ویسا ہی کھلایا اور پہنایا جائے جیسا مالک کھاتا اور پہنتا ہے۔ رسول اللہ کا فرمان ہے:

ان اخوانکم خولکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوة تحت یده فلیطعم مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا تکلفوهم ما یغلبهم فان کلفتموهم ما یغلبهم فاعینوهم۔(۵۹)

(یعنی تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں لہٰذا تم میں سے جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے اور اس کو کوئی ایسا کام کرنے کو نہ کہے جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو اور اگر کبھی اسے ایسا کام کرنے کو کہے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔)

اس دنیا سے جاتے جاتے بھی رسول اللہ غلاموں کے لئے متفکر رہے۔ چنانچہ آپؐ

Marfat.com

کے آخری الفاظ جو بعض تاریخی کتب میں مذکور ہیں یہ ہیں۔ ''الصلوٰۃ......وما ملکت ایمانکم''(۶۰)

یہ اسی تعلیم کا اعجاز تھا کہ غلامی کی، صدر اول میں نوعیت ہی بدل گئی تھی۔ بدر کی جنگ میں ستر کفار قید ہوئے تھے۔ جنہیں فدیہ کی ادائیگی تک مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ جب مسلمان ان اسیران جنگ کو لے کر روانہ ہوئے تو رسول اللہؐ نے تاکید کی ''دیکھو ان سے اچھا برتاؤ کرنا'' ابن عمیر (جن کے ہاتھ میں جنگ بدر میں مشرکین کا جھنڈا تھا) کا بیان ہے کہ میں انصار کے ایک قافلے میں اسیری کی حالت میں روانہ ہوا اس قافلے کے لوگ کھانے کے وقت مجھے اپنی روٹیاں کھلا دیتے اور خود کھجوروں پر گزارہ کر لیتے تھے۔ (۶۱)

رسول اللہؐ اس چیز کو بھی سخت ناپسند کرتے تھے کہ غلامی کی وجہ سے خاندان تقسیم ہو جائیں۔ خصوصاً ماں اور بچے کے درمیان جدائی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک بار رسول اللہؐ ام ضمیرہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھیں آپؐ نے سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ یارسول اللہؐ میرے اور میرے بیٹے (ضمیرہ) کے درمیان جدائی ڈال دی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ماں اور بچے کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ پھر آپؐ نے اس آدمی کے پاس پیغام بھیجا جس کے پاس ضمیرہ غلام تھے اور اس کو بلا کر ایک اونٹ کے بدلے میں ضمیرہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ (۶۲)

رسول اللہؐ کا رویہ اپنے غلاموں کے ساتھ اس درجہ مثالی تھا کہ آزادی کا موقع ملنے کے باوجود وہ غلام آزاد ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال زید بن حارثہ کی ہے۔ تاریخ کا یہ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ رسول اللہؐ نے انہیں، ان کے والد کی درخواست پر بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا تھا۔ بشرطیکہ زید اپنے والد کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں۔ مگر زید نے اپنے والد کے ساتھ مرد آزاد کے طور پر جانے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ کی غلامی میں رہنے کو ترجیح دی۔ (۶۳) اس پر رسول اللہؐ نے انہیں آزادی عطا کی اور اپنا متبنیٰ بنا لیا۔

دوسری مثال ثوبان بن بجدد (۶۴) کی ہے۔ رسول اللہؐ نے انہیں آزاد کرتے ہوئے یہ اختیار دیا تھا کہ اگر وہ اپنی قوم میں واپس جانا چاہیں تو چلے جائیں اور اگر چاہیں تو رسول اللہؐ کے

Marfat.com

ساتھ رہیں۔ثوبان نے آخرالذکر بات کو ترجیح دی اور آزاد ہو جانے کے باوجود رسول اللہؐ کی خدمت کرتے رہے اور سفر اور حضر میں کبھی آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہ بات صرف رسول اللہؐ تک محدود نہ تھی بلکہ آپؐ کے صحابہ کرامؓ کا عمومی برتاؤ اپنے غلاموں کے ساتھ اس قدر مثالی تھا کہ غلام بھی اپنے آقاؤں پر جان دیتے تھے۔

افلح نامی غلام حضرت ابوایوب انصاریؓ کا غلام تھا، پہلے انہوں نے اسے مکاتب بنا کر آزاد کر دینے پر آمادگی کا اظہار کیا مگر بعد میں معاہدہ کتابت فسخ کرنا چاہا، گو کہ ابو ایوب انصاریؓ ایسا کر نہیں سکتے تھے۔افلح کے اہل وعیال نے بھی افلح کو یہ فسخ نہ ماننے کی تلقین کی لیکن افلح نے بخوشی اس معاہدہ کو فسخ کر دیا اور کہا میں انکی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا، تاہم اس کے چند دن بعد ہی ابوایوب انصاریؓ نے اسے کلیتہً آزاد کر دیا اور کہا کہ جو مال تمہارے پاس ہے وہ کل تمہارا ہے۔(۶۵)

صحابہ کرامؓ اپنے غلاموں کے ساتھ حیرت انگیز مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور یہ محض کہنے کی بات نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہیں وہی پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے اور وہی کھلاتے تھے جو خود کھاتے تھے۔ایک موقع پر حضرت علیؓ نے گاڑھے کی دو قمیصیں خریدیں اور اپنے غلام سے کہا جو تمہیں پسند ہے وہ لے لو، غلام نے جو قمیض چھوڑ دی وہ خود اپنے استعمال کے لئے رکھ لی۔(۶۶)

فی الواقع یہ ایک بہت بڑا معاشرتی انقلاب تھا، جو غلاموں کے معاملہ میں بپا کیا گیا، یہ صرف کتابی باتیں نہیں تھیں، محض اصول نہیں تھے، بلکہ عملی اقدامات بھی تھے۔عربوں کے اعتبار سے یہ ایک انقلابی تبدیلی تھی چنانچہ بعض اوقات مسلمانوں سے جاہلانہ طرز عمل کا مظاہرہ بھی ہو جاتا تھا جس پر رسول اللہؐ فوری گرفت کرتے تھے مثلاً ایک بار رسول اللہؐ نے ابومسعود انصاری کو اپنے غلام کو کوڑے مارتے دیکھا تو انہیں سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا ''خدا اس سے زیادہ تم پر قدرت رکھتا ہے جتنا تم اس غلام پر رکھتے ہو''۔(۶۸) اس پر نادم ہو کر ابومسعود نے اسی وقت اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔رسول اللہؐ غلاموں کے لئے مبشر تھے۔انہوں نے غلاموں کو بشارت دی۔

العبد اذا نصح سیدہ و احسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین (۶۸)

Marfat.com

(یعنی جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کو دوگنا اجر ملے گا۔)(٦٩)

آپؐ کی یہ بشارت بہت سے غلاموں کے لئے وجہ تسکین تھی بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث کو سن کر کہا ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور ماں کے ساتھ نیک سلوک کی عبادات نہ ہوتیں تو میں یہ پسند کرتا کہ مجھے غلامی کی حالت میں موت آئے''۔(٧٠)

الغرض دور رسالتؐ میں غلاموں کی حیثیت میں واقعتاً بڑا تغیر آیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلام محض جنس تجارت نہ رہا، بلکہ پہلی بار انسانیت کے تمام تر حقوق واحترام سے بہرہ ور ہوا۔ یہ محض اسلام کے خوش آئند اعلانات ہی نہیں تھے بلکہ اس کی عملی مثالیں ہر دور میں بکثرت مل جاتی ہیں۔ لہٰذا بعض یورپی مورخین کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ ڈاکٹر گستاولیبان کا کہنا ہے:

''مسلمانوں میں غلامی کی حالت اس سے بالکل علیحدہ ہے جو عیسائیوں میں تھی۔ مشرق میں غلاموں کی حالت، یورپ کے خانگی ملازموں سے بھی بہتر ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مالک کے خاندان کے جزو سمجھے جاتے ہیں اور کبھی کبھی اپنے مالک کی بیٹی سے شادی بھی کر سکتے ہیں اور اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ مشرق میں لفظ غلام کے ساتھ کسی قسم کا خیال حقارت شامل نہیں ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ بمقابل یورپ کے ملازمین کے، مشرق کا غلام بہت زیادہ اپنے مالک کا ہم پلہ ہے۔(٧١)

موسیو گستاولیبان عرب مسلمانوں کے جذبہ مساوات کا اعتراف کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''مسلمان غلام بغیر کسی دقت کے اپنے آقا کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے اور ایسے پرانے خانگی ملازموں کی جو اعلیٰ مراتب تک پہنچے ہیں ایک بہت ہی کثیر تعداد ممالک اسلامیہ میں پائی جاتی ہے''۔(٧٢)

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب سوم: فصل دوم)

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) صحیح بخاری، جلد۱، ص ۷۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۔ البقرہ، ۲۱۹، المائدہ۔ ۹۰

۳۔ البقرہ۔ ۲۸۰

۴۔ سورہ توبہ۔ ۶۰

۵۔ قتل اولاد کی ممانعت بنی اسرائیل۔ ۳۱ کے علاوہ الانعام۔ ۱۴۰ اور الممتحنہ۔ ۱۲ میں بھی وارد ہوئی ہے۔

۶۔ ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "فکوا العانی یعنی الاسیر و اطیعوا الجائع و عودو المریض" یعنی "قیدی کو رہائی دو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی عیادت کرو"۔ صحیح بخاری جلد۴، ص ۳۰، (کتاب الجہاد والسیر)

۷۔ حضرت جویریہؓ کا اصلی نام برہ تھا۔ رسول اللہؐ نے جویریہ رکھا۔ غزوۂ بنی مصطلق کی اسیران جنگ میں تھیں۔ رسول اللہؐ نے آزاد کر کے نکاح کیا۔ ان کے پہلے شوہر مسافع بن صفوان المصطلقی تھے۔ حضرت جویریہؓ نے ستر برس کی عمر میں ۵۶ھ میں وفات پائی۔ والی مدینہ مردان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

۸۔ ابن ہشام، جلد۳، ص ۲۹۵، الطبقات الکبریٰ، جلد۲، ص ۶۴۔ تاریخ طبری جلد۳، ص ۱۶۵ نیز جلد۲، ص ۶۱۰۔ سیر اعلام النبلاء جلد۲، ص ۱۸۸، (مادہ جویریہ)۔ صفۃ الصفوۃ جلد۲، ص ۲۶۔ الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۸۰۵

۹۔ طبقات الکبریٰ، جلد۲، ص ۱۳۷، ابو عبید القاسم بن سلام (م۔ ۲۲۴ھ) کتاب الاموال، ص ۱۱۰۔ ۱۰۹، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء

Marfat.com

۱۰۔ بخاری، جلد۳، ص۱۲۲ (، کتاب الرھن) طبقات الکبریٰ، جلد۱، ص۱۱۵، نیز جلد۲، ص۱۵۲۔ تاریخ طبری، جلد۳، ص۸۸۔۸۷، کتاب الاموال، ص۱۱۹

۱۱۔ صحیح مسلم، جلد۳، ص۶۔۱۳۷۵، (کتاب الجہاد)۔ سنن ابی داؤد، جلد۲، ص۳۶۴، کتاب الاموال، ص۱۲۱

۱۲۔ ابن ہشام، جلد۲، ص۳۰۵

۱۳۔ صحیح بخاری، جلد۳، ص۱۱۷ (، کتاب الرھن) صحیح مسلم، جلد۲، ص۱۱۴۷ (کتاب العتق) نیز امام ابوعبدالرحمٰن شعیب النسائی، السنن الکبریٰ، جلد۳، ص۱۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء (غلاموں کو بند غلامی سے آزاد کرانے کو ایک افضل فعل قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں صحاح ستہ میں بہت سی احادیث ملتی ہیں، یہاں سب کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ تفصیل کے لئے صحاح ستہ میں کتاب العتق دیکھی جا سکتی ہے)

۱۴۔ صحیح مسلم، جلد۲، ص۱۱۴۸ (، کتاب العتق) نیز صحیح بخاری، جلد۳، ص۱۱۷

۱۵۔ صحیح بخاری، جلد۳، ص۱۱۷

۱۶۔ المائدہ۔۸۹

۱۷۔ المجادلہ۔۳، سنن ابوداؤد، جلد۲، ص۱۸۴، ۱۸۵

۱۸۔ النساء۔۹۲

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ صحیح مسلم، جلد۳، ص۱۲۷۸ (کتاب الایمان)

۲۱۔ النور۔۳۳

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ، جلد۵، ص۸۵ (یہی واقعہ موطاء میں مردان بن حکم کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ فرافضہ بن عمیر کا ایک مکاتب تھا جو مدت پوری ہونے سے پہلے سارا بدل کتابت لے آیا۔ فرافضہ نے وہ لینے سے انکار کر دیا۔ مکاتب مردان کے پاس گیا جو حاکم مدینہ تھا، مردان نے فرافضہ کو مجبور کیا کہ وہ بدل کتابت وقت سے پہلے لے لے۔ فرافضہ نے

Marfat.com

انکار کیا۔ مردان نے حکم دیا کہ مکاتب سے وہ مال لے کر بیت المال میں رکھ دیا جائے اور مکاتب سے کہا کہ جا تو آزاد ہو گیا ہے۔ جب فرافضہ نے یہ حال دیکھا تو مال لے لیا۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) موطاء امام مالک ص ۴۵۶، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۴۰۲ھ)

۲۳۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ (م ۱۹۷۹ء) تفہیم القرآن، جلد ۳، ص ۴۰۰، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۴ء (طبع چہاردہم)

۲۴۔ سورۃ توبہ۔ ۶۰ (ابن عباس سے منقول ہے کہ آپؐ نے زکوۃ کے مال سے غلام آزاد کئے۔ صحیح بخاری جلد ۲، ص ۱۲۸ (کتاب الزکوۃ)؛ کتاب الاموال، ص ۵۳۸)

۲۵۔ حضرت سلمان فارسی کا زر کتابت اسی طرح کی اجتماعی کوششوں سے ادا کیا گیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی کی کنیت ابوعبداللہ تھی، یہ اصفہان کے ایک گاؤں کے باشندے تھے، کسی طرح بنوکلب کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ بعد ازاں کسی یہودی نے آپ کو خرید لیا۔ جب سلمان فارسی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہؐ نے انہیں ہدایت کی کہ اپنے آقا سے مکاتبت کر لیں۔ یہودی آقا نے تین سو پھل دینے والی کھجور کی قلموں اور چالیس اوقیہ (ڈیڑھ سیر سے زائد) سونے پر مکاتبت کر لی۔ قلمیں تو رسول اللہؐ کے اصحابؓ نے دو دو چار چار کر کے جمع کر دیں اور سونا رسول اللہؐ نے فئے یا صدقے میں سے ادا کر دیا اور حضرت سلمان فارسی آزاد ہو گئے۔ (طبقات الکبریٰ جلد ۱، ص ۱۸۵، وجلد ۴، ص ۸۰)

۲۶۔ اصطلاح شرعیہ میں ''ام ولد'' اس جاریہ کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے آقا کی اولاد ہو جائے۔ واضح رہے کہ ''ام ولد'' کی اصطلاح قرآن میں موجود نہیں۔

۲۷۔ الکامل فی التاریخ، جلد ۳، ص ۵۹

۲۸۔ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں جب رسول اللہؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس، قبطی وائی اسکندریہ کے پاس دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا تو وہ اسلام تو نہ لایا مگر خیر سگالی کے جذبات کے اظہار کے طور پر دو حسین وجمیل قبطی بہنوں ماریہ اور سیرین، ایک خصی غلام اور سفید گدھا بنام دلدل تحفتہً رسول اللہؐ کو بھیجا، ان دونوں بہنوں کو رسول اللہؐ نے ام سلیم بنت

Marfat.com

ملحان کے یہاں ٹھہرایااوران پراسلام پیش کیا۔دونوں اسلام لے آئیں۔رسول اللہؐ نے سیرین کوحسان بن ثابت کوبخش دیا جن سے عبدالرحمٰن ابن حسان پیدا ہوئے اور ماریہ کو اپنے پاس ملک یمین کے طور پر رکھا۔ماریہ سے رسول اللہؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے جو کم سنی میں ہی فوت ہوگئے۔ان کا گھر تمام ازواج مطہرات سے الگ مدینہ کے مضافات میں تھا اور رسول اللہؐ اُن کے پاس وہیں جایا کرتے تھے۔ماریہ کا انتقال حضرت عمرؓ کی خلافت میں محرم ۱۶ھ میں ہوا۔حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا(۔طبقات الکبریٰ، جلد۱،ص۱۳۴۔الاستیعاب، جلد۴،ص۱۹۱۳)

۲۹۔ طبقات الکبریٰ، جلد۱،ص۱۳۶،الاستیعاب،جلد۴،ص۱۹۱۳۔

۳۰۔ صحیح بخاری، جلد۳،ص۱۲۲۔طبقات الکبریٰ، جلد۱،ص۱۱۵۔نیز جلد۲،ص۱۵۲۔تاریخ طبری، جلد۳،ص۸۷

۳۱۔ طبقات الکبریٰ، جلد۲،ص۶۴،تاریخ طبری، جلد۳،ص۱۶۵،نیز جلد۲،ص۶۱۰،سیر اعلام النبلاء، جلد۲،ص۱۸۸،صفۃ الصفوۃ، جلد۲،ص۲۶،الاستیعاب، جلد۴،ص۱۸۰۵

۳۲۔ اس کی مثال حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کی ہے جو جنگ خیبر میں رسول اللہؐ کے حصے میں آئی تھیں۔بعض مورخین نے اس واقعہ کواس انداز میں لکھا ہے گویا رسول اللہؐ نے ان سے فوراً ہی تعلقات زن وشوئی قائم کر لئے تھے۔حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد آپؐ نے فدک کے معاملات طے کئے اس کے بعد وادی القریٰ کا محاصرہ کیا گیا۔اسی دوران حضرت صفیہ ایک حیض سے پاک ہولیں تو آپؐ نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔(صحیح بخاری جلد۵،ص۷۷۔سیر اعلام النبلاء،جلد۲،ص۱۶۵البدایہ والنہایہ، جلد۴،ص۲۱۲ نیز ص۱۹۷) نیز پروفیسر حمید اللہ نے بھی دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ ''خیبر'' میں یہی تصریح کی ہے کہ عدت پوری ہونے تک صفیہ، ام سلمہ کے پاس رہیں۔صفیہ مسلمان ہوگئیں اور رسول اللہؐ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا(دائرہ: جلد۹،ص۷۱۔مادہ خیبر)

Marfat.com

۳۳۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ، جلد۲، ص ۵۶۶۔ مادہ استبراء

۳۴۔ صحیح بخاری جلد۲، ص ۱۲۳، صحیح مسلم، جلد۲، ص ۱۰۴۵ (کتاب النکاح) (معمولی لفظی تغیر کے ساتھ یہی حدیث سنن ابی داؤد میں بیان ہوئی ہے۔ سنن ابی داؤد، جلد۲، ص ۱۲۴)

۳۵۔ صحیح مسلم، جلد۲، ص ۱۱۴۱ (کتاب العتق) صحیح بخاری جلد۲، ص ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۱۸

۳۶۔ سنن ابوداؤد، جلد۲، ص ۳۶۵

۳۷۔ ابن ہشام جلد۴، ص ۴۸۵ (زیاد ابن ابیہ کے ماں جائے بھائی ابوبکرہ ثقفی اسی طرح آزاد ہوئے تھے اور وہ خود کو مولیٰ رسول اللہؐ کہتے تھے۔ الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۶۱۴)

۳۸۔ (اس موقع پر اسلام کے مشہور قانون ''شہادت مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ہے'' کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلامی قطعاً ایک عارضی چیز ہے۔ اس لئے مدعی کو تو شہادت پیش کرنے کی تکلیف دی گئی مگر مدعا علیہ کی قسم پر اکتفا کیا گیا۔)

۳۹۔ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی (م ۷۷۴ھ) البدایہ والنہایہ، جلد۵، ص ۲۸۲، مطبعہ السعادۃ، مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

۴۰۔ تاریخ طبری، جلد۲، ص ۵۹۲

۴۱۔ البدایہ والنہایہ، جلد۵، ص ۶۔ ۳۰۵، الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۸۴۷

۴۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد۷، ص ۱۶۱

۴۳۔ صحیح بخاری جلد۲، ص ۱۲۱

۴۴۔ بلوغ الارب، جلد۲، ص ۱۷۲

۴۵۔ الاستیعاب، جلد۲، ص ۸۴۸

۴۶۔ ان میں بلال بن ابی رباح، عامر بن فہیرہ، زنیرہ، ام عبیس، بنی عمرو بن موبل کی ایک باندی، النہدیہ اور اس کی بیٹی شامل تھیں (۔ کتاب المعارف ص ۷۷۔ ابن ہشام، جلد۱، ص ۳۴۱۔ ۳۴۰۔ الاستیعاب، جلد۳، ص ۹۶۶)

۴۷۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد۷، ص ۱۸۱

Marfat.com

۴۸۔ سورۃ النساء:۳۶ (ترجمہ: ''ماں باپ، قرابتداروں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، رفقائے مجلس، مسافروں، غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ''۔)

۴۹۔ ابن ہشام، جلد۲، ص۱۴۸ (و ان ذمة الله واحده یجیر علیهم ادناهم) حدیث میں بھی رسول اللہؐ سے ایسے ہی ارشادات مروی ہیں۔

۵۰۔ طبری، جلد۴، ص۹۳۔ الکامل فی التاریخ، جلد۲، ص۵۵۳

۵۱۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، مروج الذھب ومعادن الجواہر، جلد۲، ص۴۴

۵۲۔ المعارف ص۲۵۰

۵۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد۲، ص۴۔۲۲۳، صحیح مسلم، کتاب التفسیر جلد۴، ص۲۳۲۰، ابن عبدالبر، الاستیعاب، جلد۴، ص۱۹۱۳، (لونڈیوں کی تعداد اور ناموں میں قدرے اختلاف ہے۔ سنن ابی داؤد میں لونڈی کا نام مسیکہ لکھا ہے۔ الاستیعاب میں معاذہ بنت عبداللہ بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ ''مسلم'' میں دو لونڈیوں کا ذکر کر کے ان کے نام مسیکہ اور امیمہ بتایا گیا ہے۔)

۵۴۔ صحیح مسلم، جلد۲، ص۹۴۴ (کتاب الحج)

۵۵۔ صحیح بخاری، جلد۸، ص۳۴ (کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ)

۵۶۔ صحیح مسلم، جلد۳، ص۱۲۷۸ (کتاب الایمان)، (غلاموں کو مارنے کا کفارہ یہ تھا کہ غلام کو اسی وقت آزاد کر دیا جائے۔)

۵۷۔ رسول اللہؐ نے کبھی اپنے کسی خادم کو نہ مارا نہ برا بھلا کہا۔ مہاجر مولیٰ ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے کئی سال رسول اللہ کی خدمت کی اور آپؐ نے مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہیں کہا کہ تو نے یہ کیوں کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ کہا کہ تو نے اسے کیوں نہیں کیا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد۵، ص۳۳۹)

۵۸۔ عرب جاہلیہ کے یہاں دستور تھا کہ وہ اپنے غلام کو ''عبدی'' (میرا بندہ) اور باندی کو

Marfat.com

''امتی'' (میری باندی) کہہ کر پکارتے تھے۔رسول اللہؐ نے اس دستور کو بدل ڈالا۔صحیح بخاری، جلد۳،ص۱۲۴

۵۹۔ صحیح بخاری، جلد۳،ص۱۲۳

اسی قسم کی بات خطبہ حجتہ الوداع میں بھی فرمائی۔ ''تمہارے غلام،تمہارے غلام،ان کا خیال رکھو جو تم کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو تم پہنو وہی انہیں پہناؤ اور اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف کرنا نہ چاہو تو اے اللہ کے بندو!انہیں فروخت کر دو انہیں سزا نہ دو''۔ (طبقات الکبریٰ، جلد۲،ص۱۸۵)

۶۰۔ طبقات الکبری، جلد۲،ص۲۵۳

۶۱۔ ابن ہشام، جلد۲،ص۳۰۰

۶۲۔ اس سلسلہ میں رسول اللہؐ نے انہیں باقاعدہ تحریر لکھ کر دی جسے ابی بن کعب نے تحریر کیا۔البدایہ والنہایہ، جلد۵،ص۲۹۸ پر یہ تحریر موجود ہے۔

۶۳۔ ابن ہشام، جلد۱،ص ۲۶۵ ،طبقات الکبرٰی، جلد۳،ص۴۲۔الاستیعاب، جلد۲،ص۵۴۵، (زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کو بچپن ہی میں بنو قین کے غارتگروں نے چرا کر بطور غلام کے بیچ دیا تھا جنہیں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے خریدا اور مکے لاکر حضرت خدیجہؓ کو دے دیا۔حضرت خدیجہؓ نے زید کو بعثت سے قبل رسول اللہؐ کو ہدیہ کر دیا۔زید رسول اللہؐ سے صرف دس برس چھوٹے تھے۔سابقون الاولون میں شمار ہوتے تھے کہ موالی میں سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا۔مکہ میں ان کا رشتہ مواخاۃ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ استوار کیا گیا۔مدینہ میں ان کی مواخاۃ اسید بن حضیر، جو اشراف مدینہ میں سے تھے، سے ہوئی۔ہجرت کے بعد بیشتر سرایا ان کی سپہ سالاری میں سر ہوئے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زید شریک ہوئے، امارت کا عہدہ انہی کو ملتا،اس طرح وہ نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔۸ھ میں غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہوئے۔اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی۔حضرت عائشہؓ کا یہ قول ملتا

Marfat.com

ہے کہ رسول اللہؐ نے جس سریہ میں بھی زید بن حارثہ کو بھیجا لوگوں کا امیر بنا کر بھیجا اور اگر زید زندہ رہتے تو رسول اللہؐ انہیں کو اپنا جانشین بناتے۔ (طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۴۶۔ ۴۰، البدایہ والنہایہ، جلد ۵، ص ۳۱۵، الاستیعاب، جلد ۱، ص ۹۳)

۶۴۔ ثوبان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ (انہیں ابو عبدالکریم اور ابو عبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے) یہ السراۃ کے باشندے تھے جو کہ مکہ اور یمن کے مابین ایک مقام ہے بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ عہد جاہلیت میں انہیں قیدی بنالیا گیا تھا۔ رسول اللہؐ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ فتح مصر میں شریک رہے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں ۵۴ھ میں حمص میں وفات پائی۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حمص میں ان کا قائم کردہ ''دارالصدقہ'' (محتاج خانہ) تھا۔ (کتاب المعارف ص ۶۴۔ الاستیعاب، جلد ۱، ص ۲۱۸)

۶۵۔ ندوی، عبدالسلام، اسوہ صحابہ، جلد ۱، ص ۲۵۸، مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء

۶۶۔ ایضاً، ص ۲۵۶

۶۷۔ صحیح مسلم، جلد ۳، ص ۱۲۸۱ (، کتاب الایمان)

۶۸۔ صحیح بخاری، جلد ۳، ص ۱۲۴، (کتاب فی الرھن فی الحضر)۔ صحیح مسلم، جلد ۳، ص ۱۲۸۴، (کتاب الایمان)

۶۹۔ صحیح بخاری، جلد ۳، ص ۱۲۴

۷۰۔ گستاولیبان، تمدن عرب، ص ۵۱۷ (اسی قسم کے خیالات کا اظہار ص ۴۸۸ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔)

۷۱۔ ایضاً ص ۵۳۲

Marfat.com

باب سوم: فصل سوم

اسلامی معاشرے میں موالی کی سماجی حیثیت
(عہد رسالت)

عہد رسالت میں اسلامی تعلیمات کی وجہ سے پورے معاشرے کی قلب ماہیت ہوگئی تھی۔ غلامی کی بیخ کنی کرنے کی پوری کوشش کی گئی اور اس کے باوجود غلام رہ جانے والوں کا سماجی رتبہ اتنا بڑھایا اور انہیں ایسے حقوق عطا کئے کہ فی الواقع غلامی کی شکل بدل گئی۔

جو معاشرہ غلاموں کو ایک مناسب سماجی مقام دینے پر آمادہ ہو ظاہر ہے اس کا رویہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے نسبتاً اور زیادہ بہتر ہوگا۔ عہد رسالت پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس دور میں (اور بعد میں بھی) اسلام کی ان تعلیمات پر، جو انسانی مساوات پر مبنی ہیں، اس شدت سے زور دیا گیا کہ حر اور موالی کے جاہلی طبقات عملاً ختم ہو گئے اور فی الواقع موالی کا رتبہ حر کے برابر ہو گیا اور انہیں وہ تمام آئینی اور سماجی تحفظات حاصل ہو گئے جو جاہلی معاشرہ صرف حروں کو عطا کرتا تھا۔

رسول اللہ کا طریقہ اس سلسلے میں انتہائی اہم اور اثر انگیز ہے انہوں نے اپنے غلاموں اور موالی سے وہ سلوک روا رکھا جس نے ایک طرف معاشرہ کے اس کمتر طبقے کو عزت عطا کی دوسری طرف عربوں کے عصبی مزاج کی تربیت ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہ نے حجتہ الوداع کے موقع پر میدان عرفات سے واپسی میں اسامہ بن زید کے انتظار میں تاخیر کر دی۔ جب اسامہ آئے جو کہ ایک چپٹی ناک والے سیاہ فام لڑکے تھے تو اہل یمن بگڑ گئے کہ ہم لوگ محض اس کی وجہ سے رو کے گئے۔ (۱) بہر حال عرفات سے واپسی کے سفر میں انہی اسامہ کو رسول اللہ نے شرف ہم نشینی بخشا۔ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اسامہ بن زید آپ کے ہم نشین تھے اور جب

Marfat.com

آپ کعبہ میں داخل ہوئے تو بھی آپ کے ساتھ بلال مولیٰ ابوبکر اور اسامہ بن زید مولیٰ رسول اللہ تھے۔ (۲)

رسول اللہ نے غلام اور موالی کو، مولا کے خاندان کا فرد بنا دیا تھا کیسان مولیٰ رسول اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے صدقے کی ایک چیز کے بارے میں کہا کہ ''ہم کو صدقہ کھانے سے منع کیا گیا ہے اور ہمارا غلام بھی ہم میں سے ہی ہوتا ہے لہٰذا تم بھی صدقہ نہ کھانا''۔ (۳)

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ رسول اللہ نے ارقم بن ابی الارقم کو زکوۃ کا محصّل بنا کر بھیجا تو انہوں نے ابو رافع (۴) مولیٰ رسول اللہ کو بھی اس کام میں شریک کرنا چاہا اور کہا کہ میں زکوۃ کی رقم میں سے بحثیت عامل کے تمہیں دوں گا۔ ابو رافع نے رسول اللہؐ سے مشورہ کیا، رسول اللہؐ نے جواباً کہا ''اے ابو رافع! قوم کا مولیٰ انہی میں سے ہوتا ہے اور ہمارے لئے زکوۃ حلال نہیں''۔ (۵)

انہی ابو رافع کا بیان ہے کہ جنگ خیبر کے موقع پر سخت سردی تھی رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس کمبل ہے وہ اس شخص کو اڑھا دے جس کے پاس کمبل نہیں ہے۔ خود ابو رافع کو کمبل اڑھانے والا کوئی نہیں ملا وہ رسول اللہؐ کے پاس گئے رسول اللہؐ نے اپنا کمبل ان پر ڈال دیا اور دونوں سو گئے۔ (۶)

سلمان فارسی مولیٰ رسول اللہؐ کے لئے بھی رسول اللہؐ کا یہ فرمان ملتا ہے کہ ''سلمان ہم میں سے ہیں''۔ (۷) دراصل ایک ایسے قبائلی معاشرے میں جس کی بنیاد نسلی عصبیت پر ہو، انسانی مساوات کی تعلیم دینا اور اس پر عمل بھی کرنا ایک انتہائی دشوار طلب کام تھا۔ مکی زندگی میں یہی بات اشاعت اسلام کے راستے میں بڑی رکاوٹ بن گئی تھی کیونکہ دیگر انبیاءؑ کی طرح حضرت محمدؐ کے اولین پیروکار بھی کمزور اور ضعیف لوگ تھے جب ہرقل ملک روم نے ابو سفیان سے پوچھا تھا کہ کیا قوم کے بڑے لوگ محمد کی پیروی کرتے ہیں یا غریب لوگ تو ابو سفیان نے جواب دیا تھا کہ محمد کے پیروکار زیادہ تر ضعفاء اور غرباء ہیں تو ہرقل نے گویا تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ رسولوں کی پیروی ابتداً ایسے ہی لوگوں نے کی ہے۔

Marfat.com

لیکن یہ چیز اشراف مکہ کے لئے ناقابل برداشت تھی چنانچہ بنی عبد مناف کے چند کافر شرفاء نے ابو طالب سے کہا کہ کاش محمدؐ ہمارے غلاموں اور حلیفوں (موالی) کو اپنے پاس سے ہٹا دیتے (کیونکہ وہ ہمارے غلام اور خادم ہیں اور یہ بات ہمیں بہت شاق گزرتی ہے) ایسی صورت میں ہم محمدؐ کی اطاعت کریں گے اور ان کی تصدیق اور پیروی کریں گے ابو طالب نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہؐ سے کیا تو حضرت عمرؓ کہنے لگے اچھا ایسا بھی کر دیکھئے معلوم ہو جائے گا کہ ان لوگوں کا ارادہ کیا ہے۔(۸) ابھی یہ معاملہ چل رہا تھا کہ سورۃ الانعام نازل ہوئی جس کی ۵۲ ویں اور ۵۳ ویں آیات میں واضح طور پر کیا گیا:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ ط ما علیک من حسابھم من شیء وما من حسابک علیھم من شیء فتطردھم فتکون من الظالمین ہ وکذلک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھؤلاء من اللہ علیھم من بیننا ط الیس اللہ باعلم بالشکرین (الانعام:۵۲۔۵۳)

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے۔ان کی ذمہ داری کا کوئی حصہ آپ پر نہیں اور نہ آپ کی ذمہ داری کا کوئی حصہ ان پر ہے کہ آپ ان کو اپنے سے دور کر کے ظالموں میں سے ہو جائیں اور اسی طرح ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے سے آزمایا ہے کہ وہ کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہمارے درمیان سے اپنے فضل کیلئے چنا۔کیا اللہ شکر گزاروں سے اچھی طرح واقف نہیں۔(۹)

اس طرح نص صریح سے ایک اصول گویا ہمیشہ کے لئے متعین کر دیا گیا کہ اگر تمہارے پیروکار کمزور لوگ ہیں، جن کی بظاہر کوئی سماجی اور سیاسی حیثیت نہیں لیکن وہ خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے شکر گزار متقی بندے ہیں تو ان کو ان شرفاء سے زیادہ اہمیت دو جو اپنے غرور مال وجاہ میں مست ہیں اور تمہارے رب کو بھلائے ہوئے ہیں۔رسول اللہؐ کو یہ ہدایت اس لئے نہیں دی گئی کہ آپ سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ اپنے ان کمزور اور ضعیف ساتھیوں کو نظر انداز کر دیں گے یا ان کو اپنے پاس سے ہٹا دیں گے اور ان کی جگہ سرداران قریش کو عطا کر دیں گے، بلکہ حقیقت

Marfat.com

یہ ہے کہ عموماً انبیاء کرامؑ اپنی قوم کے ایمان کے سخت متمنی، بلکہ حریص ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس باب میں ایک تمثیل بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب تم میں سے کسی کی کوئی بھیڑ کھو جاتی ہے تو وہ اس کی تلاش میں ندیوں نالوں اور جنگلوں میں پریشان پھرتا ہے اور اپنے اصلی گلہ کو بھول جاتا ہے۔ پھر جب وہ بھیڑ مل جاتی ہے تو اس کو اپنے کندھے پر اٹھا کر لاتا ہے اور اپنے لوگوں میں آ کر کہتا ہے اے لوگو! میرے ساتھ خوشی مناؤ، اس لئے کہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مجھے مل گئی۔ یہ تمثیل انبیاء کرامؑ کی اس بیقراری کو ظاہر کرتی ہے جو ان کے اندر اپنی قوم کے گمراہوں کے ایمان اور اصلاح کے لئے ہوتی ہے۔ یہ پسندیدہ صفت تو ہے لیکن اس کی بھی کچھ حدود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ یہ بہرحال پسند نہیں کرتا کہ پیغمبر اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں اتنا سرگرداں ہو جائے کہ اپنے اصلی گلہ کی دیکھ بھال سے غافل ہو جائے۔

یہی صورت حال عبداللہ بن مکتوم اور ولید بن مغیرہ کے سلسلے میں پیش آئی تھی۔ ولید بن مغیرہ، رئیس بنو مخزوم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ سے گفتگو کر رہے تھے کہ بنی عامر بن لوئی کے ایک نابینا مسلمان عبداللہ ابن ام مکتوم آئے اور رسول اللہ ﷺ سے بعض آیات قرآنی کی بابت استفسار کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ان کا دخل دینا شاق گزرا اور ان کو سوال کرنے سے منع کر دیا۔ جس پر وہ آشفتہ خاطر ہو کر چلے گئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو ولید کے اسلام قبول کرنے کا بہت خیال تھا چنانچہ سورہ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (۱۰)

بہرحال رسول اللہ اور ان کے رفقاء کو شروع سے ہی اسلام کے اس اصول سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اللہ کے نزدیک حسب نسب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بنیادی چیز تقویٰ ہے۔ پھر جب مدینہ میں پہلا اسلامی معاشرہ قائم ہوا تو اس پر سختی سے عمل کیا گیا تاہم اس کے باوجود بعض مستشرقین کا یہ کہنا کہ محمدؐ قبائلی عصبیت کے خلاف اور مساوات انسانی کے علمبردار تھے مگر حال یہ تھا کہ ان کا قبیلہ قریش، معاشرے کا سب سے اشرف قبیلہ سمجھا جاتا تھا اس قبیلے کی کوئی عورت نہ لونڈی بنائی جا سکتی تھی اور نہ ہی اس قبیلے کا کوئی مرد غلام بنایا جا سکتا تھا یہ بات LEVY نے

Marfat.com

''کتاب الاغانی'' کے حوالے سے کہی ہے۔(۱۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد جاہلیت میں قریش کو پورے عرب میں سب سے افضل ہونے کا دعویٰ تھا۔ دیگر قبائل کے مقابلے میں قریش کو یہ برتری دو حیثیتوں سے حاصل ہوئی تھی، ایک معاشی، دوسرے مذہبی حیثیت سے۔ ان کی مذہبی سیادت تو اس وجہ سے قائم تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ ہر سال انہیں حاجیوں کے قیام و طعام اور پانی وغیرہ پلانے کی خدمت انجام دینی ہوتی تھی۔ سقایہ اور رفادہ (یعنی حاجیوں کے لئے پانی اور خوراک کا بندوبست کرنا) قریش کا دستور تھا جسے قصی بن کلاب نے نہایت عمدہ اور مضبوط روایات پر قائم کر دیا تھا۔ حج کے دنوں میں ہر قریش گھرانہ مقدور بھر حاجیوں کی خدمت کرتا تھا اور اس خدمت کا چونکہ وہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے اس لئے قریش کو عرب میں یک گونہ مذہبی اور روحانی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔

قریش کی برتری کی دوسری وجہ ان کا معاشی تفوق تھا۔ عرب ایک صحرائے اعظم تھا جس کی داخلی اور خارجی تجارت کو قریش ہی نے منظم اور محفوظ بنایا تھا۔ رسول اللہؐ کے پردادا عمرو بن عبد مناف (ہاشم) نے قیصر روم، کسریٰ ایران، نجاشی حبش اور اقیال یمن سے ''ایلاف'' یعنی منشور تجارت حاصل کر لئے تھے (۱۲) جس کے نتیجے میں قریش ان ممالک میں بلا کھٹکے اپنے کاروان تجارت لا اور لے جا سکتے تھے چنانچہ عربوں کے تجارتی تعلقات ایک طرف فلسطین، شام اور عراق نیز عمان (جہاں سے مختصر بحری راستے سے بلوچستان، سندھ اور ہندوستان کے ساتھ اتصال ہو جاتا تھا) سے تھے تو دوسری طرف مصر، حبشہ اور یمن سے تھے جہاں ان کے ششماہی کاروان تجارت آتے جاتے تھے جن کی طرف قرآن میں سورہ قریش میں اشارہ کیا گیا ہے۔

قریش نے ایک نظام حلیفی و خفارہ (بدرقہ) بنا لیا تھا یعنی عرب کے کسی شخص کو بھی تجارتی سامان لے کر حجاز و نجد کے وسیع رقبے میں پھیلے ہوئے مضری قبائل کی سرزمین سے گزرنا پڑتا تو قریشی بدرقے حاصل کرتا۔ قریش کی طے اور کلب قبائل سے حلیفی تھی جو شمالی عرب میں خیبر اور دومتہ الجندل کے اہم رقبے پر چھائے ہوئے تھے اور یہیں سے عراق، شام اور مصر کو راستے نکلتے تھے۔ اس حلیفی کی وجہ سے عربوں کی تجارت ان علاقوں میں محفوظ ہوگئی تھی (۱۳) نیز بنی عمرو بن

Marfat.com

مرشد سے دوستی کی بناء پر قبائل ربیعہ کی سرزمین بھی قریش کے لئے محفوظ تھی جس سے بحرین و عمان یعنی پورے مشرقی عرب کی منڈیوں تک رسائی حاصل ہوگئی تھی۔حتیٰ کہ اگر کسی کو بحرین کے سوق مشقر جانا ہوتو قریشی خفارہ ہی حاصل کیا جاتا۔جنوبی عرب میں مہرہ اور حضرموت کے علاقے ہیں،سوق مہرہ جانا ہوتا تو بنی مخارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا۔حضرموت کے سوق رابیہ جانے کے لئے قریش،قبیلہ کندہ کے آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے اور دیگر لوگ آل مسروق بن وائل حضرمی کا۔لیکن قریشی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگئی (۱۴) غرض عرب کا شمالی،جنوبی،مشرقی،مغربی اور وسطی حصہ قریشی ایلاف کی زنجیروں سے جکڑ گیا تھا۔ان کے میلے اوران کے کاروان تجارت جتنے مفید ثابت ہوئے ان کو قرآن نے **اطعمهم من جوع و امنهم من خوف** (فاقے کی جگہ کھانا اور خوف کی جگہ امن) کے دو معجزنما لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔(۱۵)

ان تمام باتوں نے قریش کو دیگر عرب قبائل پر یک گونہ برتری دلا دی تھی مگر اس بنیاد پر دوسرے قبائل کو کمتر سمجھنا نہ رسول اللہؐ کی حکمت عملی تھی نہ ان کے جانشینوں کی۔

لیوی (LEVY) کا یہ بیان کہ قبیلہ قریش کی کوئی عورت نہ تو لونڈی بنائی جا سکتی تھی نہ کوئی مرد غلام بنایا جا سکتا تھا،تاریخی طور پر غلط ہے۔سب سے زیادہ سامنے کی مثال تو یہ ہے کہ جنگ بدر کے ستر قیدی سب کے سب قریش تھے۔اگر اسلام نے فدیہ لے کر یا احساناً جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کا راستہ نہ بتایا ہوتا تو یہ سب کے سب فرزندان قریش مسلمانوں کے غلام بن جاتے۔ (۱۶)

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے یوں تو عام معافی کا اعلان کیا لیکن بعض لوگوں کو گرفتار کرکے قتل کرنے کا بھی حکم دیا وہ سب کے سب یا تو قریش تھے یا انہی کے حلفاء۔

ان نظائر کو دیکھتے ہوئے اب اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ وہ سب قیدی قریش تھے اس لئے رسول اللہؐ نے انہیں احساناً چھوڑ دیا۔یہ بھی تاریخی طور پر ایک غلط الزام ہوگا کیونکہ غزوہ بنی مصطلق کا واقعہ بھی تواتر سے تاریخی کتب میں آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ شعبان ۶ ھ میں ہونے والی

Marfat.com

اس جنگ میں سو خاندان گرفتار ہوئے تھے(۔حضرت جویریہ سے عقد کے بعد) بنی مصطلق کے تمام قیدی احساناً رہا کر دیئے گئے بنو مصطلق قریش نہیں بلکہ بنوخزاعہ کی ایک شاخ تھی اور خزاعہ جنوبی عرب کے بڑے قبیلے ازد میں محسوب ہوتے تھے۔

اسی طرح فتح مکہ کے بعد جب غزوہ حنین پیش آیا تو بنو ہوازن کے چھ ہزار کے لگ بھگ مرد، عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے جنہیں بعد میں احساناً رہا کر دیا گیا۔ بنو ہوازن قریش نہیں تھے بلکہ یہ شمالی عرب کا ایک بڑا قبیلہ تھا جس کی اہم شاخوں میں بنوثقیف، بنوجشم، بنوسعد بن بکر اور بنو ہلال وغیرہ تھے۔

اصل میں لیوی نے اپنی بات کے لئے ''کتاب الاغانی'' (۱۷) کا حوالہ دیا ہے جو فی الواقع تاریخ سے زیادہ نغموں اور گیتوں کی کتاب ہے۔ اس مقالے کی حد تک کتاب الاغانی کے سلسلے میں ہمارا رویہ یہ رہا ہے کہ متنازعہ معاملات و واقعات میں کتاب الاغانی کی صرف ان روایتوں اور واقعات کو قبول کیا جائے جس کی تصدیق کسی مستند تاریخی ماخذ سے ہوتی ہو۔ کیونکہ شاعری اور تاریخ میں بنیادی فرق ہے۔

لیوی اسی ضمن میں مزید کہتا ہے کہ ''محمدؐ کے بعد تقریباً ڈیڑھ صدی تک کوئی مولیٰ اس بات کی جرات نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی صریح عرب لڑکی کے لئے اس کے والدین سے رشتہ مانگے۔ (۱۸) وہ مزید کہتا ہے کہ عربوں کی غیر عرب عورتوں سے شادی بھی اسلام کے ابتدائی زمانے میں اتنی ہی ناپسندیدہ تھی جتنی عہد جاہلیت میں تھی''۔ (۱۹)

حسن ابراہیم حسن اپنی کتاب ''النظم الاسلامیہ'' میں اسلام کے ابتدائی دور کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ''عرب اپنی لڑکیوں کی شادی کسی مولیٰ کے ساتھ کرنا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے''۔ (۲۰)

لیوی اور حسن ابراہیم حسن نے یہ بات کس حوالے سے کی اس کا تذکرہ نہیں ملتا جبکہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی ماخذ کچھ مختلف معلومات فراہم کرتے ہیں مثلاً

(i) رسول اللہؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح (۴ ھ میں) اپنے مولیٰ زید بن حارثہ سے کیا تھا۔ (۲۲) گویا رسول اللہؐ نے اپنے خاندان میں یہ نظیر قائم کر دی کہ

Marfat.com

اسلام ایک آزاد کردہ غلام کو اٹھا کر شرفائے قریش کے برابر لے آیا ہے۔

(ii) ابو حذیفہ کے مولیٰ سالم کا نکاح سردار قریش ولید بن عتبہ کی بیٹی، عتبہ بن ربیعہ کی پوتی (جو کہ ابو حذیفہ کی بھتیجی بھی تھی) فاطمہ (ہندہ) سے ہوا۔ (۲۲)

(iii) زید بن حارثہ مولیٰ رسول اللہؐ نے زینب بنت جحش کے علاوہ چار نکاح اور کئے تھے اور سوائے ایک کے سب معززین مکہ کی بیٹیوں سے۔ مثلاً زید کی ایک بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں (۲۳) جن کی ماں اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب ابن عبد شمس تھیں اور اروی بنت کریز کی والدہ ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ ہجرت کے بعد ام کلثوم جب مدینے آئیں تو چار اشخاص نے آپ کو پیغام نکاح بھجوایا زبیر بن العوام (صریح)، زید بن حارثہ (مولیٰ)، عبدالرحمٰن بن عوف (صریح) اور عمرو بن العاص (صریح)۔ ام کلثوم نے رسول اللہؐ سے مشورہ کیا انہوں نے زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح کا مشورہ دیا۔ لہٰذا یہ نکاح ہوا اور ام کلثوم کے یہاں زید سے دو بچے زید ابن زید اور رقیہ پیدا ہوئے (دونوں کم عمری میں وفات پا گئے) زید بن حارثہ کی ایک اور بیوی درہ بنت ابی ہند (صریح عرب خاتون) تھیں، ان کی ایک اور بیوی ہند بنت العوام (زبیر بن عوام کی بہن اور قریشی النسب عرب خاتون) تھیں۔ زید کا صرف ایک نکاح مولاۃ، ام ایمن (۲۴) سے ہوا تھا جو رسول اللہ کی کھلائی تھیں ان سے اسامہ پیدا ہوئے

(iv) بلال حبشی (۲۵) مولیٰ ابو بکر کی شادی ابوالبکیر کی آزاد عرب بیٹی سے ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت بلال کی شادی بنی زہرہ کی عرب خاتون سے ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے دونوں ہی خواتین ان کی زوجیت میں ہوں۔ اسی طرح حضرت بلال کے بھائی کی شادی بھی آزاد عرب کی بیٹی سے ہوئی۔ ابن سعد صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ بلال کے بھائی نے ایک عرب خاتون کو نکاح کا پیغام بھیجا تو ان لوگوں نے کہا اگر بلال موجود ہوں گے تو ہم تم سے نکاح کر دیں گے۔ بلال آئے اور ان لوگوں سے کہا یہ میرے بھائی ہیں جو دین اور اخلاق میں بڑے آدمی ہیں اگر تم ان سے نکاح کرنا چاہو تو کر دو، ترک کرنا چاہو تو ترک کر دو۔ ان لوگوں نے کہا جس کے تم بھائی ہو ہم اس سے نکاح کر دیں گے، چنانچہ یہ نکاح ہوا۔ (۲۶)

Marfat.com

(۷) اسامہ بن زید نے اپنی زندگی میں پانچ عورتوں سے نکاح کیا وہ سب قریش کے بڑے قبائل کی شریف زادیاں تھیں مثلاً بنومخزوم کی ہند بنت الفاکہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔ بنوسہم کی درہ بنت عدی بن قیس بن حذافہ بن سہم، فاطمہ (۲۷) بنت قیس بن خالد بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ بن شیبان بن محارب بن فہر (ضحاک ابن قیس کی بہن)، ام حکیم بنت عتبہ بن ابی وقاص اور بنت ابی ہمدان سہی جو کہ بنوعذرہ کی شاخ بنی رزاح سے تھیں ان کے علاوہ ابن سعد اور ابن عبدالبر زینب بنت قسامہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جو اسامہ بن زید کے نکاح میں تھیں۔ ان کا تعلق بنوطے سے تھا۔ اسامہ چودہ سال ہی کے تھے کہ انہیں طلاق دے دی تھی۔ (۲۸)

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عہد رسالت کے اسلامی معاشرہ میں، عہد جاہلیت کے برعکس، موالی صریح عرب خواتین سے شادیاں کرسکتے تھے بلکہ اگر کسی کی طرف سے حیل وحجت کا پتہ چلتا تو رسول اللہؐ ناراض ہوتے تھے ایک مولیٰ نے شرفائے عرب کے ایک ممتاز خاندان ''بنی بیاضہ'' میں نکاح کا پیغام بھیجا تو رسول اللہؐ نے اس کی سفارش کی، اس خاندان کے بعض لوگوں نے کہا ''یارسول اللہؐ کیا ہم اپنی بیٹیاں اپنے غلاموں سے بیاہ دیں''۔ آپؐ کو یہ سوال برا لگا اس وقت سورۃ الحجرات کی تیرھویں آیت نازل ہوئی۔ (۲۹)

اسی طرح جب رسول اللہؐ نے حضرت زینبؓ بنت جحش کو اپنے مولیٰ زید بن حارثہ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا تو نہ ہی یہ رشتہ حضرت زینب نے پسند کیا نہ ہی ان کے خاندان کے بعض لوگوں نے۔ زینب رسول اللہؐ کی رشتہ دار تھیں، جوان، خوبصورت اور اعلیٰ نسب تھیں، ہوسکتا ہے ان کے دل میں رسول اللہؐ کا خیال رہا ہو، ایسے میں جب رسول اللہؐ نے اپنے مولیٰ کے لئے ان سے بات کی تو ان کی عزت نفس کو فطرتاً ٹھیس لگی اور انہوں نے کہا کہ ''میں اسے اپنے لئے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی (ایم القریش) ہوں''۔ اسی طرح کا اظہار ناراضامندی ان کے بھائی عبداللہؓ بن جحش نے بھی کیا تھا۔ لیکن جب رسول اللہؐ نے سورہ احزاب کی چھتیسویں آیت (۳۰) انہیں سنائی تو حضرت زینبؓ اور ان کے رشتہ دار اس نکاح پر راضی ہوگئے۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں اس شادی کی ناکامی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ زینبؓ مزاج

Marfat.com

کی تیز تھیں لہٰذا نباہ نہ ہو سکا۔ یہ تجزیہ درست نہیں، ازواج مطہرات میں حضرت حفصہؓ کے مزاج کی تیزی کا تو پتہ چلتا ہے مگر زینبؓ بنت جحش مزاج کی تیز نہیں تھیں۔ اصل میں اس شادی کی ناکامی کی وجہ وہی نسلی تفاخر کا احساس تھا جو انہیں زید سے تلخ کر دیتا تھا۔ اس قسم کے مظاہرے بالکل فطری تھے۔ جب تربیت کا مرحلہ ہو تو اس قسم کے واقعات پیش آتے ہی ہیں ان کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالنا کہ اس معاشرے میں نسلی تفاخر عروج پر تھا، درست نہیں۔

لیوی کے برخلاف ایچ۔ اے۔ آر۔ گب کا تجزیہ زیادہ قابل قبول ہے، اس کا کہنا ہے ''لوگوں کے مراتب، مواقع اور عمل کے لحاظ سے مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی معاشرہ نے اسلام جیسی کامیابی حاصل نہیں کی''۔ (۳۱)

اسلام کی عملی مساوات کے بہت سے غیر مسلم مورخین اور قدیم و جدید دانشور حضرات قائل ہیں۔ ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب "Preaching of Islam" میں متعدد بار مسلمانوں کی اس خوبی کا اعتراف کرتا ہے۔ جواہر لعل نہرو اپنی کتاب Discovery of India میں وضاحت سے لکھتے ہیں۔ ''ہندوستان کی تاریخ میں شمال مغربی ہند کے فاتحین اور اسلام کی آمد کی بڑی اہمیت ہے اس نے ہندو معاشرہ کے فساد کو ظاہر کر دیا، اس نے طبقاتی تقسیم، چھوت چھات اور ہندوستان کی دنیا سے علیحدگی کو بھی نمایاں کر دیا۔ اسلامی اخوت و مساوات نے جس پر مسلمانوں کا ایمان و عمل تھا ہندوؤں کے ذہنوں پر گہرا اثر ڈالا اور اس سے خاص طور پر وہ محروم لوگ زیادہ متاثر ہوئے جن پر ہندوستانی معاشرہ نے برابری اور انسانی حقوق سے استفادہ کا دروازہ بند کر رکھا تھا''۔ (۳۲)

اسی طرح ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب (۳۳) میں مسلمانوں کی مذہبی رواداری اور اسلامی اخوت و مساوات کا اعتراف کیا ہے۔

مشہور برطانوی فلسفی مورخ ٹائن بی لکھتا ہے۔ ''مسلمانوں کے درمیان نسلی امتیاز کا خاتمہ اسلام کے عظیم کارناموں میں سے ایک ہے اور موجودہ دور میں تو اسلام کی یہ سعادت، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے...... حالانکہ کچھ دوسری حیثیتوں سے انگریزی بولنے والی اقوام کی کامیابیاں عالم انسانیت کے لئے باعث رحمت ثابت ہوئی ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا

Marfat.com

کہ نسلی جذبات کے خطرناک معاملہ میں یہ بدقسمت رہا ہے۔(۳۴)

ہندوستان کی سروجنی نائیڈو، اسلامی اخوت و مساوات کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہیں۔ ''میں نے بار بار محسوس کیا ہے کہ اسلام اتحاد عمل سے ایک انسان کو دوسرے انسان کا بھائی بنا دیتا ہے۔ جب آپ لندن میں کسی مصری الجیریائی، ہندوستانی اور ترک سے ملتے ہیں تو اس کی اہمیت نہیں ہوتی کہ ایک کا وطن مصر ہے اور دوسرے کا ہندوستان۔(۳۵)

مشہور افریقی لیڈر مالکم ایکس (Malcolm-X) اپنی خودنوشت سوانح میں کئی جگہ مسلم معاشرہ اور اسلامی تہذیب کی عطا کردہ وحدت و مساوات کا اعتراف کرتا ہے۔(۳۶)

ان بیانات کو اس وجہ سے قابل اعتناء گردانا جائے گا کہ چودہ سو سال قبل ہی نہیں بلکہ چودہ سو سال کے تسلسل میں آج تک اسلامی معاشروں میں اسلامی اخوت و مساوات کی خوبی موجود ہے، جسے ان مورخین نے اپنے اردگرد محسوس کیا ہے۔ وہ روایات جو چودہ صدیوں سے زائد کا عرصہ گزرنے کے باوجود باقی ہیں تو اُس وقت یہ روایات کیوں نہ موجود ہوں گی جب یہ اسلامی معاشرہ قائم کیا گیا تھا، بلکہ یقیناً بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔ عہد رسالت میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں۔ مثلاً ہجرت کے بعد، رسول اللہؐ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل قبا میں مسلمانوں کی نماز میں امامت سالم مولیٰ ابو حذیفہ کرتے رہے کیونکہ وہاں موجود صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم انہی کو تھا جبکہ مقتدیوں میں حضرت عمر فاروقؓ، ابو سلمہ بن عبدالاسد، حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ بھی ہوتے تھے۔(۳۷)

جنگ یمامہ کے موقع پر مہاجرین کے علم بردار بھی سالم ہی تھے۔ طبری کا بیان ہے کہ جب سالم کو علم دیا گیا تو انہوں نے کہا ''میں نہیں جانتا کہ مجھے یہ علم کیوں دیا گیا ہے، غالباً آپ لوگ کہیں گے چونکہ آپ حافظ قرآن ہیں اور اس لئے کہ آپ بھی دوسرے صاحب (۳۸) کی طرح آخر وقت تک دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں گے''۔

حضرت بلال حبشی مولیٰ ابوبکر کو سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے یہ توقیر ملی کہ مسجد نبوی کے موذن تھے، ان کے متعلق حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے 'ابوبکرؓ ہمارے سردار اور انہوں نے

Marfat.com

ہمارے سردار (یعنی بلالؓ) کو آزاد کیا ہے۔(۳۹) فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہؐ کے کہنے پر حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہی تو حارث بن ہشام ،صفوان بن امیہ، اور دیگر معززین مکہ نے اس حیرت انگیز منظر کو دیکھا اور تعجب کیا۔ یہی بلالؓ تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ خالد بن ولید کا روسائے مکہ میں جو مقام تھا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اسی طرح عہد رسالت میں قباء میں جو موذن تھے وہ سعد القرظ تھے جو عمار بن یاسر کے مولیٰ تھے۔(۴۰)

سلمان فارسیؓ جو رسول اللہؐ کے مولیٰ تھے، ان کے مشیر بھی تھے، جنگ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ انہی کا تھا۔ انہی کے بارے میں رسول اللہ کا یہ قول ملتا ہے۔ ''سلمان منا اھل البیت'' (سلمان ہمارے اہل بیت ہیں۔(۴۱)

زید بن حارثہ کی جلالت شان کا اندازہ حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ ''رسول اللہؐ نے جس سریہ میں بھی زید بن حارثہ کو بھیجا، لوگوں کا امیر بنا کر ہی بھیجا اور اگر زید آپ کے بعد زندہ رہتے تو آپؐ انہیں اپنا خلیفہ بناتے''۔(۴۲)

جنگ موتہ کے موقع پر حضرت زید کو اس لشکر کا امیر منتخب کیا گیا تھا جس میں جعفرؓ بن ابی طالب، خالدؓ بن ولید اور دیگر اکابر صحابہ شامل تھے۔ غزوہ کرز بن جابر الفہری اور غزوہ مریسیع میں زید، مدینہ میں رسول اللہؐ کے نائب کے طور پر رہے۔ انہی زید کے لئے رسول اللہ کا یہ قول ملتا ہے ''اے زید تم میرے مولیٰ ہو اور مجھ سے ہو، میری طرف ہو اور ساری قوم سے زیادہ مجھے عزیز ہو'۔ (۴۳)

انہی زید کے بیٹے اسامہ بن زید تھے جن کا کافی کچھ تذکرہ اسی باب میں پہلے آ چکا ہے۔ اپنی وفات سے قبل رومیوں کی طرف جو لشکر رسول اللہؐ نے روانہ کیا تھا اس کے امیر اسامہ بن زید ہی تھے حالانکہ اس لشکر میں اکابر صحابہؓ بشمول حضرت عمر فاروقؓ اور ابو عبیدہؓ بن جراح بھی شامل تھے۔(۴۴) اور جب بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا تو رسول اللہؐ نے سخت برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا ''تم بے شک اس سے پہلے ان کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض

Marfat.com

کرتے تھے حالانکہ بخدا وہ سرداری کے لئے بہت موزوں تھے اور ان کا بیٹا بھی امارت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ زید تمام لوگوں سے زیادہ مجھ کو محبوب تھے اور ان کے بعد یہ (اسامہ) تمام لوگوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے۔ (۴۵)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں نے اسامہ کی امارت پر اعتراض کیوں کیا۔ بعض روایتوں کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کی وجہ ان کا کم سن ہونا تھا۔ (واقدی، ابن سعد اور ذہبی کی روایت کے مطابق ان کی عمر اس وقت بیس سال تھی) اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کی وجہ ان کا آزاد کردہ غلام ہونا تھا۔ صحیحین میں رسول اللہؐ کے جو الفاظ جواباً مروی ہیں اس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ گو بظاہر اعتراض ان کی کم سنی پر تھا مگر اصل وجہ اعتراض یہی تھی کہ وہ محض ایک مولیٰ تھے جبکہ ان کے تحت لشکر میں اشراف وصریح عربوں کی کثرت تھی۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی رو سے اگر دیکھا جائے تو رسول اللہؐ کا یہ کہنا کہ تم آج اسامہ پر طعن کر رہے ہو، مگر اس سے پہلے ان کے باپ، زید بن حارثہؓ کی امارت پر بھی تو طعن کر چکے ہو۔ یعنی اگر اسامہ کی کم سنی پر تمہیں اعتراض ہے تو زید تو کم عمر نہیں تھے۔ رسول اللہ کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ وہ اصل وجہ اعتراض کی تہہ تک پہنچ گئے تھے اور حضورؐ کے غصے کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ اس طرح کی باتوں سے اسلامی معاشرہ کی خیر خواہانہ فضا متاثر ہوتی تھی اور اس مساوات واخوت پر ضرب پڑتی تھی جس کا اسلام داعی تھا۔

تاہم اس قسم کی مثالوں سے اگر کوئی یہ ثابت کرنا چاہے کہ اس معاشرے میں مساوات نہیں تھی جب ہی تو یہ اعتراضات سامنے آتے تھے تو یہ رویہ غیر حقیقی ہوگا۔ حضرت زینب کا ایک مولیٰ سے شادی کے وقت ہچکچانا اور پھر اسی جذبے کا وجہ طلاق بن جانا، یا اسامہ بن زید کی امارت پر لوگوں کا اعتراض کرنا، یا حضرت ابوذر غفاری کا اپنے عجمی الاصل غلام کو اس کی عجمی ماں کی وجہ سے عار دلانا (۴۶) وغیرہ۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نسلی تفاخر عربوں میں کس حد تک بڑھا ہوا تھا۔ یہ وہ چیز تھی جو ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکی تھی۔ ان کا نظام قبائلی تھا، ان کا مزاج عصبی تھا، ایسے میں اخوت ومساوات کی جو فضا رسول اللہؐ پیدا کرنا چاہ رہے تھے، اس سے ان عربوں کی گویا قلب ماہیت مقصود تھی۔ انسانی نفسیات کا معمولی سا علم رکھنے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ عصبی

Marfat.com

مزاج کے حامل افراد میں سے نسلی تفاخر کو یک جنبش قلم موقوف نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے طویل دور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے دوران اس قسم کے واقعات (جو اوپر بیان کئے گئے) کا سامنے آنا بالکل فطری اور عین متوقع ہوتا ہے۔

رسول اللہ جس طرز کا معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے اس میں سب سے بنیادی چیز تقویٰ تھی، جو سابق الاسلام ہے اور جو متقی ہے معاشرے کا وہ سب سے افضل شخص ہے اور جو سابق الاسلام بھی نہیں ہے، متقی بھی نہیں ہے پھر اس کا حسب نسب خواہ کچھ ہو، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔ زیر نظر عہد کا ایک واقعہ اس ساری صورت حال کو واضح کر دیتا ہے، ایک موقع پر حضرت صہیب رومی (۴۷) حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال بن ابی رباح بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے سردار قریش مکہ ابوسفیان کا گزر ہوا، تینوں میں سے کسی ایک نے کہا کیا ابھی اس دشمن خدا کی گردن اترنے کا وقت نہیں آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سن رہے تھے، انہوں نے کہنے والے کو ڈانٹ دیا کہ کیا تم یہ ایک شیخ قریش کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ پھر جا کر رسول اللہ کو اس بات کی اطلاع کر دی۔ رسول اللہ نے خلاف توقع حضرت ابوبکر کو تنبیہ کی اور کہا۔ ''شاید تم نے انہیں (بلال، صہیب اور سلمان کو) ناراض کر دیا ہے اگر ایسا ہے تو تم نے خدا کو ناراض کر دیا ہے''۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ سخت پریشان ہوئے۔ واپس آئے اور ان تینوں افراد سے معافی مانگی۔ (۴۸)

وہ لوگ جو اہل ایمان تھے اور متقی تھے اگر سماجی معاملات میں کبھی کوئی عصبی مظاہرہ ہو بھی جاتا اور رسول اللہ ان کی پکڑ کرتے تو وہ متنبہ ہو جاتے تھے، نادم ہوتے اور آئندہ وہ غلطی نہیں دہراتے تھے جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ یا ابوذر غفاریؓ کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے لیکن اس معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو قصداً فضا کو مسموم کرتے تھے اور بعض اوقات وہ اتنے کامیاب ہو جاتے تھے کہ تلواریں تک نکل آتی تھیں اور مسلمان مسلمان کے مدمقابل آ کھڑا ہوتا تھا۔ یہ لوگ منافقین مدینہ تھے جو اپنے مخصوص سیاسی عزائم حاصل کرنے کے لئے فضا کو خراب کرتے تھے اور جاہلی عصبیت کو انگیخت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

Marfat.com

منافقین دراصل بظاہر مسلمان ہو جانے والے بعض اہل مدینہ کا گروہ تھا جس کی سب سے بہتر تعریف سورہ بقرہ میں اس طرح کی گئی ہے

و اذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا ج و اذا خلوا الی شیطینھم لا قالوا انا معکم لا انما نحن مستھزء ون (البقرہ: ۱۴) ترجمہ: جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔

اسلام کے ابتدائی مکی دور میں منافقین کا وجود نہ تھا کیونکہ وہاں کے حالات میں اس دو رخی (منافقت) کی کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے مکی سورتوں میں ان کا تذکرہ بھی نہیں ہے البتہ مدنی سورتوں میں مختلف مقامات پر ان کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے۔ منافقت یا نفاق کا آغاز اس طرح ہوا کہ ہجرت سے قبل مدینہ میں بنوخزرج کے خاندان عوف کا ایک بااثر اور عیار شخص عبداللہ بن ابی بن سلول رہتا تھا۔ اوس وخزرج کے قبائل جو ایک دوسرے کے شدید حریف تھے۔ بعثت نبوی سے قبل ان کے درمیان جنگ بعاث (۴۹) ہو چکی تھی جس میں اوس وخزرج کے بہت سے بہادر اور نامور لوگ مارے جا چکے تھے، جنگ کی بدحالیوں سے بچنے کے لئے دونوں قبائل، بعداز خرابی بسیار، عبداللہ بن ابی کو اپنا متفقہ قائد تسلیم کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے اور معاملہ یہاں تک طے پا چکا تھا کہ اس کے لئے ایک تاج بھی بنوا لیا گیا تھا اسی اثنا میں رسول اللہؐ اور آپ کے صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے جس کی بناء پر حالات یکسر بدل گئے (۵۰) اور میثاق مدینہ کے بعد تو مدینہ منورہ میں کسی اور کی قیادت کی بالکل بھی گنجائش باقی نہ رہی۔ عبداللہ بن ابی نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن رسول اللہؐ اور مہاجرین کو اپنا دشمن اور حریف سمجھنے لگا اور اس کا اظہار مختلف صورتوں اور موقعوں پر کرتا بھی رہا۔ بہت جلد منافقین ایک گروہ کی شکل اختیار کر گئے۔ مدینے کی آبادی میں اندازاً ایک تہائی تعداد عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں کی تھی جیسا کہ غزوہ احد کے موقع پر ظاہر ہوا تھا۔ جب وہ عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے اسلامی لشکر سے الگ ہو گیا کہ چونکہ ہماری رائے نہیں مانی گئی اس لئے ہم جنگ کے لئے نہیں جائیں گے۔ (۵۱) جس نازک

Marfat.com

گھڑی میں اس نے یہ حرکت کی تھی اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قریش تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے جبکہ مسلمان ان کے مقابلے میں صرف ایک ہزار تھے، ان میں سے بھی تین سو افراد کو عبداللہ بن ابی توڑ لے گیا اور رسول اللہؐ کو صرف سات سو کی جمعیت کے ساتھ تین ہزار کا مقابلہ کرنا پڑا۔

پھر ۴ھ میں غزوہ بنی نضیر پیش آیا، اس میں بھی منافقوں کی منافقت کام کرتی رہی، ایک طرف مسلمان ان یہودی دشمنوں سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ منافقین اندر ہی اندر یہودیوں کو یہ پیغام بھیج رہے تھے کہ ڈٹے رہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تم سے جنگ کی جائے گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور تم کو نکالا جائے گا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ (۵۲) غزوہ احزاب کے موقع پر بھی گروہ منافقین نے مسلمانوں کو بددل کرنے اور ان کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی کبھی مسلمانوں کو دشمنوں کی کثرت تعداد سے ڈراتے اور کبھی مسلمانوں کو مکانات کے غیر محفوظ ہونے کا ذکر کر کے پریشان کرتے۔

ایک بار اور ان کی منافقت غزوہ بنو مصطلق، (شعبان ۶ ھ) جسے غزوہ المریسیع بھی کہتے ہیں، میں کھل کر سامنے آئی جب بنی مصطلق کو شکست دینے کے بعد لشکر اسلام ابھی مریسیع نامی بستی میں ٹھہرا ہوا تھا کہ جہجاہ بن مسعود غفاری اور سنان بن وبرۃ الجہینی (۵۳) نامی اشخاص کا پانی کے مسئلہ پر جھگڑا ہو گیا۔ اول الذکر حضرت عمر کے ملازم تھے اور ان کا گھوڑا سنبھالنے کی خدمت انجام دیتے تھے، موخر الذکر بنو عوف بن خزرج کے حلیف تھے۔ جھگڑا بڑھا تو عوفی نے اپنے حلیف (انصار) کو مدد کے لئے پکارا اور غفاری نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا اور قریب تھا کہ فریقین کے مابین تلواریں کھنچ جاتیں (۵۴) رسول اللہؐ کو خبر ہوئی تو انہوں نے شدید تنبیہ کی کہ یہ کیا جاہلیت کی پکار تھی جو تمہاری زبانوں سے نکل رہی تھی۔ تم اس جاہلیت کی پکار کو چھوڑ دو، یہ بڑی گھناؤنی چیز ہے۔ (۵۵)

ایک غفاری اور ایک عوفی حلیف کے اس جھگڑے کو عبداللہ بن ابی نے جو خود بھی عوفی تھا مہاجر اور غیر مہاجر کا مسئلہ بنا کر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی اس نے انصار کو یہ کہہ کر برانگیختہ کیا

Marfat.com

کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے، تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی۔ ان پر اپنے مال تقسیم کئے، یہاں تک کہ اب یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی دشمن بن گئے۔ ہماری اور ان قریش کے کنگلوں (اصحاب محمدؐ) کی حالت پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے، تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں، خدا کی قسم مدینے پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے (یعنی عبداللہ بن ابی) وہ ذلیل (یعنی حضرت محمدؐ (معاذ اللہ) کو نکال باہر کرے گا۔ (۵۶) اس پر سورہ منافقوں کی ساتویں اور آٹھویں آیات نازل ہوئیں۔ (۵۷) اسی غزوہ سے واپسی پر واقعہ افک پیش آیا، جس میں منافقین نے اہم کردار ادا کیا جس کے تدارک کے لئے سورۃ النور کی (۱۱ تا ۲۱) آیات نازل ہوئیں۔

جنگ تبوک کے موقع پر بھی انہوں نے مسلمانوں میں بدگمانیاں پھیلائیں ایک تو وہ قحط کا زمانہ تھا، دوسرے پھل پک رہے تھے اور ہر شخص پھل کی حفاظت اور پکنے پر اس کو اتارنے کا خواہش مند تھا۔ تیسرے گرمی، دھوپ اور لو شدید تھی کہ باہر نکلنا عذاب تھا، جبکہ مقابلہ روم جیسی بڑی طاقت سے تھا۔ چنانچہ منافقین مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ اس شدید گرمی کے موسم میں جنگ کے لئے نہیں جانا چاہئے۔

و قالوا لا تنفروا فی الحر ط (سورۃ توبہ:۸۱) ترجمہ: ''اور وہ (منافقین) کہتے تھے کہ اس سخت گرمی میں مت نکلو''۔

اسی گروہ منافقین نے مسجد قبا کے مقابلے میں مسجد ضرار بنائی تھی۔ اس کی بنیادیں اٹھائی ہی اس غرض سے گئی تھیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں یہی وجہ ہے کہ حکم خداوندی کے موجب رسول اللہؐ نے اسے ڈھا دیا تھا۔ (۵۸) پورے عہد رسالت میں منافقوں کا یہ شیوہ رہا تھا کہ وہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ چونکہ نسلی بنیادوں پر عصبیت کو برانگیختہ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے لہٰذا یہ اسی طرز کے فساد پھیلاتے تھے۔

منافقین کے علاوہ مدینہ میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی باوجود اس کے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ میثاق مدینہ میں شامل ہو کر بظاہر ان کے حلیف تھے مگر وہ بھی منافقوں

Marfat.com

کی طرح اپنی حاسدانہ چالوں سے باز نہیں آتے تھے۔۔ایک موقع پر انہوں نے جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا جس نے اوس وخزرج میں عصبیت کی ایسی آگ بھڑکادی کہ ان کے مابین تلواریں کھنچ گئیں حالانکہ یہی اوس وخزرج تھے جنہیں اسلامی تعلیمات نے ایک رشتہ اخوت ومودت میں جوڑ رکھا تھا جبکہ اسلام سے قبل یہی اوس وخزرج لڑلڑ کر بدحال ہو چکے تھے۔اس واقعہ کی رسول اللہ ؐ کو خبر ہوئی تو وہ بہ عجلت موقع پر پہنچے اور اوس وخزرج کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کس قسم کی جاہلانہ حرکتیں کرتے ہو۔حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔خدا نے تم کو ہدایت کی اور اسلام کی بزرگی بخشی جاہلیت کی سب باتیں تم سے دور کردیں اور تم میں محبت اور الفت قائم کردی (پھر تم یہ کیا کرتے ہو)''۔(۵۹) رسول اللہ ؐ کی دردمندانہ ناراضگی سے دونوں قبائل اتنے پشیمان ہوئے کہ رو پڑے اور آپس میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے لگے۔

بنیادی طور پر یہ نفاق ایک بیماری تھی جس کا شکار عموماً کمزور دل، ضعیف العقیدہ اور کم علم یا پھر سازشی لوگ جلد ہو جاتے تھے اس نوع کے لوگ عہد رسالت سے خاص نہیں تھے بلکہ اس قسم کے لوگ ہر معاشرے اور ہر ماحول میں مل جاتے ہیں چنانچہ عہد رسالت میں واضح اسلامی تعلیمات کے باوجود جاہلی عصبیت کے مظاہروں کے بہت حد تک ذمہ دار یہی منافقین یا یہود مدینہ تھے جن کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کا بعض اوقات سچے مسلمان بھی نشانہ بن جاتے تھے۔اس صورت حال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ کا مشن ان لوگوں کی وجہ سے کتنا دشوار ہو گیا تھا۔

منافقین مدینہ کے علاوہ مسلمانوں کے دو گروہ اور ایسے تھے جن کو بعض سیاسی وسماجی معاملات، عصبیت کے جاہلی مظاہرے پر آمادہ کرلیا کرتے تھے،ان میں پہلا گروہ مولفتہ القلوب کا تھا اور دوسرا گروہ اعراب کا۔

مولفتہ القلوب میں وہ لوگ شامل تھے جن کا اسلام فتح مکہ یا اس کے بعد کا ہے جب انہوں نے اچھی طرح یہ محسوس کرلیا کہ اسلام ایک بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت ہے اور اس کے دائرہ اثر میں آئے بغیر کوئی چارا نہیں۔یہ لوگ بعض سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے مسلمان تو ہو گئے

Marfat.com

تھے مگر ان کا تقویٰ اور ایمان سابقون الاولون کے مقابلے کا نہیں تھا۔ اس کی طرف قرآن بھی اشارا کرتا ہے

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قتل ط اولئک اعظم درجه من الذین انفقوا من بعد و قتلوا ط و کلاً وعد الله الحسنی ط (الحدید: ۱۰) ترجمہ:

''تم میں سے جو لوگ فتح (۶۰) کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں''۔

اس گروہ میں سے بعض تو آگے چل کر بہترین مسلمان ثابت ہوئے اور مختلف آزمائشوں میں انہوں نے اپنے ایمان کی پختگی ثابت کر دی مگر ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جن کے حلق سے اسلام پوری طرح اترا ہی نہیں تھا چنانچہ ان کی جب بھی آزمائش ہوئی وہ ناکام ثابت ہوئے۔

مثلاً فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین (شوال ۸ھ) کے موقع پر بنو ہوازن کی زبردست تیراندازی میں جو لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ان میں طلقا (۶۱) کے علاوہ یہی جدید الاسلام افراد تھے۔ ان میں عصبیت کا جذبہ بھی بدرجہ اتم تھا چنانچہ جب جنگ حنین میں ابتدأ مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی تو صفوان بن امیہ، جو اس وقت تک مشرک تھا، اس کے بھائی نے کہا ''آج سحر باطل ہو گیا'' یہ گویا مسلمانوں کی شکست پر یک گونہ اظہار مسرت تھا، تو صفوان نے کہا ''چپ رہ، تیرے منہ میں خاک، مجھے یہ پسند ہے کہ کوئی قریشی میرا سردار ہو، بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی شخص میرا سردار بنے''۔ (۶۲)

ان کی دوسری آزمائش اس وقت ہوئی جب غزوہ حنین کی غنائم کی تقسیم کا وقت آیا ان کے حریصانہ رویے نے ثابت کر دیا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔

پھر رسول اللہؐ کی وفات، ان کے لئے ایک اور آزمائش تھی، ان میں سے بیشتر اس آزمائش میں بھی ثابت قدم نہ رہ سکے اور فتنہ ارتداد میں ملوث ہو گئے تاہم مولفتہ القلوب میں

Marfat.com

سارے ہی کمزور ایمان والے نہیں تھے، جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ان میں سے بہتوں کا اسلام پختہ اور مضبوط ہوا۔ چنانچہ رسول اللہ کی وفات کے بعد اکثر اہل مکہ نے مرتد ہو کر اسلام سے پھر جانے کا ارادہ کیا، ان کا فتنہ اس قدر بڑھا کہ عامل مکہ، عتاب بن اسید (۶۳) لوگوں سے خائف ہو کر روپوش ہو گئے۔ اس موقع پر سہیل بن عمرو (۶۴) (جو خود بھی مولفتہ القلوب میں سے تھے) نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر رسول اللہ کی وفات کا ذکر کیا اور کہا ''آپؐ کی وفات سے اسلام کمزور نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ قوی ہو گیا ہے۔ پس جو شخص اسلام میں شک کرے گا ہم اس کی گردن مار دیں گے''۔ اس بات کو سن کر لوگ اپنے ارتداد سے باز رہے اور عتاب بن اسید بھی اپنی روپوشی ختم کر کے ظاہر ہو گئے۔ (۶۵)

عتاب بن اسید اور سہیل بن عمرو کی طرح بہت سے مولفتہ القلوب آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ انہی سہیل بن عمرو کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہؐ نے معاذ بن جبل کو اہل مکہ کی تعلیم کے لئے مکہ میں چھوڑ دیا تھا۔ لوگ ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے، انہی میں سہیل بن عمرو بھی تھے۔ ضرار بن الخطاب نے ان سے کہا ''اے ابو یزید! تم ایک خزرجی کے پاس قرآن سیکھنے جاتے ہو۔ حالانکہ تمہیں اپنی قوم (یعنی قریش کے فرد) کے پاس جانا چاہئے''۔ سہیل بن عمرو نے کہا ''انہی باتوں کی وجہ سے ہم پیچھے رہ گئے، اور دوسرے ہم سے آگے نکل گئے۔ یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں جن کو اللہ نے اسلام کے ذریعہ ختم کر دیا ہے''۔ (۶۶)

مسلمانوں کا ایک اور گروہ جن کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے زمانے میں جاہلانہ عصبیت کا مظاہرہ کرنے کے سب سے بڑے ذمہ دار تھے۔ اعراب تھے۔

اعراب کا لفظ دراصل ''شتربان بدوی'' کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن اس کے مفہوم میں نخلستانی باشندے بھی شامل کر لئے جاتے تھے۔ زمانہ قبل از اسلام میں یہ لفظ صرف ان بدویوں اور نخلستانوں کے باشندوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو ربع الخالی کے شمال میں آباد تھے۔ قرآن

Marfat.com

نے اعراب کا لفظ صرف بدویوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس میں وسطی، شمالی اور جنوبی عرب کے حضری باشندے شامل نہیں تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے آپ کو اعراب کہلوانا پسند کیا۔

اسلام کے سلسلے میں حضری عرب زیادہ بہتر مسلمان ثابت ہوئے تھے جبکہ اعراب دین میں ایسے مخلص نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہری لوگ عموماً اہل علم اور اہل حق کی صحبت سے مستفید ہو کر دین اور اس کی حدود کو کافی حد تک جان لیتے ہیں مگر بدوی چونکہ ساری عمر بالکل ایک معاشی حیوان کی طرح شب و روز رزق ہی کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں اور حیوانی زندگی کی ضروریات سے بلند تر کسی چیز کی طرف توجہ کرنے کا انہیں موقع ہی نہیں ملتا اس لئے دین اور اس کے حدود سے ان کے ناواقف رہنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ قرآن اسی طرف اشارا کرتا ہے۔

قالت الاعراب امنا ط قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ط (الحجرات: ۱۴) ترجمہ: ”یہ بدوی کہتے ہیں کہ ”ہم ایمان لائے“ ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ”ہم مطیع ہو گئے“ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے“۔

یہ اعراب مدینہ میں ایک مضبوط اور منظم طاقت کو اٹھتے دیکھ کر پہلے تو مرعوب ہوئے پھر اسلام اور کفر کی آویزشوں کے دوران میں ایک مدت تک موقع شناسی اور ابن الوقتی کی روش پر چلتے رہے۔ پھر جب اسلامی حکومت کا اقتدار حجاز اور نجد کے ایک بڑے حصے پر چھا گیا اور مخالف قبیلوں کا زور اس کے مقابلہ میں ٹوٹنے لگا تو ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں لیکن ان میں کم لوگ ایسے تھے جو اس دین کو دین حق سمجھ کر سچے دل سے ایمان لائے ہوں اور مخلصانہ طریقہ سے اس کے تقاضوں کو پوا کرنے پر آمادہ ہوں۔ بیشتر بدویوں کے لئے قبول اسلام کی حیثیت ایمان و اعتقاد کی نہیں بلکہ محض مصلحت اور حکمت عملی (Policy) کی تھی۔ اعراب وہ سارے فوائد تو حاصل کرنا چاہتے تھے جو مقتدر طاقت کے ساتھ الحاق یا وابستگی سے حاصل ہو سکتے تھے۔ مگر اس کے عوض جو اخلاقی بندشیں اسلام ان پر عائد کرتا تھا، یا عبادات کی پابندی جو عائد ہو جاتی تھی یا زکوٰۃ کی وصولی جو ان کے نخلستانوں اور گلوں سے کی جاتی تھی اور وہ نظم

Marfat.com

وضبط اور روحانی وجسمانی تطہیر جس کا تقاضا اسلام ان سے کرتا تھا، وہ ان کو شدت کے ساتھ ناگوار تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی زکوۃ اور نماز میں فرق کرنے، اور جھوٹے مدعیان نبوت کے گرد جمع ہونے لگے اور عام طور سے ارتداد میں مبتلا ہو گئے۔

یہ اعراب اسلام سے زیادہ جاہلیت کے نزدیک تھے وہ قبائلی عصبیت اور نسلی فخر و غرور، جس کو توڑنے اور کم کرنے پر رسول اللہؐ نے پورا زور صرف کر دیا تھا، ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فتنہ ارتداد سے نبٹنے کے بعد ان کو ملکوں کی عظیم فتح پر لگا دیا تو یہ دور دراز پھیل گئے، ان میں خوشحالی آ گئی، ایمان کی حرارت کم تھی، لہٰذا یہ جلد ہی دنیا میں غرق ہو گئے۔ یہی لوگ تھے جن سے نسلی عصبیت کے مظاہرے ہوتے تھے۔ (اس کی تفصیل آئندہ باب میں آ رہی ہے) حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ کا یہ فرمان محفوظ کیا کہ

''فخر و تکبر شتربانوں یعنی اونی خیموں میں رہنے والوں میں ہے''۔ (۶۷)

المختصر عہد رسالت میں اسلامی نفسیات کے ساتھ ساتھ جاہلی نفسیات بھی چلتی رہی اور یوں اسلامی رجحانات اور جاہلی رجحانات کے مابین نزاع برپا رہی تاہم یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کے اس ابتدائی دور میں اسلامی نفسیات کا جاہلی نفسیات پر نمایاں غلبہ ہو گیا تھا، وہ سماجی مساوات جو رسول اللہ قائم کرنا چاہتے تھے، قائم کر دی گئی تھی، ایک ایسی اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی جو بہ زور اپنے عقائد ونظریات کو قائم کر سکتی تھی۔ رسول اللہؐ کے بعد امور حکومت ایسے تربیت یافتہ اصحاب کے پاس آئے جو خود جاہلی عصبیت سے پاک تھے اور تقویٰ کے بلند معیار کو پہنچتے تھے لہٰذا وہ خلفاء بھی جاہلی رسوم ورواج کے خلاف سرگرم عمل رہے اور یوں اسلامی اور جاہلی رجحانات کے درمیان بپا نزاع میں غلبہ اسلام ہی کو حاصل رہا۔

خلاصۂ بحث:

اسلام کی آمد کے ساتھ ہی عرب میں ایک نظریاتی انقلاب آیا اور پورے عربی معاشرے کی قلب ماہیت ہو گئی، قرآن کے فلسفۂ اخلاق نے انہیں ایک بالکل مختلف قوم بنا دیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد پہلا اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا جو اپنے مزاج، فکر

Marfat.com

اور اقدار کے حوالے سے عہد جاہلیت کے عربی معاشرے اور قبائلی حکومتوں سے بالکل مختلف تھے۔ جاہلی معاشرے کی بنیاد نسلی عصبیت، قبائلی منافرت اور لامرکزیت پر تھی، سماج حر (آزاد وصریح عرب)، موالی (حلیف، آزاد کردہ غلام) اور غلام کے طبقات میں بٹا ہوا تھا، اس کے برعکس اسلامی معاشرہ کی بنیاد، اخوت عدل اجتماعی اور مساوات پر تھی۔ قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر مدینہ میں جو اسلامی معاشرہ وجود میں آیا اس کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ انسانی حاکمیت کی جگہ اللہ کی حاکمیت قائم کر کے سب انسانوں کے لئے عدل وانصاف کی سہولیت مہیا کی گئی۔ اس معاشرہ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ رنگ، نسل، قبیلہ اور ذات برادری کو ترک کر کے تقویٰ کو معیار فضلیت قرار دیا گیا اور تیسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ بنیادی انسانی ضرورتوں میں تمام مسلمانوں کے ساتھ مساویانہ سلوک روا رکھا گیا۔

ان نظریاتی بنیادوں پر اٹھایا جانے والے مدنی معاشرہ ایک عادل اور متوازن معاشرہ تھا۔ جہاں رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانوں میں اسلامی روح کے مطابق قبائلی، نسلی اور وطنی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر تمام لوگوں کو برابری کا درجہ عطا کیا گیا۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ عہد رسالت وخلافت راشدہ میں قبائلی تفاخر کلیتہً ختم ہو گیا تھا، ظاہر ہے جب قبیلہ موجود تھا تو قبائلی عصبیت وتفاخر اس سے وابستہ ایک ایسی نفسیاتی کیفیت تھی جس کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا البتہ رسول اللہؐ نے اس عصبیت کا رخ ''قبیلہ'' سے ''دین یا امت'' کی طرف پھیرنے کی کوشش کی تھی، جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے تھے۔

اس نئے اسلامی معاشرہ میں سماجی طبقات تو وہی تھے، یعنی مدینہ میں صریح، مولیٰ اور غلام کے طبقات تو تھے، لیکن ان کے حقوق وفرائض اس سلیقہ سے مرتب کئے گئے کہ ان طبقات کے درمیان پایا جانے والا سماجی تفاوت، مغائرت اور خلیج کم سے کم ہو گئی۔ ان طبقات کے مقابلے میں مدنی معاشرہ میں اس بات کی کوشش کی گئی کہ صرف دو طبقات رہ جائیں، ایک مسلم طبقہ، دوسرا غیر مسلم طقبہ، پھر مسلم طبقہ کی اگر مزید درجہ بندی کرنی ہو تو وہ قبائلی یا نسلی بنیادوں پر نہیں بلکہ تقویٰ اور سبقت الی الاسلام پر ہو۔ جیسا کہ قرآن نے بعض کو سابقون الاولون، بعض کو مولفتہ القلوب اور

Marfat.com

بعض کو اعراب کا نام دیا۔

اس مسلمہ حقیقت کے باوجود کہ اسلام نے قبائلی مفاخرت اور نسلی تعصب کی جگہ اسلامی اخوت و مساوات پر مبنی ایک معاشرہ مدینہ میں قائم کر دیا تھا، عہد رسالت ہی میں فتح مکہ کے بعد جب پورے جزیرۃ العرب میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ کا معاملہ درپیش ہوا، اور پورا جزیرۃ العرب اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوا تو صورت حال ہی بدل گئی، کیوں کہ مختلف افراد یا گروہ افراد نے اسلامی تعلیمات کو مختلف پیمانے پر قبول کیا لہٰذا عہد رسالت میں جزیرۃ العرب کا معاشرہ ایک ملا جلا معاشرہ تھا، اس معاشرے میں بعض لوگ تو وہ تھے جنہوں نے پوری آمادگی اور قلب صمیم سے اسلام کی دعوت، ابتدائی سالوں میں ہی قبول کر لی تھی، یہ سابقون الاولون تھے، انہیں رسول اللہ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہنا نصیب ہوا لہٰذا ان کی قلب ماہیت ہوگئی۔ یہ قلیل التعداد گروہ تھا۔

دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے قدرے تاخیر سے اسلام قبول کیا، رسول اللہؐ کی براہ راست صحبت انہیں قدرے کم نصیب رہی مگر یہ اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ تعداد میں یہ اول الذکر گروہ سے زیادہ تھے۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو فتح مکہ کے بعد اسلام لایا صرف اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا اسلام اس وقت کی پھیلتی اور بڑھتی ہوئی سیاسی اور فوجی قوت تھی۔ یہ زیادہ تر اہل البادیہ تھے جن کو قرآن ''اعراب'' کا نام دیتا ہے یہ سب سے کثیر التعداد گروہ تھا، جو اسلام کی حقیقی روح سے کافی حد تک ناآشنا تھا۔

اب اس نئے اسلامی معاشرہ میں موالی کے سماجی حیثیت کے تعین کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔
چونکہ باب اول میں ہم لفظ مولیٰ کی تحدید کر چکے ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ زیر نظر مقالہ کی حد تک ہم ''آزاد کردہ غلاموں'' ہی پر بحث جاری رکھیں گے۔ لہٰذا یہ دیکھنا ضروری ٹھہرا کہ غلامی کے بارے میں اسلام کا رویہ کیا تھا۔

بعثتِ محمدیؐ کے وقت عرب اور بیرون عرب دنیا بھر کے معلوم معاشرے غلاموں سے

Marfat.com

بھرے ہوئے تھے اور ان قوموں کا سارا معاشی و معاشرتی نظام انہی غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ تاہم اسلام غلامی کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتا ہے، فطرت کا مستقل انتظام نہیں سمجھتا، اسلام نے حریت کا جو تصور پیش کیا ہے اس کے مطابق آزادی ہر انسان کا مقدس فطری حق تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ عربوں میں غلام بنانے کے جو مروجہ طریقے تھے، اسلام نے ان سب کو کلیتہً ختم کر دیا تاہم جنگی قیدیوں کی حد تک اس بات کی گنجائش رہ گئی کہ انہیں غلام بنایا جا سکتا تھا۔ جنگ کی صورت میں جنگی قیدیوں کو غلام بنا لینا ایسا رواج تھا جو اس وقت عرب سمیت تمام اقوام میں رائج تھا۔ اسلام کو یہ گنجائش یا اجازت اسی وجہ سے دینی پڑی کہ جنگ ہمیشہ کم از کم دو قوموں یا ملکوں کے مابین معاملہ ہوتا ہے ان میں اگر ایک فریق جنگی قیدیوں پر تصرف سے باز آ جائے تو دوسرا فریق کھل کھیلے گا اور اپنے حریف کو باآسانی ہلاکت میں ڈال دے گا۔ چونکہ یہ دوطرفہ معاملہ تھا لہٰذا اسلام ''لارق فی الاسلام'' کا یک طرفہ فیصلہ سنا ہی نہیں سکتا تھا کیوں کہ اس طرح مسلمان تو کبھی کسی جنگی قیدی پر قابض نہ ہو سکتے جب کہ مدمقابل کفار، جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو قیدی بنا کر اسلامی ریاست پر زبردست سیاسی، معاشی اور اخلاقی دباؤ بڑھا سکتے تھے۔ دراصل جنگ ''سبب'' تھا اور غلامی اس کا ''نتیجہ'' جب تک سبب موجود رہے گا، نتیجہ بھی نکلتا رہے گا۔ غلامی کو یکسر ختم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ سبب (یعنی جنگ) کو ختم کیا جاتا جو عملاً ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اسلام کو غلامی کی یہ شکل مجبوراً اس وقت تک برداشت کرنی پڑے گی جب تک دشمن اور غیر اقوام اس سلسلہ میں ایک ہی لائحہ عمل پر متفق نہ ہو جائیں۔

تاہم عہد جاہلیت کے ثمرہ کے طور پر عربی معاشرے میں جو غلام پہلے سے موجود تھے یا جنگوں کی صورت میں جو جنگی قیدی غلام بن سکتے تھے ان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک طرف تو اسلام نے ان غلاموں کے حقوق متعین کر کے انہیں معاشرے کا سود مند عنصر بنانے کی کوشش کی دوسری طرف ان کی آزادی کے لئے بہت سے راستے کھول دیئے۔ قرآن نے غلاموں کو آزاد کرنا ایک انتہائی نیکی کا عمل بتا کر مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ زیادہ سے زیادہ غلام آزاد کریں۔

Marfat.com

دوسری طرف بعض جرائم سرزد ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کو کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں غلام، صرف عہد رسالت میں آزاد ہوئے۔ یہ آزاد کردہ غلام موالی تھے، جو عددی اعتبار سے معاشرہ کا ایک بہت بڑا حصہ تھے، ان موالی میں عرب بھی تھے اور غیر عرب بھی۔

عہد رسالت میں اسلامی تعلیمات کی وجہ سے پورے معاشرے کی قلب ماہیت ہوگئی تھی۔ غلامی کی بیخ کنی کرنے کی پوری کوشش کی گئی اور اس کے باوجود غلام رہ جانے والوں کا سماجی رتبہ اتنا بڑھایا اور انہیں ایسے حقوق عطا کئے کہ فی الواقع غلامی کی شکل بدل گئی۔ جو معاشرہ غلاموں کو ایک مناسب سماجی مقام دینے پر آمادہ ہو ظاہر ہے اس کا رویہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے نسبتاً زیادہ بہتر ہوگا۔ اس ضمن میں رسول اللہؐ اور ان کے متقی اصحاب کا عمل بہترین مثال ہے، جس سے انکار کرنا یا جس کی تردید کرنا غیر مسلم مورخین کے لئے بھی آسان نہیں۔

رسول اللہؐ جس طرز کا معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے اس میں افضلیت کی بنیاد ''تقویٰ'' تھی، جو متقی ہے وہ معاشرے کا سب سے افضل شخص ہوگا خواہ وہ حر ہو یا مولیٰ یا غلام۔ تاہم اس معاشرے کے کچھ گروہ ایسے بھی تھے جو قصداً اس خیر خواہانہ فضا کو مسموم کرتے تھے۔ یہ منافقین مدینہ اور یہود مدینہ تھے، اس کے علاوہ مسلمانوں کا ایک اور گروہ جن کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلفائے راشدین اور بنوامیہ کے زمانے میں جاہلانہ، قبائلی عصبیت کا مظاہرہ کرنے کے سب سے بڑے ذمہ دار تھے، اعراب تھے۔ ان تینوں عوامل کی وجہ سے اسلامی معاشرے کی فضا کبھی کبھی ناگوار ہو جاتی۔ وگرنہ عمومی صورت حال یہ تھی کہ اسلامی معاشرے میں غلاموں کے علاوہ موالی بھی ایک بہتر سماجی مرتبہ کے حامل تھے، جس کا تصور عہد جاہلیت میں بہر حال نہیں تھا۔ یہی وہ اسلامی تعلیمات تھیں جنہوں نے آگے چل کر ''موالی مسئلہ'' کو سلجھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب سوم: فصل سوم)

۱۔ طبقات الکبریٰ، جلد۴، ص ۶۳ سیر اعلام النبلاء جلد۲، ص ۳۵۷ الاستیعاب، جلد۱، ص ۷۶

۲۔ طبقات الکبریٰ جلد۴، ص ۶۴ (الاستیعاب جلد۲، ص ۴۶۷۔ میں یہی بات ذکوان، کے حوالے سے کہی گئی ہے۔)

۳۔ البدایہ والنہایہ، جلد۵، ص ۳۱۸، ۳۱۹

۴۔ ابو رافعؓ مولیٰ رسول اللہؐ کے نام میں سخت اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں میں ان کا نام ابراہیم، اسلم، ہرمز اور ثابت آیا ہے۔ قبطی (مصری) تھے اور عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ انہوں نے ابو رافع کو رسول اللہؐ کو ہبہ کر دیا تھا۔ جنگ بدر کے بعد ابو رافع نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور رسول اللہؐ کے ساتھ مقیم ہو گئے۔ احد، خندق اور دیگر مشاہد میں شریک رہے۔ جب ابو رافع نے رسول اللہؐ کو حضرت عباس کے اسلام لانے کی خوشخبری سنائی تو رسول اللہؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ ان کی شادی رسول اللہؐ کی مولاۃ سلمیٰ سے ہوئی اور ان کے یہاں عبیداللہ ابن ابی رافع پیدا ہوئے جو حضرت علی کے دور خلافت میں ان کے خازن اور کاتب تھے۔ ابو رافع کی وفات حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مدینہ میں ہوئی (طبقات الکبریٰ، جلد۴، ص ۷۳۔۷۵) اور بعض کے مطابق کوفہ میں ۴۰ھ میں انتقال کیا (الاستیعاب جلد۱، ص ۸۳۔۸۵ نیز جلد۴، ص ۱۶۵۶۔۱۶۵۷، نیز جلد۴، ص ۱۸۶۲)

۵۔ طبقات الکبریٰ، جلد۴، ص ۷۴، سیر الاعلام النبلاء، جلد۲، ص ۹ (مادہ: ابو رافع)

۶۔ البدایہ والنہایہ، جلد۵، ص ۳۱۳

۷۔ حضرت سلمان فارسی مولیٰ رسول اللہؐ غزوہ بدر و احد میں شریک نہیں تھے کیونکہ عرصہ غلامی میں تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے غزوہ خندق میں ہی حصہ لیا (المعارف، ص ۱۱۷) اس

Marfat.com

موقع پر رسول اللہؐ نے ہر دس آدمیوں پر چالیس ہاتھ (ذراع) خندق کھودنے کی ذمہ داری لگائی تو مہاجرین وانصار میں سے ہر دو نے چاہا کہ سلمان کو انہیں دے دیا جائے کیونکہ وہ قوی الجثہ اور مضبوط الاعضاء تھے۔ مہاجرین نے کہا سلمان ہم میں سے ہیں۔ انصار نے کہا نہیں سلمان ہم میں سے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ''سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں''۔ (ابن ہشام، جلد ۳، ص ۲۲۴، طبقات الکبریٰ، جلد ۴، ص ۸۳، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن بن علی ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) صفتہ الصفوۃ، جلد ۱، ص ۲۱۵، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۵ھ)

۸۔ تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۶۴ (ساتواں پارہ)

۹۔ سورہ انعام مکی سورۃ ہے جو ایک ہی رات کے اندر ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۴۵ (۷واں پارہ)

۱۰۔ ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر شائد وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو۔ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے اس سے تم بے رخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے (عبس: ۱۔۱۲) (یہ واقعہ ابن ہشام نے بیان کیا ہے، جلد ۱، ص ۹۰۔۳۸۹)

۱۱۔ (Reuben Levy, the Social Structure Of Islam P.56 بحوالہ کتاب الاغانی، جلد XIV ص ۱۱۰، بولاق ۱۲۸۵ھ)

۱۲۔ طبقات الکبریٰ جلد ۱، ص ۷۵، ۸۔۷۷، تاریخ طبری جلد ۲، ص ۲۵۲

۱۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۳۲، دارالاشاعت، کراچی (بار ششم)

۱۴۔ کتاب الازمنہ والامکنہ، جلد ۲، ص ۱۶۵

۱۵۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۳۲

Marfat.com

۱۶۔ اسیران بدر میں سے چند اہم نام یہ ہیں۔ عقیل بن ابی طالب (بنو ہاشم)، نوفل بن حرث بن عبدالمطلب (بنو ہاشم)، عمرو بن ابی سفیان (بنی عبد شمس)، خالد بن ہشام بن مغیرہ (بنی مخزوم)، ولید بن ولید بن مغیرہ (بنی مخزوم)، سہیل بن عمرو۔ اسیران بدر جو سب کے سب یا تو قریش تھے یا ان کے حلفاء اور موالی و غلام کی تفصیلی فہرست سیرۃ ابن ہشام میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (ابن ہشام کہتے ہیں جنگ بدر میں مشرکین کے علمبردار ابوعزیز کی ماں کو جب ابوعزیز کے قید ہونے کی خبر ہوئی تو اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ ایک ''قریشی'' مرد کو چھوڑنے کا زیادہ سے زیادہ کیا فدیہ لیا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا چار ہزار درہم۔ چنانچہ اس نے چار ہزار درہم مدینہ بھیج کر ابوعزیز کو چھڑا لیا۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳۰۰)

۱۷۔ کتاب الاغانی، کا مصنف ابو الفرج اصفہانی ۲۸۴ھ بمطابق ۸۹۷ء میں اصفہان (ایران) میں پیدا ہوا۔ نسلاً وہ قریشی عرب تھا، آخری اموی خلفیہ مروان بن محمد کی نسل سے تھا۔ مسلکاً شیعہ تھا۔ اس نے بغداد میں تعلیم حاصل کی اور اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ وہیں گزارا۔ اسے آل بویہ کی (بالخصوص ان کے وزیر المہلبی کی، جس کا وہ ندیم تھا) سرپرستی حاصل رہی اس نے ۱۴ ذی الحجہ ۳۵۶ھ بمطابق ۲۰ نومبر ۹۶۷ء بغداد میں وفات پائی، مرنے سے پہلے وہ دیوانگی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ''کتاب الاغانی'' (نغموں کی کتاب) اس کی اہم تصنیف ہے۔ جس میں اس نے وہ سب اصوات یا نغمے یکجا کر دیئے ہیں جو معروف مغنیوں ابراہیم موصلی، اسماعیل بن جامع اور فلیح بن العوراء نے خلیفہ ہارون الرشید کے حکم سے منتخب کیے اور جن پر آگے چل کر اسحاق بن ابراہیم موصلی نے نظر ثانی کی تھی۔ ابوالفرج نے اس مجموعے میں معبد اور ابن سریج اور کئی اور گویوں کے علاوہ خلفاء اور ان کے جانشینوں کے نغموں کا بھی اضافہ کیا اور پھر ہر نغمے کے ساتھ اس کی دھن بھی بتائی۔ ابو الفرج نے ان شاعروں کے متعلق جن کے نغمے اس مجموعے میں شامل ہیں معلومات مہیا کی ہیں اور ان کے کچھ حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ کتاب الاغانی کا پہلا ایڈیشن بولاق سے ۱۲۸۵/ ۱۸۶۹ء میں بیس جلدوں میں شائع

Marfat.com

ہوا۔دوسرا اور تیسرا ایڈیشن قاہرہ سے بالترتیب ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۶ء میں منظرعام پر آیا۔تاحال آخری ایڈیشن بیروت سے ۷۔۱۹۵۶ء میں چھپا۔یہی ایڈیشن مجھے اس مقالہ کے لئے دستیاب ہوسکا۔

۱۸۔ LEVY P - 63

۱۹۔ ایضاً (حاشیہ)

۲۰۔ حسن ابراہیم حسن، النظم الاسلامیہ، ص ۳۱۶

۲۱۔ الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۸۴۹ طبری جلد۲، ص ۵۶۳

۲۲۔ صحیح بخاری جلد ۵، ص ۱۵، نیز جلد ۶، ص ۱۲۲ (، بخاری میں ولید کی بیٹی کا نام ہند آیا ہے) المعارف، ص ۱۱۹، طبقات الکبریٰ جلد ۳، ص ۸۵، الاستیعاب، جلد ۲، ۵۶۸، جلد ۴، ص ۱۹۰۱

۲۳۔ طبقات الکبریٰ، جلد۳، ص ۴۵، سیر اعلام النبلاء، جلد۲، ص ۲۰۰، صفتہ الصفوۃ جلد ۱، ص ۱۴۹، الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۹۵۴، جب جنگ موتہ میں زید بن حارثہ شہید ہو گئے تو ام کلثوم نے زبیر بن العوام سے شادی کی جس سے ایک بیٹی زینب پیدا ہوئی۔(زبیر سے طلاق کے بعد) عبدالرحمٰن ابن عوف سے نکاح ہوا جن سے دو بیٹے ابراہیم اور حمید پیدا ہوئے۔(ابن قتیبہ کے مطابق محمد، ابراہیم، حمید اور زید چار بیٹے عبدالرحمٰن ابن عوف سے پیدا ہوئے، کتاب المعارف، ص ۱۰۴) ابن عبدالبر کے مطابق ابراہیم، حمید اور اسماعیل تین بیٹے ام کلثوم سے تھے(۔الاستیعاب، جلد۲، ص ۸۴۵) عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد پھر انہوں نے عمرو بن العاص سے نکاح کیا اور انہی کے نکاح میں ام کلثوم کا انتقال ہو گیا۔(صفتہ الصفوۃ، جلد۲، ص ۳۱، الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۹۵۴)

۲۴۔ ام ایمن جن کا نام برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن ابن مالک بن سلمہ بن عمرو بن النعمان (الاستیعاب، جلد۱، ص ۱۲۸) تھا۔رسول اللہؐ کے والد عبداللہ کی لونڈی تھیں اور حبشی الاصل تھیں۔عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ ورثے میں رسول اللہؐ کو ملیں۔رسول اللہؐ نے ان کو

Marfat.com

آزاد کردیا وہ دو ہجرتیں کرنے والوں میں سے تھیں ان کی شادی عبید بن حارث الخزرجی (ابن الجوزی کے مطابق عبید بن زید، جن کا تعلق بنی حارث سے تھا (صفتہ الصفوۃ، جلد ۲،ص ۲۹)) سے ہوئی جس سے ایمن پیدا ہوئے۔ انہی پر ان کی کنیت ام ایمن ہے۔ ایمن نے بھی ہجرت کی اور جہاد کئے۔ اس کے بعد ان کی شادی زید بن حارثہ سے ہوئی جن سے اسامہ پیدا ہوئے۔ رسول اللہؐ نے ایک موقع پر فرمایا تھا "کون ایک جنتی خاتون سے شادی کرے گا"۔ زید نے حامی بھری تو یہ نکاح ہوا یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے۔ (طبقات الکبریٰ جلد ۱،ص ۴۹۷، المعارف،ص ۶۳، سیر اعلام النبلاء، جلد ۲،ص ۶۱۔۱۶۰، الاستیعاب جلد ۴،ص ۱۷۹۳) زید بن حارثہ کی بیویوں کی تفصیل طبقات الکبریٰ، جلد ۳،ص ۴۵ پر دی گئی ہے

۲۵۔ حضرت بلال حبشی، امیہ بن خلف کے غلام تھے، مکہ میں قبیلہ بنو جمح کے درمیان مقام سراۃ میں غلام پیدا ہوئے۔ ان کی ماں کا نام حمامتہ تھا لہٰذا انہیں بعض دفعہ ابن حمامتہ بھی کہا گیا۔ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں تھے جس کی وجہ سے ان کا آقا ان پر بدترین مظالم ڈھاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ یا سات اوقیہ (تقریباً ۲۳ تولے سونے) کے عوض انہیں خرید کر آزاد کردیا تھا۔ مکہ میں رسول اللہؐ نے ان کی مواخاۃ عبیدہ بن حارث بن مطلب سے کرائی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہؐ نے ان کے اور ابو رویحہ الخثعمی کے درمیان رشتہ مواخاۃ قائم کیا تھا۔ عہد رسالت میں مسجد نبویؐ کے موذن بھی تھے اور رسول اللہؐ کے خاندانی اخراجات کے نگران بھی۔ رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد شام جا کر آباد ہو گئے اور وہیں ۲۰ھ میں ساٹھ سال سے زائد عمر میں وفات پائی۔ (طبقات الکبریٰ جلد ۳،ص ۲۳۲ تا ۲۳۶، المعارف،ص ۷۶، صفتہ الصفوۃ، جلد ۱،ص ۱۷۱ تا ۱۷۳ الاستیعاب، جلد ۱،ص ۹۔۱۷۸)

۲۶۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۳،ص ۲۳۷

۲۷۔ جمہرۃ انساب العرب،ص ۱۷۸ (فاطمہ بنت قیس کو جب ان کے پہلے شوہر نے طلاق دے

Marfat.com

دی اور انہوں نے اپنی عدت پوری کر لی تو نکاح ثانی کے لئے رسول اللہؐ سے مشورہ طلب کیا۔ رسول اللہؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا کسی نے تمہیں پیغام دیا ہے۔ انہوں نے کہا معاویہ نے، ابوجہم نے اور اسامہ نے، رسول اللہؐ جواباً فرمایا کہ ابوجہم مزاجاً سخت آدمی ہیں، معاویہ کے پاس پیسہ کم ہے البتہ تم اسامہ سے نکاح کر لو۔ فاطمہ بنت قیس جو قریش کے اشراف سے تعلق رکھتی تھیں ایک مولیٰ سے شادی پر راضی ہوگئیں۔ (سیر اعلام النبلاء، جلد ۲، ص ۳۵۹)

۲۸۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۴، ص ۲۷، نیز جلد ۵، ص ۱۷۰ (جب اسامہ نے انہیں طلاق دے دی تو رسول اللہؐ نے ان کا نکاح نعیم بن عبداللہ النحام سے کرا دیا (الاستیعاب، جلد ۴، ص ۱۸۵۳)

۲۹۔ ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ افضل وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ (الحجرات: ۱۳)

۳۰۔ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

۳۱۔ گب مزید کہتا ہے...... ''افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں اور روایات، نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے، اگر مشرق و مغرب کے عظیم معاشروں میں مخالفت کی بجائے باہمی تعاون پیدا کرنا ہے تو اس کے لئے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا (ایچ۔ اے۔ آر گب WHITHER ISLAM ص ۳۷۹، لندن ۱۹۳۲ء)

Marfat.com

۳۲۔ جواہر لعل نہرو، Discovery of India ص ۲۲۵، کلکتہ ۱۹۴۶ء

۳۳۔ ڈاکٹر تارا چند Society and State in the Mughal Period ص 88-89، 1961

۳۴۔ اے۔ جے ٹائن بی Civilization on trial ص ۲۰۵، نیویارک ۱۹۴۸ء

۳۵۔ سروجنی نائیڈو Speeches & writings of Sarojini Naidu مدراس ۱۹۱۸ء

۳۶۔ مالکم ایکس The Autobiography of Malcolm -X (Essex) ص ۴۱۹۔۴۲۰، ۱۹۶۵ء

۳۷۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے ''ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ مہاجرین اولین کی امامت قبا میں کیا کرتے تھے درآں حالیکہ اصحاب رسول موجود ہوتے تھے ان میں ابوبکرؓ، عمرؓ، ابوسلمہؓ، زیدؓ اور عامر بن ربیعہ بھی ہوتے تھے''۔ (صحیح بخاری جلد ۸، ص ۱۱۵) اس میں حضرت ابوبکرؓ کا نام غالباً سہواً آ گیا ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت رسول اللہؐ کے ساتھ کی تھی، ان دونوں کی آمد سے قبل قبا میں حضرت سالمؓ مہاجرین اولین کی امامت کیا کرتے تھے۔ ابن سعد مقتدیوں میں حضرت عمرؓ اور ابوسلمہؓ کا نام لیتے ہیں (طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۸۸)

۳۸۔ دوسرے صاحب سے مراد عبداللہ بن حفص بن غانم تھے۔ جن کے پاس علم تھا اور جن کی وفات کے بعد یہ علم سالم کو دیا گیا۔ (تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۲۔۲۹۱)

۳۹۔ صحیح بخاری، جلد ۴، ص ۲۱۷، طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۲۴۳

۴۰۔ ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص ۶۰۷، اصح المطابع، کراچی

۴۱۔ طبری، جلد ۲، ص ۵۶۶، ص ۵۶۸، طبقات الکبریٰ، جلد ۴، ص ۸۳، صفتہ الصفوۃ، جلد ۱، ص ۲۱۵

۴۲۔ تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، ص ۲۵۲ (تفسیر سورہ احزاب، بحوالہ مسند احمد) علامہ ابوالعباس محمد بن

Marfat.com

یزید المعروف بالمبرد النحوی (م ۲۸۵ ھ)، الکامل فی اللغۃ والادب جلد ۲، ص ۲۵۷، ۲۵۸ (یہ بات طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۴۶ پر یوں لکھی ہوئی ہے "حضرت عائشہؓ نے کہا رسول اللہؐ نے زید کو جب بھی بھیجا امیر لشکر بنا کر بھیجا اور اگر وہ آپ کے بعد مدینہ میں رہ گئے تو آپ کے نائب کے طور پر رہے"۔) زید بن حارثہ جمادی الاخرہ ۳ ھ، ربیع الاول ۶ ھ، جمادی الاولیٰ ۶ ھ، جمادی الاخرہ ۶ ھ میں دو مرتبہ رجب ۶ ھ، رمضان ۶ ھ اور جمادی الاول ۸ ھ میں بھیجے جانے والے سرایا کے امیر لشکر تھے، آخری سریہ موتہ میں آپ شہید ہو گئے۔

۴۳۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۴۴

۴۴۔ حضرت اسامہ کے لشکر میں شامل اصحاب میں حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعیدؓ، سلمہؓ بن اسلم اور قتادہ ابن نعمان بھی شامل تھے۔ یہ واقدی، ابن عساکر اور ابن سعد کی روایت ہے، لیکن ابن تیمیہ نے اس سریہ میں حضرت ابوبکرؓ کی شرکت سے بشدت انکار کیا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہؐ نے اپنی بیماری میں امامت نماز کے لئے امام مقرر کیا تھا۔ علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ ان دونوں امور میں کوئی بعد نہیں، ابتدا رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی اس سریہ میں شرکت کا حکم دیا لیکن جب بیمار ہوئے اور مرض بڑھ گیا تب ان کو نماز کی امامت کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے سریہ کی شرکت سے ان کا استثناء ہو گیا۔ (اصح السیر، ص ۵۴۵)

۴۵۔ صحیح بخاری، جلد ۴، ص ۲۱۳ نیز جلد ۵، ص ۸۴ نیز جلد ۵، ص ۱۴۵، طبقات الکبریٰ جلد ۴، ص ۶۵ (طبقات میں ان جملوں کا اضافہ ہے "ان دونوں سے ہر خیر کا گمان کیا گیا ہے تم لوگ اسامہ کے متعلق خیر کی وصیت قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہیں"۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۴، ص ۶۶، ص ۶۷، ۶۸ تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۱۸۴، الکامل للمبرد، جلد ۲، ص ۲۵۷، صفۃ الصفوۃ، جلد ۱، ص ۲۱۰

۴۶۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے عجمی الاصل غلام کو اس کی عجمی ماں کی

Marfat.com

وجہ سے عار دلائی۔ اس غلام نے جا کر رسول اللہؐ سے شکایت کر دی، رسول اللہؐ نے ابوذر سے فرمایا 'تم ایسے شخص ہو جس میں زمانہ جاہلیت کی عادات باقی ہیں۔ یہ تمہارے بھائی اور تمہارے خادم ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو، وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہو اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہو اور ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کرو جو ان کے لئے دشوار ہو اور اگر ان کو ایسے کام کے لئے کہو تو اس میں ان کی مدد کرو (۔صحیح مسلم جز وثالث، ص ۳۔۱۲۸۲) کتاب الایمان) اس تنبیہ پر ابوذر نے اپنی اصلاح کی نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر اس غلام کو وہی کھلاتے اور پہناتے تھے جو خود کھاتے اور پہنتے تھے۔

۴۷۔ صہیب ابن سنان رومی، نمر بن قاسط کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے والد سنان بن مالک یا چچا کسریٰ کے ابلہ میں عمال تھے۔ صہیب روم میں کسی طرح غلام بنا لئے گئے۔ ان کو بنو کلب نے خرید کر مکہ میں عبداللہ ابن جدعان کو بیچ دیا۔ عبداللہ نے انہیں آزاد کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ مکہ آئے تو ابن جدعان کے حلیف بن گئے۔ (الاستیعاب، جلد ۲، ص ۷۲۸) قدیم الاسلام تھے اور اسلام کی راہ میں شدید سختیاں برداشت کی تھیں۔ ہجرت کے بعد بدر، احد، خندق اور تمام مشاہد میں شریک رہے۔ حمران بن آبان مولیٰ عثمان ابن عفان کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضرت عمر نے اپنے انتقال پر ان کو نماز کی امامت پر مامور کیا تھا۔ ستر سال سے زائد عمر میں ۳۸ھ میں مدینہ میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئے (المعارف ۱۱۵۔۱۱۴، طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۹۔۲۲۶، الاستیعاب، جلد ۲، ص ۷۲۶ تا ۷۳۳، صفۃ الصفوۃ، جلد ۱، ص ۷۰۔۱۶۹، سیر اعلام النبلاء، جلد ۲، ص ۱۶۔۱۰)

۴۸۔ الاستیعاب، جلد ۲، ص ۶۳۷، نیز ص ۷۳۳، سیر اعلام النبلاء جلد ۲، ص ۱۵ (مادہ: صہیب ابن سنان)

۴۹ یوم بعاث، اوس وخزرج کے مابین لڑی جانے والی مشہور جنگ ہے جو بعثت نبویؐ سے قبل لڑی گئی۔ ان دنوں بنو خزرج کا سردار عمرو بن نعمان تھا اور بنو اوس کا سردار حضیر الکتائب بن

Marfat.com

سماک تھا۔ اس جنگ میں بنو اشجع (قبیلہ غطفان سے) اور بنو جہینہ (قبیلہ قضاعہ سے) بنو خزرج کے حلیف تھے۔ جبکہ بنو قریظہ، بنو نظیر اور مزینہ اوس کے حلیف تھے۔ یہ جنگ سالوں چلی جس نے اوس و خزرج کے کس بل نکال دیئے۔

۵۰۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۳۴

۵۱۔ ابن ہشام، جلد ۳، ص ۶۴، طبری، جلد ۲، ص ۴-۵۰۳

۵۲۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۳-۱۷۲۔ اس خفیہ ساز باز کا راز سورہ حشر میں کھول دیا گیا۔ ''تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کی روش اختیار کی ہے۔ یہ اپنے کافر اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں ''اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ ہرگز نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی ہرگز مدد نہ کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر جائیں گے اور پھر کہیں سے کوئی مدد نہ پائیں گے۔ ان کے دلوں میں اللہ سے بڑھ کر تمہارا خوف ہے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے''۔ (حشر: ۱۱ تا ۱۳)

۵۳۔ دونوں اصحاب کے نام مختلف روایات میں مختلف بیان کئے گئے ہیں۔ ہم نے یہ نام ابن ہشام کی روایت سے لئے ہیں (۔ ابن ہشام، جلد ۳، ص ۲۹۰) ابن عبد البر نے بھی یہی نام اختیار کئے ہیں (الاستیعاب جلد ۱، ص ۲۶۸ نیز جلد ۲، ص ۶۵۶)

۵۴۔ طبری، جلد ۲، ص ۶۰۵، الاستیعاب، جلد ۲، ص ۶۵۶ تا ۶۵۷

۵۵۔ صحیح بخاری جلد ۴، ص ۱۶۰، نیز جلد ۶ ص ۶۵، ۶۶

۵۶۔ طبری، جلد ۲، ص ۶۰۵، الاستیعاب، جلد ۱، ص ۲۶۸ طبقات الکبریٰ، جلد ۲، ص ۶۴

۵۷۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسولؐ کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تاکہ یہ منتشر ہو جائیں حالانکہ زمین اور آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے مگر یہ منافق سمجھتے نہیں

Marfat.com

ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کریگا، حالانکہ عزت تو اللہ رسول اور مومنین کے لئے ہے"۔ (المنافقون: ۸۔۷)

۵۸۔ "منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کر کھڑی کی کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کر دیں جو اس سے قبل اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑ چکے ہیں وہ (منافق) ضرور قسمیں کھائیں گے کہ (مسجد بنانے سے) ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بھلائی کا کام ہو، لیکن اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ یہ (منافق) اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں"۔ (التوبہ: ۱۰۷)

۵۹۔ ابن ہشام، جلد۲، ص۲۰۴

۶۰۔ بعض روایتوں میں یہاں "فتح" سے مراد صلح حدیبیہ کو بیان کیا گیا ہے تاہم اکثر روایات کے مطابق یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے (جامع البیان عن تاویل آی القران (تفسیر طبری) از ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) الجزء السابع والعشرون (جلد ۲۷) ص ۲۲۰ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء مصطفیٰ بابی حلبی، مصر)

۶۱۔ طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان یا افراد ہیں جو آخر وقت تک دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہؐ نے انہیں معافی دے دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے، تاہم ان میں سے بعض غزوہ حنین تک بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

۶۲۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون، تاریخ، جلد۳، ص۳، مصر

۶۳۔ عتاب بن اسد بن ابی العیص بن امیہ بن عبدشمس القرشی الاموی، کی کنیت ابوعبدالرحمٰن یا ابومحمد تھی۔ یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ رسول اللہؐ نے انہیں مکہ کا عامل مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں ان کے عہدے پر برقرار رکھا۔ عتاب بن اسید اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ایک ہی دن ہوا۔ عتاب بہت صالح اور فاضل شخص تھے (الاستیعاب، جلد۳، ص۴-۱۰۲۳)

Marfat.com

۶۴۔ سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی کی کنیت ابو یزید تھی۔عہد جاہلیہ میں یہ اشراف قریش میں شمار ہوتے تھے۔ام المومنین حضرت سودہ کے پہلے شوہر سکران بن عمرو (جو قدیم الاسلام اور مہاجرین حبشہ میں سے تھے) کے بھائی تھے (المعارف،ص ۱۲۳)، خطیب قریش تھے جنگ بدر میں قریش مکہ کی طرف سے شرکت کی اور گرفتار ہوئے۔صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کی طرف سے اہم کردار ادا کیا۔اسی دوران ان کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو گیا۔مگر سہیل بن عمرو نے اسے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ نہ جانے دیا۔فتح مکہ کے بعد اپنے شرک پر قائم رہنے کے باوجود جنگ حنین میں رسول اللہؐ کی طرف سے شریک ہوئے۔جعرانہ میں اسلام لائے۔رسول اللہؐ نے اس دن غنائم کی تقسیم کرتے ہوئے سہیل کو سو اونٹ عطا کئے۔مولفتہ القلوب میں سے تھے۔لیکن ان کا اسلام بہت اچھا تھا فتنہ ارتداد میں یہ مضبوطی سے اسلام پر قائم رہے انہوں نے رسول اللہؐ سے چند احادیث روایت کی ہیں۔شام کی فتوحات میں شریک رہے پھر ۱۸ھ کے عمواس کے طاعون میں شام میں وفات پا گئے (طبقات الکبریٰ، جلد ۵،ص ۴۵۳، جمھرۃ الانساب العرب،ص ۱۶۶، الاستیعاب، جلد ۲،ص ۶۶۹ تا ۶۷۲)

۶۵۔ ابن ہشام، جلد ۴،ص ۶۶۶، صفتہ الصفوۃ، جلد ۱،ص ۸۔۳۰۷

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ صحیح بخاری، جلد ۴،ص ۱۵۴

Marfat.com

باب چہارم

موالی...... عہد خلافت راشدہ میں

عہد خلافت راشدہ (۱) میں لفظ ''مولیٰ'' کے مفہوم نے وسعت اختیار کی اور تمدنی طور پر ہونے والی عظیم تبدیلیوں کے نتیجے میں موالی کی سماجی حیثیت میں بھی تغیر آیا۔ فتوحات اسلامی کے نتیجے میں غیر عرب خصوصاً عجمی موالی کا نیا عنصر معاشرے میں داخل ہوا۔ موالی کی اس نئی قسم کو ہم ''مولیٰ الاسلام'' کا نام دیں گے۔ نیز اسی عہد خلافت راشدہ میں عرب ''مولیٰ'' کی قسم سے خارج ہو گئے کہ کیونکہ اس بات پر پابندی لگا دی گئی کہ عربوں کو نہ تو غلام بنایا جا سکتا ہے نہ ذمی۔ یوں جو نئی معاشرتی طبقہ بندی سامنے آئی وہ عرب۔ موالی اور غلام کی تھی۔

معاشرے کو عہد رسالت کے نظریات سے قریب تر رکھنے کے لئے خلفائے راشدین نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، فتوحات کے نتیجے میں آنے والے تیز رفتار تمدنی تغیر نے حالات میں بہت کچھ تبدیلی پیدا کر دی جس کے نتائج حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔

جب رسول اللہ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی اسلامی حکومت کا دائرہ جزیرۃ العرب تک محدود تھا البتہ ہمسایہ اقوام کو اسلام کی دعوت دی جا چکی تھی اور ان کے ساتھ سرحدی جھڑپوں کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتوحات ملکی کے عظیم سلسلہ کا آغاز ہوا جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد تک جاری رہا جس کے نتیجے میں عراق، ایران، شام اور مصر مکمل طور پر فتح ہو گئے۔ ساسانی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ رومیوں کو سمٹنے پر مجبور ہونا پڑا اور اسلامی حکومت کا جھنڈا دو عظیم براعظموں پر لہرانے لگا، ان عظیم فتوحات کے نتیجے میں نہ صرف ایک وسیع رقبہ مملکت اسلامیہ کا جزو بنا بلکہ لاکھوں افراد اسلامی ریاست کے شہری بنے۔

Marfat.com

جن کا تعلق مختلف قومیتوں اور مختلف تہذیبوں سے تھا۔ ان میں ایرانی عنصر سب سے زیادہ نمایاں اور قومی تھا۔ لہٰذا ذیل میں عراق و ایران کے حوالے سے اسی نئے عنصر پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ساسانیوں کا پائیہ تخت مدائن تھا جو عراق کا ایک شاندار شہر تھا۔ عراق دجلہ و فرات کی وادی میں جنوبی حصے کی جانب واقع ہے جس کی زمین سرسبز و زرخیز، پانی بکثرت اور فضا معتدل ہے۔ یہ علاقہ آبادی اور مدنیت میں روئے زمین پر خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ پرانے زمانے میں بھی قریب تین ہزار سال قبل مسیح سے لے کر پے در پے متمدن قومیں اسی حصۂ زمین پر حکمران رہیں، بابلی، اشوری، کلدانی، یونانی اور ایرانی تمام قوموں نے عراق میں مختلف سلطنتیں قائم کیں، پرانے زمانے میں عرب بھی اس سرزمین سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ بکر اور تغلب نے جو ربیعہ کے قبائل تھے، اس سرزمین پر قدم رکھا اور مشہور لخمی قبیلہ نے یہاں اپنی حکومت قائم کرلی۔ یہ حیرہ میں مناذرہ کی حکومت کہلاتی تھی جس کا تذکرہ باب دوم میں ہو چکا ہے۔ حضرت عمر کے عہد خلافت میں عراق کی فتح کے بعد یہاں بصرہ اور کوفہ کی فوجی چھاؤنیاں بنائی گئیں جو بہت جلد دو عظیم شہروں کی شکل اختیار کر گئیں۔ مدائن اور بابل و حیرہ کا تمدن یہاں منتقل ہو گیا اور چوتھے خلفیہ حضرت علیؑ نے جب کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو ان شہروں کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔

۱۴ھ/ ۶۳۵ء میں حضرت عمرؓ کی ہدایت پر عراق میں بصرہ (۲) کی پہلی فوجی چھاؤنی قائم کی گئی۔ جس کے بنیادی مقاصد میں ایک تو یہ تھا کہ عراق، خلیج فارس اور ایران کے راستوں کی نگرانی کی جاسکے، اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ آئندہ فرات و دجلہ کے مشرق کی طرف شروع ہونے والی مہمات کے لئے یہ شہر نقطۂ آغاز بن سکے، نیز اس چھاؤنی کو آباد کرنے کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ عرب صحرا کی آب و ہوا سے متمتع ہوتے رہیں۔

بصرہ کے ابتدائی آباد کار عرب فوجی تھے، جنہوں نے جنگ نہاوند (۲۱ھ/۶۴۲ء) نیز اصطخر، فارس، خراساں، سجستان کی تسخیر (۲۹ھ/۶۵۰ء) میں حصہ لیا جس سے ایک طرف تو مال غنیمت کی صورت میں شہر بصرہ میں خوشحالی آئی دوسری طرف غلاموں اور موالی کی تعداد میں بھی

Marfat.com

معتد بہ اضافہ ہوا، گوکہ یہ اضافہ کوفہ کے مقابلے میں بہت کم تھا۔

سب سے پہلے بصرہ میں وہ دو ہزار سپاہی آباد ہوئے جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے، پھر حضرت عتبہ بن غزوان کے ساتھ پانچ ہزار افراد مزید آئے (۳) اس کے بعد یہ تعداد مسلسل بڑھتی رہی جلد ہی بصرہ پانچ قبائلی حلقوں میں تقسیم ہو گیا۔

۱۔ اہل العالیہ	:	یعنی حجاز کے بالائی علاقوں کے باشندے۔
۲۔ بنو تمیم	:	مضری قبائل میں انہیں اولین درجہ حاصل ہے۔
۳۔ بنو بکر بن وائل	:	یکے از قبائل ربیعہ
۴۔ بنو عبدالقیس	:	یک از قبائل ربیعہ
۵۔ بنو ازد	:	یمنی قبیلہ (از دسراۃ واز دعماں)

ان میں بنو ازد یمنی تھے باقی سب عدنانی قبائل تھے، بصرہ کے فوجیوں کا طبقہ انہی عرب عناصر سے مرکب تھا، اس کے مقابلے میں موالی بہت کم تھے۔ ان موالی میں عراق کے اصل باشندے اور باہر سے آئے ہوئے گروہ مثلاً ایرانی، ہندی، سندھی اور زنجی وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے مختلف عرب قبائل سے عقد موالات کے تحت تعلق جوڑ لیا تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے آقاؤں کے تنازعات کو بھی اپنا لیا تھا۔

عراق میں آباد ہونے والا دوسرا شہر کوفہ تھا، جس کی بنیاد حضرت عمرؓ کے زمانے میں، انہی کے حکم پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے ۱۷ھ/ ۶۳۸ء میں رکھی تھی۔ یہ شہر دریائے فرات کے مغربی کنارے پر ایک وسیع میدان کے بہت بڑے رقبے پر آباد کیا گیا تھا تاکہ دارالخلافہ مدینہ تک نقل و حمل پر طبعی رکاوٹیں اثر انداز نہ ہو سکیں، اس شہر کو بسانے کا خاص مقصد یہ تھا کہ عربوں کو ایک مضبوط اور دفاعی اعتبار سے ایک مستحکم چھاؤنی حاصل ہو سکے اور نئے مفتوحہ صوبوں کے لوگوں کو آسانی سے قابو میں رکھا جا سکے۔

لفظ ''کوفہ'' کے عام معنی ہیں ''ریت کا گول ٹیلا''، اس نام سے پتا چلتا ہے کہ شہر کا قدیم ترین حصہ اسی نوع کی بلندی پر بسایا گیا ہوگا۔ کوفہ کا محل وقوع بصرہ سے زیادہ صحت افزا سمجھا جاتا

Marfat.com

تھا۔ عرب جوں جوں مشرق کی طرف بڑھتے گئے، کوفہ کی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی اعتبار سے یہاں کی آبادی بھی تیزی سے بڑھنے لگی۔ کوفہ میں چالیس ہزار خاندانوں کی آبادکاری کی گنجائش تھی۔ ہر قبیلہ کے آباد ہونے کے لئے الگ الگ حد بندی کردی گئی تھی۔ ابتدأ کوفہ کے دو حصے کئے گئے ایک مشرقی حصہ تھا جو بہترین تھا اور دوسرا مغربی حصہ تھا۔ اس کے بعد قرعہ اندازی کی گئی مشرقی حصہ اہل یمن کے حصے میں آیا اور مغربی حصہ نزاریوں کے۔ کوفہ میں یمن کے لوگ نزاریوں کے مقابلے میں زیادہ تھے۔ چنانچہ یمنی بارہ ہزار تھے اور نزاری آٹھ ہزار۔ جو قبائل کوفہ میں آباد ہوئے ان میں بنو سُلیم، بنو ثقیف، بنو ہمدان، بنو بجیلہ، بنو تیم اللات، بنی تغلب، بنی اسد، بنو کندہ، بنو ازد، بنو مزینہ، بنو تمیم، بنو عارب اور بنو مذحج وغیرہ شامل تھے۔

کوفہ کی آبادی کے عناصر میں عرف فوجیوں کے علاوہ سوداگر، کاریگر اور دوسرے مزدور بڑی تعداد میں آکر آباد ہوئے جن میں سے بیشتر ایرانی النسل تھے۔ اس کے علاوہ جہاد کے معرکوں میں مال غنیمت کے ساتھ تقسیم ہونے والے لونڈی اور غلام اپنے مالکوں سمیت کوفہ میں بس رہے تھے۔ جن سے ایک نئی نسل پیدا ہو رہی تھی۔ آزاد ایرانیوں نے بھی عربوں سے عقد ولاء کر کے کوفہ کے شہر میں بسنا شروع کر دیا تھا۔ یہ موالی کہلائے، کوفہ میں ان کی خاصی بڑی تعداد آباد تھی۔ یہ ایرانی موالی اپنی ایک مخصوص تہذیب رکھتے تھے۔ ساسانیوں کے دور عروج کا تمدن کتنا ہی شاندار رہا ہو مگر دور زوال کا تمدن کبھی بھی قابل تقلید نہیں ہوتا لہٰذا ایرانی موالی اپنی تمدنی خامیوں کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مسلمان ہونے والے ایرانیوں کی ایمانی کیفیت بھی دو طرح کی تھی، کچھ تو وہ تھے جنہوں نے قلب صمیم کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم زیادہ تر ایسے تھے جن کا اسلام "اعراب" کے اسلام سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔

کوفہ حضرت عمر کے زمانے میں ہی خاصی ترقی کر گیا تھا۔ یہاں تین سو "اصحاب الشجرہ" (یعنی وہ اصحاب جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی) اور ستر بدری صحابی آئے۔ تاہم اکثریت "اعراب" کی تھی، جو اپنی سابقہ قبائلی و نسلی عصبیتوں کے ساتھ آکر آباد ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کوفہ جلد ہی قریشی، غیر قریشی تصادم میں الجھ گیا۔ یہ بحران حضرت عثمان کے دور میں

Marfat.com

شروع ہو چکا تھا۔ جس کا اندازہ گورنر کوفہ، سعید بن العاص کے خط، بنام حضرت عثمانؓ سے ہو سکتا ہے، انہوں نے کوفہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا:

''اہل کوفہ کے معاملات خراب ہو گئے ہیں، قدیم اور شریف خاندان مغلوب ہو گئے ہیں۔ بعد میں آنے والے لوگ اوز اعراب، یہاں کے معاملات پر غالب آ گئے ہیں، یہاں تک کہ شرفاء اور بہادر اشخاص کو کوئی نہیں پوچھتا''۔ (۴)

اہل کوفہ ابتداء سے ہی متلون المزاجی کا مظاہرہ کرتے رہے، ان کی اکثریت، ناقابل اعتبار تھی۔ حضرت عمر بھی ان سے شاکی تھے۔ یہ لوگ خلفیہ کے مقرر کردہ عمال سے جلد ہی اکتا جاتے اور ان کی شکایتیں کر کر کے انہیں معزول کرا دیتے۔ اس کی وجہ وہاں کی آبادی کا تنوع تھا۔ جتنی مختلف آبادی تھی، اتنی ہی مختلف اور متنوع ان کی پسند اور خواہشات تھیں، اپنے عہد خلافت کے آخری چھ سالوں میں حضرت عمرؓ کو تین بار کوفہ کا عامل بدلنا پڑا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سخت برہم ہو کر کہا ''خدا کی پناہ، کوفہ کے لوگ بھی عجیب و غریب ہیں اگر میں ان پر کوئی مضبوط آدمی حاکم بناتا ہوں تو یہ لوگ اس میں کیڑے نکالنے شروع کر دیتے ہیں اور اگر کسی کمزور کو حاکم بناتا ہوں تو یہ اس کی تحقیر و تذلیل شروع کر دیتے ہیں''۔ (۵)

اہل کوفہ کا ایک سیاسی کردار یوں تو ابتداء سے ہی نظر آتا ہے۔ تاہم جب حضرت علیؓ نے خلفیہ بننے کے بعد کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو اس شہر کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

شام بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں زیر نگیں ہوا۔ شام قدیم زمانہ میں فینقی، کلدانی، اموری، یونانی اور کنعانی وغیرہ مختلف قوموں اور ان کی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ فراعنہ مصر، یونانی، رومی اور آخر میں غساسنہ عرب کی رزم گاہ رہ چکا تھا۔ جب اسلام کے زیر نگیں آیا ہے اس وقت یہ رومی سلطنت کے ماتحت تھا۔ اس کے باشندے مذہباً عیسائی اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے رومی تھے۔ اصل باشندگان ملک کے علاوہ یہاں ارمن، یہود، رومی اور بعض عرب قبائل جن میں مشہور غسان، لخم، جذام، کلب، قضاعہ اور تغلب تھے، آباد تھے۔ یہ عرب قبائل شام کے جنوبی حصے میں زیادہ آباد تھے، ان عرب قبائل کی زبان، آرامی اور عربی کا ملغوبہ تھی۔ یہ لوگ اپنے

Marfat.com

آپ کو شامی ہی سمجھتے تھے۔حجاز کے عربوں سے ان کا تعلق محض تجارتی تھا یہی وجہ ہے کہ جب شام کے محاذ پر جنگ ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں رومیوں کا ساتھ دیا۔

شام کا ایک اہم شہر حمص تھا، آمد اسلام سے قبل بے شمار عرب یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔۸۱ ق۔م سے ۹۶ ء تک حمص پر عربوں کا ایک مقامی خاندان حکومت کرتا تھا۔ بنوتنوخ بھی ان قبائل میں شامل تھے جو اس علاقہ میں آ کر بس گئے تھے۔عربوں کی فتح کے زمانے میں بے شمار نیم خانہ بدوش قبائل جنوب سے آ کر حمص میں آباد ہوئے جس کی وجہ سے حمص یمنی عربوں کا اہم مرکز بن گیا۔حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان حمص میں بغیر کسی خونریزی کے ۱۶ھ/ ۶۳۷ء میں داخل ہوئے تھے۔اسلامی صوبہ بننے کے بعد ایک روایت کے مطابق رسول اللہؐ کے پانچ سو صحابہؓ اس شہر میں سکونت کے لئے آئے۔

شام کا ایک اور علاقہ ''حلب'' تھا یہاں بھی اسلامی فتوحات سے قبل بڑی تعداد میں عرب آباد تھے، خصوصاً حاضر حلب کی بیرونی بستی پوری کی پوری تنوخ قبیلے پر مشتمل تھی۔اس لئے جب مسلمانوں نے ۱۶ھ میں خالد بن ولید کی سرکردگی میں حلب پر یلغار کی تو کسی نے ان کا جانفشانی سے مقابلہ نہیں کیا۔اہل شہر نے بغیر کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیئے۔عربوں میں سے بعض نے فوراً اسلام قبول کر لیا لیکن بیشتر مقامی لوگ عبدالملک بن مروان کی خلافت سے قبل مسلمان نہیں ہوئے۔حلب میں آبادی کا بڑا عنصر شامی تھا جو مذہباً عیسائی تھے۔

دمشق، جو کہ شام کا اہم صوبہ تھا، اس کا سقوط ایک انتہائی اہم واقعہ تھا جس نے شام پر رومیوں کی سیادت کا خاتمہ کر کے اس شہر کو پھر سامی حلقہ اثر میں ڈال دیا اور اس کا رخ ازسرنو صحرا اور مشرق کی طرف ہو گیا۔اہل دمشق نے بھی عرب فاتحین کا خوشدلی سے خیر مقدم کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام سے بہت زیادہ قریب ہیں اور انہیں توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کے زیر حکومت زیادہ آزادانہ زندگی بسر کر سکیں گے۔

مصر بھی حضرت عمرؓ کے زمانے میں مفتوح ہوا۔مصر تہذیب وتمدن کا قدیم گہوارہ رہ چکا تھا جس کی تعمیر میں قدیم اہل مصر، یونانیوں اور رومیوں نے حصہ لیا تھا۔اسکندریہ، فلسفہ اور مذہب

Marfat.com

کے مختلف مکاتب فکر اور مشرقی مغربی افکار ونظریات کا مرکز رہ چکا تھا۔ یہاں مصر کے اصل باشندوں کے علاوہ یہودی اور رومی بھی آباد تھے۔ مسلمانوں نے مصر کو فتح کیا تو وہاں رومی تہذیب پھیلی ہوئی تھی۔ مصر کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد دیگر عربوں نے مصر کا رخ کیا اور فسطاط میں انہوں نے اپنے قبائل کے ناموں کے مطابق نشان زدگی شروع کر دی۔ وہ شہروں اور دیہاتوں میں پھیل گئے اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا، زراعت ان کا پیشہ تھا۔ بہت سے قبطی بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ عربوں کے نسب، مصریوں کے نسب کے ساتھ خلط ملط ہو گئے کیونکہ باہمی شادیوں کا رواج بڑھ گیا تھا۔ مصر پر عربوں کا اثر غالباً سب سے زیادہ پڑا۔ یہ بات بظاہر خاصی حیرت انگیز ہے کہ جن مصریوں نے یونان وروم کے پرزور تمدن کو نہ مانا انہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن کو اس حد تک اپنا لیا کہ بالکل عرب ہو گئے۔ مصر میں فراعنہ کا قدیم تمدن نیز وہ تمدن جسے یونانیوں اور رومیوں نے بعض شہروں میں قائم کیا تھا بالکل ناپید ہو گیا اس کی جگہ نوزائیدہ اسلامی تمدن نے لے لی۔ (۶)

ان فتوحات کا مقصد قرب وجوار کی حکومتوں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں تھا (۷) بلکہ ان جنگوں کی ابتدا اسلامی ریاست کے دفاع کے لئے شروع ہوئی تھی لہٰذا مسلمان سپہ سالار اپنے مدمقابل کو تین میں سے کسی ایک بات کو اختیار کرنے کی آزادی دیتے تھے، پہلی بات تو یہ کہ وہ سلام قبول کر لیں اور مسلمان ہو جائیں ایسی صورت میں ان کے حقوق وفرائض دیگر مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اور اسلامی حکومت میں اہل الذمہ بن کر رہیں۔ تیسری اور آخری صورت جنگ تھی (۸) (بشرطیکہ اول الذکر دونوں باتیں مدمقابل کو منظور نہ ہوں)

مسلمان قائدین کی پہلی فراخدلانہ پیش کش کے نتیجے میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ لوگ جو اسلام لے آئے تھے ان کے ساتھ حلف وولاء کا معاملہ کر کے انہیں موالی قرار دیا گیا، موالی کی اس نئی قسم کو جیسا کہ باب کے شروع میں لکھا گیا ''موالی الاسلام'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کے وہی حقوق رکھے گئے جو مسلمانوں کے تھے اور ان پر بالکل وہی فرائض عائد کئے گئے

Marfat.com

جو دیگر مسلمانوں کے تھے۔ یہ غیر عرب نو مسلم عموماً کسی عرب قبیلے کے ساتھ حلف یا ولاء کا معاملہ کر لیتے تھے گو کہ یہ لازمی نہیں تھا، اگر وہ لوگ آپس میں مل کر جداگانہ قبیلے کی شکل اختیار کرنا چاہتے تو انہیں اس کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ اپنے سپہ سالاران لشکر کو حضرت عمرؓ نے اس ضمن میں ایک واضح پالیسی دی تھی چنانچہ مختلف لشکروں کے امراء کے نام یہ فرمان جاری کیا۔

"ومن اعتقتم من الحمراء فاسلموا فالحقوهم بمواليهم، عليهم ما عليهم. و ان احبوا ان يكونوا قبيلة وحدهم فاجعلوهم اسوتكم في العطاء والمعروف"۔(فی حدیث طویل(۹))

یعنی غیر عرب اقوام کے جن غلاموں کو تم آزاد کرو اور وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کا شمار ان کے آزاد کنندہ کے زمرے میں کرو جو مراعات انہیں حاصل ہوں وہی ان نومسلموں کو دو اور جو ذمہ داریاں ان پر ہوں وہی نومسلموں پر بھی لگاؤ اور اگر یہ لوگ باہم مل کر جداگانہ قبیلہ کی شکل اختیار کرنا چاہیں تو انہیں اس کی آزادی دو اور وظائف اور دیگر دستور وغیرہ میں ان سے اسی طرح کا سلوک کرو۔ (یہ ایک طویل روایت کا اقتباس ہے)

ان امیران لشکر کو اس بات کی خصوصی تاکید تھی کہ ان موالی کے ساتھ مسلمانوں کا عام برتاؤ مساویانہ اور روادارانہ ہونا چاہئے۔ یہی نہیں بلکہ جس عامل کے خلاف انہیں اس کے برخلاف شکایت ملتی اس کی سختی سے باز پرس بھی کرتے تھے۔(۱۰)

ان فتوحات کے دوران کئی دفعہ محاربین نے مسلمان سپہ سالاروں سے اس قسم کی بات پوچھی کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ یہ وہ پریشانی تھی جو ان کے دلوں میں فطری طور پر اٹھ رہی تھی۔ اس کا جواب انہیں ہر سطح پر یہی دیا گیا کہ مسلمان ہو جانے والوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے گا ایک مسلمان کے جو حقوق و فرائض ہیں وہی حقوق و فرائض ان کے ہوں گے۔ چنانچہ بنو تغلب (۱۱) کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے لکھوایا۔

"میرا معاہدہ یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی مسلمان ہوگا اس کے حقوق و فرائض وہی ہوں

Marfat.com

گے جو تمام مسلمانوں کے ہیں اور جو اسلام قبول نہ کرے اسے جزیہ دنیا ہوگا''۔(۱۲)

اہل مدائن کے نام حضرت خالد ابن ولید نے جو خط لکھا تھا اس میں بھی اسی قسم کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔''......اور جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہی مسلم ہے، اس کے حقوق اور ہمارے حقوق برابر ہیں''۔(۱۳)

مساویانہ طرز عمل کی پیش کش غیر عربوں کے لئے انتہائی پر کشش تھی۔ بالخصوص جب مسلمانوں کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیوں اور رومیوں کی ناہموار اور غیر مساوی طرز معاشرت سے مقابلہ ہوتا تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ اور نمایاں ہو جاتا کیونکہ اس وقت کے ایرانی، ہندوستانی اور رومی معاشرے بدترین قسم کے نسلی اور طبقاتی تعصبات میں گرفتار تھے۔ یہ نسلی امتیازات ان کے دانشوروں کے خیالات کا نچوڑ تھے۔(۱۴) جبکہ قرآن قبائلیت اور نسلیت کی واضح نفی کر کے، اس کی سخت حوصلہ شکنی کرتے ہوئے مساوات واخوت کا اصول متعارف کراتا ہے، جو طبقاتی کشمکش کے شکار لوگوں کے لئے ایک امید افزا پیغام تھا لہٰذا اسلام کو مشرق و مغرب میں شرف قبولیت حاصل ہوا اور تین براعظموں پر اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرانے لگا۔ گستاولیبان کا یہ کہنا درست ہے کہ ''یہ رواداری و ملائمت عربوں کی فتوحات کے پھیل جانے اور ان کے مذہب، نظامات اور زبان کے ہر جگہ بآسانی مقبول ہو جانے کا ایک سبب تھا۔(۱۵)

جن محاربین نے مسلمان قائدین کی پہلی پیش کش کو قبول نہیں کیا (یعنی اسلام قبول نہیں کیا) تاہم جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا نہ ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کیا گیا اور نہ انہیں لونڈی غلام بنایا گیا۔ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کائتانی لکھتا ہے۔

''ابتدائی سالوں میں عربوں نے کسی شخص کے ساتھ مذہب کی بناء پر بدسلوکی روا نہیں رکھی اور نہ انہوں نے کسی کا مذہب تبدیل کرانے کی زحمت اٹھائی۔ چنانچہ ابتدائی فتوحات کے بعد، اسلامی عہد حکومت میں عیسائی عربوں نے ایسی مذہبی آزادی کی راحت پائی جو انہیں کئی نسلوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی''۔(۱۶)

نکلسن کو بھی مسلمانوں کی اس خوبی کو تسلیم کرنا پڑا ہے(۱۷) اسی طرح گستاولیبان بھی

Marfat.com

عرب فاتحین کے مثالی سلوک، مساویانہ طرز عمل اور منصفانہ رویہ کا اعتراف کھلے دل سے کرتا ہے۔

(۱۸) ولندیزی مورخ دخویے DE GOEJE لکھتا ہے۔"فی الحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ عربوں نے مفتوحوں سے جو سلوک کیا اگر اس کا مقابلہ وہاں کے سابق مالکوں کے بے اصول ظلم سے کیا جائے تو بڑا ہی سخت فرق نظر آتا ہے"۔(۱۹)

اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ پہلی صدی ہجری میں شام وفلسطین کی عام زبان تک عربی ہوگئی اور یہ علاقے آج تک خالص عربی ہیں۔

جن لوگوں نے نہ تو پہلی تجویز قبول کی اور نہ دوسری، بلکہ جنگ کرنے پر کمر بستہ رہے ان سے جنگ کی گئی اور اس وقت کے مروجہ قوانین جنگ کے مطابق فاتحین، مفتوحہ قوم کے مال پر تصرف کرتے، ان کے محاربین کو قیدی بنا لیتے۔تاہم قیدی بنانا ضروری نہیں تھا جیسا کہ عراق وشام کی فتوحات کے دوران خالد بن ولید اور ان کے تمام فوجی افسروں نے مفتوحہ علاقوں کے کاشتکاروں سے کوئی تعرض نہیں کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ان کو ایسی ہی ہدایات دی گئی تھیں البتہ ان جنگجو لوگوں کی اولاد کو جو اہل عجم کی خدمات ملکی انجام دیتے تھے گرفتار کر لیا، اس طور سے عین التمر کے قیدی سب سے پہلے غیر عرب جنگی قیدی تھے جو مدینہ لائے گئے۔(۲۰) ۱۲ھ سے یہ سلسلہ شروع ہوا ہے تو صدیوں جاری رہا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ان کی مرضی کے خلاف فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، ایران، عراق، الجزیرہ، شام اور مصر کی فتوحات کے ساتھ ہی موالی کی اتنی کثرت ہو گئی کہ حضرت عمرؓ کو اپنی قوم، یعنی عربوں کے دین اور ان کی بعض قابل ذکر شخصی صفات کے ضائع ہونے کی فکر ہو گئی۔فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی یہ فکر اور تشویش بھی شدید تر ہوتی چلی گئی۔اہواز اور اس کے قریبی علاقوں کی فتح پر حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ" کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوتا نہ تو ہم ان تک پہنچ سکتے اور نہ ہی ان کی رسائی ہم تک ہوتی۔ مجھے مال غنیمت سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی سلامتی عزیز ہے اور اسے غنیمت پر ترجیح دیتا

Marfat.com

ہوں''۔(۲۱) ابتداً حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی طرف پیش قدمی کی اجازت نہ دینا اور حضرت امیر معاویہؓ کو حکماً بحری جنگوں سے روک دینا (۲۲) یہ سب کچھ دراصل اسی تشویش کے مظہر تھے۔

اس سلسلے میں ان کی سوچ یہ تھی کہ عربوں کو منتشر ہو کر غیر اقوام کے علاقوں اور ملکوں میں اقلیت بن کر نہیں رہنا چاہئے۔ان کے خیال میں عرب قوم کے لئے اس سے زیادہ ضرر رساں اور کوئی بات نہیں کہ وہ مختلف ملکوں میں پھیل کر اپنی جمعیت کو منتشر کر دیں۔ چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے کچھ اقدامات کئے مثلاً حضرت عمرؓ کبار صحابہ کا حجاز سے باہر جانا خصوصاً عراق و شام سے آگے پھیل جانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ عرب عجمیوں کی سی عادات و اطوار اختیار کر لیں، وہ عربوں کو اس بات کی تاکید کرتے رہتے تھے کہ وہ اپنے انساب یاد کریں وہ کہتے تھے۔

تعلموا النسب ولا تكونوا كنبيط السواد اذا سئل احدهم عن اصله قال :من قرية كذا و كذا (۲۳)

یعنی اپنے نسب نامے یاد رکھو اور جب تم سے نسب کی بابت پوچھا جائے تو نبطیوں کی طرح یہ مت کہو کہ ہم فلاں گاؤں کے ہیں۔

حضرت عمر غیر قوم کے لوگوں کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ (۲۴) عراق میں جو نئے شہر کوفہ اور بصرہ کے بسائے گئے اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عرب سپاہیوں کو مقامی لوگوں سے اختلاط سے روکا جا سکے۔

حضرت عمر کے ان اقدامات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ غیر عرب اقوام کو پسند نہیں کرتے یا انہیں کمتر اور عربوں کو برتر سمجھتے تھے درست تجزیہ نہیں ہوگا، انہوں نے عربوں کو متنبہ کر دیا تھا کہ اگر عجمی قیامت کے دن اپنے نیک اعمال لے کر آ گئے اور ہم تم بغیر عمل کے حاضر ہوئے تو وہ اہل عجم ہی رسول اللہؐ کے اس دن زیادہ قریب ہوں گے کیونکہ عمل کی کمی کو نسب پورا نہیں کر سکتا۔(۲۵)

اصل بات یہ تھی کہ حضرت عمرؓ ان اقدامات کے ذریعہ عربوں کے دین کو خالص اور ان

Marfat.com

کی مخصوص صفات کا دفاع چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ عربوں میں دینی حمیت اور قومی غیرت جاگی رہے اور رسول اللہ کا دین اغیار (غیر مسلموں) کے ہاتھوں مسخ ہونے سے بچ سکے اس کے پیچھے غیر عربوں (موالی) کے لئے کسی قسم کا جذبہ حقارت بہرحال نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے موالی کے مقابلے میں عربوں کو نہ تو کوئی خاص مراعات دیں اور نہ قومیت اور مساوات میں فرق ڈالنے والی کوئی بات کی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو شخص بھی اسلام لاتا تھا اس کو مسلمان عرب کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے۔ اس پالیسی پر آپ کے بعد بھی عمل ہوتا رہا۔ (۲۶)

جب حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایرانی سپہ سالار رستم سے گفتگو کی تو اسی بات پر فخر کیا تھا۔ انہوں نے کہا ''ہمیں تمہاری عقلمندی کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں مگر ہم نے تم سے زیادہ بے وقوف قوم نہیں دیکھی۔ ہم اہل عرب مساوی درجہ رکھتے ہیں ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو غلام بنائے ہوئے نہیں ہے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کسی جنگ میں ہمارے ہاتھ آئے۔ میرا خیال تھا کہ تم میں بھی ہمارے جیسی قومی ہمدردی ہوگی۔ مگر تم نے عملی طور پر بہترین انداز میں مجھے مطلع کر دیا ہے کہ تم میں سے کچھ افراد دوسروں کے دیوتا ہیں...... تمہاری حکومت کمزور ہو چکی ہے اور تم ضرور ہار جاؤ گے کیونکہ کوئی ملک ان عادات وخصائل کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا''۔ (۲۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا یہ جملہ ''ہم اہل عرب مساوی درجہ رکھتے ہیں ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو غلام بنائے ہوئے نہیں ہے''۔ غالباً حضرت عمرؓ کے اس حکم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے تحت یہ لازم کیا گیا کہ کوئی عرب کسی کا غلام نہیں رہ سکے گا۔ اسے لازماً چھ یا سات گائے کے عوض آزاد کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا

''عربوں کے لئے یہ بری بات ہے، کہ ان کے کچھ افراد اپنے ہم جنسوں کے مالک بن جائیں''۔

ان کا کہنا تھا کہ چونکہ اب فراخی وکشادگی نصیب ہوگئی ہے اور اہل عجم کو مفتوح کر لیا گیا ہے لہٰذا عہد جاہلیت اور عہد اسلام کے عرب قیدیوں کو فدیہ لے کر لازماً رہا کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ حضرت عمرؓ نے مشورے کے بعد کیا۔ مشورے میں طے پایا کہ ام ولد کے علاوہ ہر عرب قیدی یا غلام

Marfat.com

چھ یا سات گائے زرفدیہ دے کر مالک سے آزادی حاصل کرلے۔اس ضمن میں قبائل حنیفہ اور کندہ کو خاص رعایت دی گئی تھی کیونکہ جنگوں میں مارے جانے کی وجہ سے ان کے مردوں کی تعداد کم ہوگئی تھی۔(۲۸) طبری نے اسی بیان میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ 'اہل دبا اور دوسرے تہی دستوں کو بھی آپ نے فدیہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا''۔(۲۹)

حضرت عمرؓ نے جب تمام قیدیوں کو زرفدیہ لے کر آزاد کر دیا تو کوئی عرب غلام نہیں رہ گیا البتہ چند ام ولد قریش میں رہ گئیں مثلاً بشریٰ بنت قیس بن ابی الکسیم جو سعد بن مالک کے پاس تھیں اور ان کے بیٹے عمر کی ماں تھیں۔زرعہ بنت مشرح جو عبداللہ ابن عباس کے پاس تھیں اور ان کے بیٹے علی کی ماں تھیں اور چند دوسری ام ولد۔(۳۰)

یہ واقعہ بھی حضرت عمرؓ ہی کے دور کا ہے جب ایک غلام کی دی گئی پناہ کو تسلیم کیا گیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مسلمان فوجیں، ایران کے مشہور شہر جندی شاپور کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں ایک روز اہل شہر نے خود شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمانوں کو سخت تعجب ہوا۔دریافت کرنے پر جواب ملا ''تم لوگوں نے جزیہ پر ہم سے مصالحت کر لی ہے اور اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی مناقشہ نہیں رہا''۔تحقیق پر معلوم ہوا کہ ایک غلام مکنف جو سوس کا رہنے والا تھا، اس نے امان نامہ بشرط ادائے جزیہ لکھ کر تیر میں باندھ کر پھینکا تھا۔مسلمانوں نے خلیفہ وقت کو لکھ کر پوچھا حضرت عمرؓ نے جواباً غلام کے امان دینے کو جائز رکھا اور لکھا کہ ''مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اس نے جس کو امان دی اسے تمام مسلمانوں نے امان دی''۔(۳۱)

Cl.Huart اس واقعہ کو جھٹلاتے ہوئے لکھتا ہے۔''سیف بن عمر کی کہانی جس کی رو سے اس شہر کا سقوط غلام مکنف کی جعل سازی کا نتیجہ تھا محض ایک خیالی افسانہ معلوم ہوتی ہے''۔(۳۲)

Cl.Huart اس واقعہ کو خیالی افسانہ قرار دینے کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے جبکہ اسلامی تاریخ کے ایک دو نہیں، چار اہم ماخذ یعنی تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون اور کتاب الاموال اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھا فیصلہ نہیں تھا۔اس ضمن میں رسول اللہ کا یہ فرمان موجود تھا۔

Marfat.com

و ان ذمہ اللہ واحدۃ، یجیر علیھم ادناھم. و ان المومنین بعضھم موالی بعض دون الناس (۳۳)

یعنی بے شک اللہ کا ذمہ ایک ہے۔ ان کا ایک ادنیٰ آدمی بھی ان کی طرف سے ذمہ لے سکتا ہے اور بے شک مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور موالی ہیں ماسوائے دوسرے لوگوں کے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ؐ کی تعلیمات پر سختی سے عمل ہو رہا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ طرز عمل افسانہ نہیں عین متوقع تھا۔ دراصل بیشتر غیر مسلموں کے لئے مسلمانوں کی مساوات و رواداری سخت تعجب خیز تھی۔ جب خود انہیں اس آزمائش سے گزرنا پڑا تو بعض اوقات وہ ثابت قدم نہ رہ سکے۔ جبلہ بن الایہم، شاہ غسان کی مثال تاریخ میں موجود ہے۔ (جس کا تذکرہ اسی مقالے کے باب سوم، فصل اول میں کیا جا چکا ہے۔)

الغرض فتوحات کا جو سلسلہ حضرت عمرؓ کے دور سے چلا آ رہا تھا، حضرت عثمانؓ کے عہد میں مزید آگے بڑھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے پر اسی طرح مجبور تھے، جس طرح حضرت عمرؓ خود کو مجبور پاتے تھے۔ ایرانی اور رومی اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے خلیفہ ثالث کو مجبور کرتے رہے کہ وہ فوج کشی کا سلسلہ جاری رکھیں چنانچہ کئی مفتوحہ علاقوں مثلاً آذربائیجان، آرمینیا، رے، اصطخر، خراسان اور بجستان وغیرہ نے بغاوت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جس جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کی تھی اسے روک لیا تھا، رومیوں نے بھی بدعہدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شام پر حملہ کر دیا، اسکندریہ کے رومیوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور قسطنطین رومی نے ان کی مدد کی۔ ان حالات کے پیش نظر خلیفہ ثالث کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان ریاستوں اور علاقوں کو دوبارہ سے اسلامی حکومت کے دائرہ اطاعت میں لے آئیں تاکہ اسلامی حکومت کی طاقت کا سکہ اس طرح جم جائے کہ وہ مزید بگاڑ پیدا کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے انہی فتوحات کے تسلسل میں عہد عثمانؓ میں، ایرانیوں اور رومیوں کے بعض شہر بھی فتح کر لئے جو اس سے قبل انہوں نے فتح نہیں کئے تھے مثلاً طرابلس الغرب، قبرص اور طبرستان

Marfat.com

وغیرہ۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ طبرستان حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہو چکا تھا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں فتح ہوا ہو اور باغیانہ روش کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو از سر نو فتح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ اس طرح اپنی خلافت کے آغاز میں ہی حضرت عثمانؓ نے مفتوحہ اقوام کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ حضرت عمرؓ کے قتل ہو جانے اور عثمانؓ کے خلیفہ بننے سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت میں کوئی کمزوری نہیں آئی ہے۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ جو علاقے دوبارہ سے باغی ہوئے ان میں سے بیشتر کا تعلق ایران سے تھا یعنی سابقہ ساسانی مملکت سے، غالباً اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایرانی، خصوصاً ان کا طبقہ امراء اپنے آپ کو عربوں سے بدرجہا بہتر اور مہذب سمجھتے تھے، شاہان کسریٰ کے شاندار تمدن کے سامنے اعراب انہیں کمزور اور حقیر نظر آتے تھے چنانچہ یہ عربوں کے ہاتھوں اپنی شکست کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر پا رہے تھے۔ پھر اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کا بادشاہ یزدگرد زندہ تھا جس سے ان کو تقویت تھی۔ اس کے برعکس مصر و شام (یہ دونوں رومی سلطنت کے صوبے تھے) کی یہ حالت نہیں تھی یہاں کے لوگ اسلامی فتوحات سے قبل قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بھاری خراج ادا کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے عائد کردہ جزیہ اور ان کی رواداری کو اپنے سابقہ آقاؤں کے مقابلے میں بدرجہا غنیمت سمجھا لہٰذا انہوں نے عربی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے میں ایرانیوں کے نقش قدم پر چلنا ضروری نہیں سمجھا۔ اسی طرح عراق کی فتح کے بعد، تاریخ ہمیں ایسا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں بتاتی کہ وہاں کوئی فوجی یا سیاسی بغاوت ہوئی ہو اور اس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس کا سب سے قوی سبب یہ تھا کہ عراق کی اکثریتی آبادی عرب قبائل پر مبنی تھی جو ماضی قریب و بعید میں جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر عراق و شام تک پھیل گئے تھے۔

اس کا دوسرا سبب فوجی چھاؤنیوں (کوفہ، بصرہ) کا قیام تھا جن کا مقامی آبادی پر خاطر خواہ رعب و اثر تھا۔

اور اس کا تیسرا سبب یہ تھا کہ مدائن، کسریٰ کا پایۂ تخت تھا، جو ان کے ملک میں (یعنی

Marfat.com

عراق میں) واقع تھا۔ ایرانی فوجیں مدائن اور تمام عراق سے پسپا ہو کر ایران کی طرف چلی گئی تھیں اور مدائن ان عرب فاتحین اور ان عراقیوں کے لئے خالی ہو گیا تھا جو سینکڑوں سال سے یہاں رہ رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ ہمیں عراق سے اٹھنے والی کسی بغاوت کا پتہ نہیں دیتی۔

تاہم جو علاقہ فارس کے اطراف سے عراق کے مشرق تک پھیلا ہوا تھا وہاں کے رہنے والے ایرانیوں کے دلوں میں انقلاب کے خیالات باقی تھے اور انہیں یہ کمزور سی امید بھی تھی کہ کسریٰ یزدگرد اپنی جلاوطنی کی جگہ سے، جو ترک علاقوں میں تھی، ان کی طرف واپس آ کر اپنے ملک کو اپنے آباء آل ساسان کی مجدد بزرگی سے دوبارہ سرفراز کرے گا۔ اس امید کا باعث کوئی دینی عقیدہ نہ تھا بلکہ یہ ان کی قومی غیرت وعصبیت تھی۔ وہ ہر اعتبار سے خود کو عربوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ عرب ان کے خیال میں ایک وحشی اور اجڈ قوم تھی جو کسی طرح بھی ان کی آقائیت کی سزاوار نہیں تھی۔

المختصر عہد عثمانیؓ میں اسلامی مملکت میں بڑی وسعت ہوئی فتوحات کی اس کثرت کا ایک منطقی نتیجہ موالی کی کثرت کی صورت میں سامنے آیا۔ عراق، ایران، شام اور مصر کے ہزار ہا افراد نے اسلام قبول کیا، جنہیں عرب اسلامی معاشرے نے ''عہد موالات'' کے حوالے سے باسانی اپنے اندر سمو لیا یہ نومسلم موالی کہلائے۔ یہ لوگ نئے اسلامی معاشرے اور عرب سماج میں مدغم ہونے کے لئے اور جدید اسلامی معاشرے میں سہولتیں اور بہتر تحفظات حاصل کرنے کے لئے وہاں آباد کسی قبیلے سے حلف وولاء کے تعلقات قائم کر لیتے اور اسی عرب قبیلے میں محسوب ہوتے اور اس طرح ان کی حمایت وحفاظت حاصل کر لیتے۔

ان موالی میں سیاسی اور سماجی اعتبار سے سب سے اہم کردار ایرانی موالی کا رہا ہے جنہوں نے تاریخ کے ہر دور میں خصوصاً پہلی اور دوسری صدی ہجری میں نمایاں کردار ادا کیا، بے جا نہ ہوگا کہ آگے بڑھنے سے قبل عرب وایران تعلقات کے پس منظر کو بیان کر دیا جائے۔

ایرانیوں سے عربوں کے تعلقات بہت قدیم تھے۔ ان کے تجارتی کاروبن ایران جاتے اور وہاں اپنا مال بیچتے اور اپنی ضروریات کا سامان خرید کر واپس آتے تھے۔ اسی طرح ایرانی

Marfat.com

تجار بھی کاروباری اغراض سے عرب آتے رہتے تھے۔ ایرانیوں سے عربوں کے سیاسی روابط بھی نہایت گہرے اور دیرینہ تھے۔ پڑوسی عراق میں عربوں کی نقل مکانی کے سلسلے زمانہ قدیم سے جاری تھے۔ عرب و عراق کی سرحدوں پر اور عراق عرب کے درمیان ان کی کثیر تعداد آباد تھی۔ انہیں عرب آبادکاروں کی ایک ریاست حیرۃ میں قائم تھی (جس کا باب دوم میں تذکرہ کیا جا چکا ہے) ان عربوں کا تعلق قحطانی قبیلے بنولخم سے تھا۔ انہوں نے ایرانی مدنیت کے آثار قبول کرتے ہوئے خانہ بدوشی بالکل ترک کر کے شہری زندگی گزارنی شروع کردی تھی۔ یہ عرب مدتوں ایرانیوں کے حلیف بن کر ان کے پڑوس میں آباد رہے اور ایرانیوں نے ان سے بہت سے فوائد بھی حاصل کئے۔ عراق عرب اور اندرون عرب، ایرانیوں کے سیاسی مفادات کی نگرانی انہیں کے ذمہ تھی۔ حیرۃ کے لخمی حکمران، ایرانی حکومت کے اس حد تک وفادار تھے کہ وہ ایران و روم کی جنگوں میں رومیوں کے خلاف بڑی بہادری سے لڑتے تھے۔ (۳۴) ان کے باہمی تعلقات اس درجہ دوستانہ تھے کہ کسریٰ ایران، یزدگرد اول (۳۹۹ء تا ۴۲۰ء) نے اپنے ولی عہد بہرام کو تعلیم و تربیت کی غرض سے حیرۃ بھیج دیا تھا لیکن ایرانی اپنے عرب حلیفوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے اور موقع ملنے پر انہیں ذلیل کرنے سے بھی باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حیرۃ کے لخمی سردار، نعمان بن منذر سوم کو اپنے پایہ تخت مدائن بلا کر قید کر دیا۔ جس کا قید ہی کی حالت میں تھوڑے دنوں بعد انتقال ہو گیا تھا۔ نعمان نے حیرۃ سے مدائن جاتے وقت اپنی قیمتی زرہیں اور بعض دوسری اشیاء بنوبکر کے رئیس ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس امانتاً رکھوا دی تھیں۔ نعمان کی موت کے بعد ایرانی حکومت نے حیرۃ میں اپنا گورنر مقرر کر دیا اور ایک عرب سردار ایاس بن قبیصہ طائی کو برائے نام حکومت حیرہ کا رئیس نامزد کر دیا۔ ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کے، حکومت حیرہ پر براہ راست حکومت کرنے کے اس غلط فیصلے سے ایران کے وفادار عربوں میں بددلی پیدا ہوئی اور جب ایرانی شہنشاہ نے ہانی بن مسعود سے نعمان کی امانت کی واپسی کا مطالبہ کیا تو عربوں میں مزید اشتعال پیدا ہوا۔ ہانی نے ایرانی حکمران کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس انکار پر ہانی کے خلاف ایک ایرانی فوج اسی ایاس طائی کی سرکردگی میں سرکش عرب قبائل کو سزا دینے کی غرض سے روانہ کی گئی۔ اس فوج کے

Marfat.com

ساتھ ایرانیوں کے وفادار طے اور ایاد کے عرب قبائل کی کمک بھی تھی۔عربوں سے اس فوج کا مقابلہ ''ذی قار'' نامی چشمے کے قریب ہوا۔عربوں نے جان پر کھیل کر ایرانیوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ذی قار کی یہ تاریخی جنگ ۶۰۴ ء تا ۶۱۱ ء کے درمیان کسی وقت ہوئی (۳۵) یہ ایرانیوں کے خلاف باقاعدہ جنگ میں عربوں کی پہلی فتح تھی۔اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ ؐ کو ہوئی تو انہوں نے اظہار مسرت کیا اور کہا۔

''الیوم اول یوم انتصف فیه العرب من العجم وبی نصروا ''(۳۶)

یعنی ''یہ پہلا موقع ہے جب عربوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا اور یہ مدد انہیں اللہ عزوجل کی جانب سے میرے وسیلے سے عطا ہوئی''۔

عرب عجم تعلقات میں جنگ ذی قار کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس کامیابی سے عربوں کا ایرانیوں کے مقابلہ میں احساس کمتری ختم ہوا اور ایرانی برتری کا طلسم ٹوٹنے لگا،عربوں اور ایرانیوں میں جنگ ذی قار کے بعد سے ایک طرح کی قومی رقابت قائم ہوگئی جیسا کہ بیان کیا گیا اس جنگ میں کئی عرب قبائل ایرانیوں کی طرف سے لڑے تھے لہٰذا اسے متحدہ عرب کی متحدہ ایران سے جنگ ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا مگر یہ ضرور ہے کہ اس جنگ کے بعد عربوں میں ایرانیوں کے خلاف قومی جذبات بیدار ہوئے اور عربوں اور ایرانیوں کے مابین وہ قومی عصبیت اور مقاربت پیدا ہوگئی جو وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی رہی۔

رسول اللہ ﷺ کے مکی دور میں رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان برابر کشمکش جاری رہی،اس کشمکش میں مسلمانوں کی ہمدردیاں،اہل کتاب ہونے کے ناطے،رومیوں کے ساتھ رہیں۔چنانچہ جب ایرانیوں نے رومیوں کے اندرونی خلفشار اور بدامنی سے فائدہ اٹھا کر شام پر حملہ کیا اور انطاکیہ اور القدس سمیت پورے شام پر قبضہ کرلیا اور مصر سے بھی رومیوں کی حکومت ختم کر کے اپنا تسلط جما لیا تو ایرانیوں کی ان پے در پے کامیابیوں سے فطرتاً مسلمانوں کو رنج ہوا۔چنانچہ رسول اللہؐ پر سورہ روم کی آیات نازل ہوئیں۔

غلبت الروم ٥ فی ادنی الارض و ھم من م بعد غلبھم سیغلبون ٥ فی

Marfat.com

بضع سنين ط لله الامر من قبل و من م بعد ط و یومئذ یفرح المئومنون (الروم:۴-۱) ترجمہ: رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہوجائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔

چنانچہ یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوگئی جب روم اور ایران کی جنگ میں رومی غالب آگئے اور ہرقل نے ایرانیوں کو مصر اور شام سے بیدخل کر کے اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات حاصل کر لئے۔ صلیب مقدس کو واگزار کرالیا بلکہ پیش قدمی کر کے ایرانی دارالحکومت کو گھیر لیا اور نینویٰ کی جنگ میں ایرانیوں کو شکست فاش دے کر ان کی کمر توڑ دی۔ رسول اللہ ؐ کو اس واقعہ کی اطلاع صلح حدیبیہ کے دن ملی اور آپ نے اس پر مسرت کا اظہار کیا

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ شمال میں حکومت حیرہ کے علاوہ بحرین، عمان اور عرب کے ساحلی علاقوں پر بھی ایرانی اقتدار قائم تھا۔ عمان پر جلندری کا خاندان کسریٰ کی جانب سے حکمران تھا۔ جبکہ بحرین، حیرہ کے لخمیوں کی ماتحتی میں تھا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے قبائلی سرداروں کے بھی ایرانی حکومت سے ماتحتانہ تعلقات تھے۔ ان میں سے بعض کو حکومت ایران کی جانب سے تاج عطا کر کے اپنے قبائل پر ایک طرح کا حق حکمرانی بھی بخشا گیا تھا مثلاً بنو حنیفہ کا سردار ہوذہ بن علی جو اس لئے ''ذوالتاج'' کہلاتا تھا کہ بادشاہ ایران نے اسے ایک زرتار کلاہ عنایت کی تھی۔ خود یمن پر بعثت نبوی سے قریبی زمانہ میں حکومت ایران کا قبضہ ہوگیا تھا اور وہاں ایرانی فوجی گورنر ایرانی فوج کے ساتھ مقیم تھا۔ یمن کے ان ایرانی قابضین نے مقامی آبادی سے تعلقات زناشوئی بھی قائم کر لئے تھے اور اس کے نتیجے میں جو نئی نسل وجود میں آئی اسے ''ابناء الملوک'' یا صرف ''ابناء'' یعنی بادشاہ زادے کہا جاتا تھا۔ اپنے ان عرب باجگزار رؤساء کے ذریعے ایرانی حکمران عربوں کی سرحدی یلغاروں کی روک تھام کرتے اور عرب کے اندرونی علاقوں کو بھی اپنا مطیع فرمان خیال کرتے تھے۔ عرب علاقوں میں، ایرانی اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض عرب قبائل نے مجوسیت اختیار کر لی تھی۔

Marfat.com

ان سیاسی اور مذہبی اثرات کے سبب ایرانی حکومت عربوں کو اپنی رعایا اور مطیع فرمان سمجھتی تھی۔ جنگ ذی قار کی ہزیمت کے باوجود عجم، عربوں کو حقیر و کمتر ہی خیال کرتا تھا (۳۷) چنانچہ ۷ھ میں رسول اللہؐ نے جو تبلیغی خط خسرو پرویز کے نام روانہ کیا تھا اسے اس نے پھاڑ دیا اور قاصد (عبداللہ بن حذافہ سہمی) سے گستاخانہ پیش آیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے ایرانی گورنر (باذان) کو یہ حکم بھجوایا کہ "مدینہ کے نبی" کو گرفتار کر کے مدائن روانہ کرے۔ اس سے دربار ایران کے عربوں کے ساتھ اہانت آمیز رویہ کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ (۳۸) اپنے دور زوال میں، تمام تر کمزوریوں اور انتشار کے باوجود ایرانی حکومت عرب میں اسلام کی اشاعت اور عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی فکر سے غافل نہ تھی۔ چنانچہ حروب ردہ کے دوران ہی مقامی ایرانی آبادی اور ساسانی حکمرانوں کی شہہ پر حیرہ کے لخمی خاندان کے ایک فرد منذر بن نعمان کو اہل بحرین نے اپنا حاکم بنا کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا ڈول ڈالا تھا۔ (۳۹) نیز سجاح تمیمیہ نے دعویٰ نبوت کے بعد جب مدینہ پر حملہ کی غرض سے عرب کا رخ کیا تو اس میں بھی ایرانی حکومت اور اس کے عراقی کارپردازوں کی ریشہ دوانیوں کا دخل تھا۔ (۴۰)

بہر حال خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ملکوں کی عظیم فتح کا آغاز ہوا تو ایران سے جنگ کرنے کے لئے بنو بکر بن وائل ہی کے مثنیٰ بن حارثہ (۴۱) نے اپنی خدمات پیش کیں، کیونکہ انہیں جنگ ذی قار کی وجہ سے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ ایرانی ایسے ناقابل شکست بھی نہیں جیسا کہ انہیں تصور کیا جاتا ہے۔ مثنیٰ کی ایک تقریر سے انہی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

بہر حال عہد فاروقی میں قریب قریب سارا ایران فتح ہو گیا۔ ان جنگوں میں طرفین کے ہزاروں افراد کام آئے۔ مفتوحین کے مقتولوں کی تعداد ہر اعتبار سے زائد تھی۔ پھر بقیہ السیف میں سے بہتوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بہتوں نے جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی اور بہتوں کو قید و بند اور غلامی بھگتنی پڑی۔ قومی عصبیت کے حوالے سے ایرانیوں کے لئے یہ ایک سانحہ عظیم تھا۔ جس نے مسلمان عربوں کی متحدہ جمعیت کے آگے ان کی قومیت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ اس چیز نے ان کے دلوں میں گرہیں ڈال دیں اور جلد ہی ان نفرتوں کے نتائج سامنے آنے لگے۔ ابولولو

Marfat.com

فیروز، مدینے میں ایرانی غلاموں یا موالی کے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتا اور روتا تھا ساتھ ہی کہتا جاتا۔ ''عمر نے میرا کلیجہ کھا لیا ہے''۔ (۴۲) اور پھر بالآخر اس نے خلیفہ ثانی کو جو فتوحات ایران کے اصل ذمہ دار اور روح رواں تھے، قتل کر دیا ان کے علاوہ اس نے تیرہ مزید مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں سے نو زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ (۴۳)

حضرت عمرؓ پر کامیاب قاتلانہ حملہ مغلوب ایرانیوں کی طرف سے عربوں کے خلاف پہلی بڑی منتقمانہ کارروائی تھی۔ حضرت عمرؓ خود بھی اس خطرے کو محسوس کرتے تھے۔

عہد صدیقیؓ، فاروقیؓ اور عثمانیؓ کی فتوحات کا تسلسل حضرت علیؓ کے دور خلافت میں قائم نہ رہ سکا بلکہ ان فتوحات کا سلسلہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری سالوں ہی میں ۳۱ھ میں رک گیا تھا۔ اس کا سبب وہ داخلی انتشار تھا جو اسلام دشمن قوتوں نے برپا کیا تھا اور جس کی وجہ سے نہ صرف خلیفہ ثالث کو مدینہ میں قتل کیا گیا بلکہ خلیفہ رابع، حضرت علیؓ کو سکون واطمینان سے حکومت کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

المختصر، ان حیرت انگیز اور عظیم فتوحات کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ میں موالی کی تعداد بڑھی، عربوں کو سابق الاسلام ہونے اور فاتح ہونے کی وجہ سے ان موالی پر خود بخود ایک نفسیاتی برتری حاصل ہو گئی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح سابقون الاولون اور اصحاب بدر کو یہ برتری مولفتہ القلوب یا اعراب پر حاصل تھی تاہم اس برتری میں کسی قسم کا بے جا احساس تفاخر نہیں تھا۔ البتہ اعراب میں بہت سے کندہ ناتراشیدہ ایسے ضرور تھے جن سے عصبی جاہلیتوں کا مظاہرہ ہو جایا کرتا تھا لیکن اسے عہد خلافت راشدہ کا عمومی مزاج نہیں گردانا جا سکتا۔

وہ غیر عرب جنہوں نے اسلام قبول کیا انہیں بھی کیفیت ایمان کے اعتبار سے دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اولاً وہ موالی جن کا اسلام خالص تھا، انہوں نے اسلام کی روح کو اس طرح سمجھا کہ ان کی قلب ماہیت ہو گئی اسی گروہ سے ان اکابر علماء، مشائخ اور ارباب زہد وروع کا تعلق ہے جو پہلی صدی ہجری کے نصف آخر یا دوسری صدی ہجری میں اسلامی دنیا پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

ثانیاً وہ موالی تھے جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ اپنے قدیم مذہب وثقافت کے حلقہ اثر سے باہر نہیں آسکے تھے۔ ان کے ذہنوں سے اپنے قومی افتخار اور تہذیبی برتری کے خیالات محو نہیں ہوسکے تھے، اسی احساس نے آگے چل کر شعوبیت کی شکل اختیار کرلی، یہ طبقہ بلاشبہ اکثریت میں تھا جس نے بعض اوقات اسلام کو شدید نقصان پہنچایا۔

خلاصہ بحث:

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو مدینہ کی اسلامی حکومت کا دائرہ جزیرۃ العرب تک محدود تھا البتہ ہمسایہ اقوام کو اسلام کی دعوت جاچکی تھی اور ان کے ساتھ سرحدی جھڑپوں کا آغاز بھی ہوچکا تھا حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں فتوحات ملکی کے عظیم سلسلہ کا آغاز ہوا جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد تک جاری رہا جس کے نتیجے میں عراق، ایران، شام اور مصر مکمل طور پر فتح ہوگئے۔ ان عظیم فتوحات کے نتیجے میں نہ صرف ایک وسیع رقبۂ زمین، مملکت اسلامیہ میں شامل ہوا بلکہ لاکھوں افراد، اسلامی ریاست کے شہری بنے، جن کا تعلق مختلف قومیتوں اور مختلف تہذیبوں سے تھا۔

ان مفتوحین کے پاس دو ہی راستے تھے، یا تو وہ اسلام قبول کرلیں اور مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل کرلیں، دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوں اور اسلامی حکومت میں اہل الذمہ بن کر رہیں۔ وہ مفتوحین جو اسلام لے آئے تھے عموماً کسی عرب قبیلے کے ساتھ حلف یا ولاء کا معاملہ (عقد موالات) کرلیتے تھے۔ اس بنیاد پر وہ موالی کہلائے۔ موالی کی اس نئی قسم کو "موالی الاسلام" کہا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ ان کے لئے لازمی نہیں تھا کہ وہ عرب قبائل سے ہی عقد موالات کریں بلکہ ان کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ لوگ آپس میں مل کر جداگانہ قبیلے کی شکل اختیار کرلیں۔

عہد خلافت راشدہ میں خصوصاً حضرت عمر کے دور خلافت میں عرب، مولیٰ کی قسم سے خارج ہوگئے، حضرت عمر فاروقؓ نے یہ لازم کردیا تھا کہ کوئی عرب کسی کا غلام نہیں رہ سکے گا۔ اسے لازماً چھ یا سات گائے کے عوض آزاد کردیا جائے گا۔ چنانچہ ان کے عہد میں اور بعد میں کوئی عرب،

Marfat.com

غلام نہیں رہ گیا۔

خلافت راشدہ کے دور میں ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں ہزار ہا غیر عربوں نے اسلام قبول کیا، ان غیر عرب نومسلموں (یعنی موالی) میں مختلف قومیتوں کے لوگ تھے، تاہم سیاسی اور سماجی اعتبار سے سب سے اہم کردار ایرانی موالی کا رہا جنہوں نے پہلی اور دوسری صدی ہجری کی اسلامی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

وہ غیر عرب جنہوں نے اسلام قبول کیا، انہیں بھی کیفیت ایمان کے اعتبار سے دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اولاً وہ موالی جن کا ایمان خالص تھا، انہوں نے اسلام کی روح کو اس طرح سمجھا کہ ان کی قلب ماہیت ہوگئی۔ جب کہ دوسری طرف وہ موالی تھے جنہوں نے مجبوراً اس لئے اسلام قبول کیا تھا کہ وہ بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت تھی، خصوصاً ایرانی موالی اپنے شاندار سیاسی ماضی اور تمدن کی بنیاد پر عربوں کے مدمقابل آ گئے۔ قومی عصبیت کے حوالے سے ایرانیوں کے لئے "تسخیر ایران" ایک عظیم سانحہ تھا جس نے مسلمان عربوں کی متحدہ جمعیت کے آگے ان کی قومیت کا شیرازہ بکھیر دیا تھا، جلد ہی ان کی یہ نفرت خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے قتل کی صورت میں سامنے آئی۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب چہارم)

۱۔ خلافت راشدہ کے دور کو خلافت علی منہاج النبوۃ کہتے ہیں کیوں کہ یہ دور عہد رسالت سے متصل صالح اور متقی خلفاء کا وہ عہد حکومت ہے جسے امت محمدیہؐ کی اجتماعی تائید وحمایت حاصل تھی اور جس نے عدل وحق کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے دین اسلام کے تمام ظاہری، باطنی، دینوی اور اخروی تقاضے پورے کئے۔ اس دور خلافت میں چار خلفا گذرے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ : ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الاخرہ ۱۳ھ مطابق ۶۳۲ء تا ۶۳۴ء

۲۔ حضرت عمرؓ بن خطاب : جمادی الاخرہ ۱۳ھ تا ذوالحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۶۴۴ء

۳۔ حضرت عثمانؓ بن عفان: محرم ۲۴ھ تا ذوالحجہ ۳۵ھ مطابق ۶۴۴ء تا ۶۵۶ء

۴۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب: ذوالحجہ ۳۵ھ تا محرم ۴۰ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

یہ چاروں خلفاء السابقون الاولون تھے۔ رسول اللہ کے خاص تربیت یافتہ تھے، انہوں نے مجموعی طور پر تیس سال حکومت کی، اس عہد میں بہت سے ملکی معاملات اور سیاسی وتمدنی مسائل اجتہادی فیصلوں سے حل کئے گئے اور اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا کہ عہد رسالت کی اسلامی روح کو مجروح نہ ہونے دیا جائے۔

۲۔ بصرہ کے لفظی معنی ''سیاہ سنگریزے'' کے ہیں چونکہ اس علاقے میں سیاہ سنگریزے بکثرت تھے اس لئے اس جگہ کا نام بصرہ پڑ گیا۔ صحابی رسول عتبہ بن غزوان بن یاسر پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت علی کی ہدایت پر ۱۴ھ میں بصرہ شہر آباد کیا (المعارف ص ۲۴۶؛ طبری جلد ۳، ص ۵۹۰)

۳۔ شہر کوفہ میں قبائل کی آبادکاری کی تفصیل فتوح البلدان (ذکر تمصیر الکوفہ) اور طبری جلد ۴ ص ۴۰ تا ۴۸ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

۴۔ تاریخ طبری، جلد۴ص ۲۷۸

۵۔ فتوح البلدان، ص ۲۷۸؛ الکامل فی التاریخ جلد۳، ص۳۲

۶۔ تمدن عرب، ص ۳۲۸، ۳۱۵

۷۔ اس کا اعتراف ٹی۔ڈبلیو، آرنلڈ اپنی کتاب Preaching of Islam میں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اسلامی فتوحات کی یہ غلط توجیہ و تاویل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ وہ جنگیں جو دراصل کفار کے ملکوں میں اسلامی حکومت وسطوت قائم کرنے کے لئے لڑی گئی تھیں ان سے غیر مسلموں کا تبدیل مذہب مقصود تھا گولڈزیہر (Goldziher) نے سلطنت اسلام کی توسیع اور مذہب اسلام کی تبلیغ کے درمیان بہت خوبی سے تمیز کردی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''حضرت محمدؐ نے دیار عرب میں کفار کے ساتھ جو محاربہ کیا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی وصیت کی، اس میں انہوں نے کفار کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اس بات پر کہ ان کو اپنے دائرہ حکومت میں داخل کیا جائے جو بالفاظ دیگر حکومت الٰہیہ تھی۔ لہٰذا صدر اسلام کی اسلامی فتوحات کے دوران بھی مسلمان مجاہدین کا مقصد اولین یہ نہیں تھا کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے بلکہ ان کی غرض و غایت یہ تھی کہ ان کو حکومت الٰہیہ کے تابع کیا جائے۔ (ص ۹، حاشیہ بحوالہ گولڈزیہر Vorlesungen Uber DenIslam ص ۲۵)

۸۔ تاریخ طبری، جلد۳، ص ۳۶۱، ۳۶۲، ۵۲۸، ۵۷۴، جلد۴، ص ۱۱، ۱۴۔ الکامل فی التاریخ، جلد۲، ص ۴۶۶، کتاب الاموال، ص ۲۰۱

۹۔ کتاب الاموال، ص ۲۲۱

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ قدیم عربوں میں قبائل ربیعہ میں سے بنی بکر بن وائل اور بنو تغلب بن وائل اہم قبیلے تھے۔ افتراق قبائل کے بعد دوسرے بنو ربیعہ کے دوسرے قبائل کے ساتھ تغلب بھی کوہستان نجد، حجاز اور تہامہ کی سرحدوں پر قابض ہوگئے تاہم وہ آہستہ آہستہ الجزیرہ میں منتقل ہوتے

Marfat.com

رہے لہٰذا پہلی صدی ہجری میں ان کا مرکز وسطی الجزیرہ تھا۔ظہور اسلام سے کچھ پہلے نصرانیوں سے اختلاط بڑھ جانے کی وجہ سے ان میں مسیحیت نے جڑ پکڑ لی، انہوں نے آخر وقت تک اسلام کی مخالفت کی یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد جب اسلام مضبوط ہو گیا تو ۹ھ (عام الوفود) میں بنوتغلب کا وفد مدینہ آیا۔ان میں بعض مسلمان تھے اور بعض عیسائی جو سنہری صلیبیں پہنے ہوئے تھے۔یہ اپنے ایمان میں بس اتنے ثابت قدم تھے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد جب سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تو بنوتغلب اس کے ہمراہ تھے۔یہ اپنے آپ کو عرب بدوؤں سے ممتاز سمجھتے تھے،ان کا کہنا تھا کہ ہم بدو نہیں بلکہ ''مستعرب'' نبطی ہیں۔یہ زراعت پیشہ تھے،گھوڑوں کو تربیت دینے اور پرورش کرنے میں بھی مشہور تھے۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ ملاح بھی تھے اور ان کی کشتیوں کی تجارت ان کے لئے اثر رسوخ کا ذریعہ تھی اور شاید یہ بات بجا طور پر کہی گئی ہے کہ اگر اسلام کا ظہور کچھ عرصہ بعد ہوتا تو بنوتغلب نے لوگوں کو نگل لیا ہوتا۔

۱۲۔ تاریخ طبری، جلد۴، ص۴۰

۱۳۔ ایضا،" جلد۳، ص۳۴۶

۱۴۔ Hernan Santa Cruz, Racial Discrimination P.1, New York, 1971.

۱۵۔ تمدن عرب، ص۱۴۷

۱۶۔ ٹی۔ڈبلیو۔آرنلڈ ص ۵۵ (بحوالہ پرنس کائتانی Annali Dell' Islam یعنی تواریخ اسلام، جلد۵، ص۴)

۱۷۔ NICHOLSON R. A. A literary history of the Arabs, P.185, Cambridge, 1953

۱۸۔ تمدن عرب، ص۲۴۴

۱۹۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص۱۸۹ (بحوالہ دخویے)

Marfat.com

Memoirs sur la conquete dele syric,P-22

۲۰۔ طبری، جلد ۳، ص ۳۵۰، ۳۵۴، ۳۸۵ (ان اولین ایرانی قیدیوں میں ابو زیاد (مولیٰ ثقیف)، ابو عمرہ (جو عبداللہ بن عبدالاعلیٰ، شاعر کے دادا تھے) سیرین (ابو محمد ابن سیرین کے والد) علاثہ (جو ابو عمرہ کہلائے) حریث (جو بنی عباد کے ایک شخص کو دیئے گئے) اور حمران (جو حضرت عثمانؓ کو دیئے گئے) وغیرہ چالیس افراد تھے (۔طبری، جلد ۳، ص ۳۷۷)

۲۱۔ الکامل فی التاریخ، جلد ۲، ص ۳۶۳

۲۲۔ تاریخ طبری، جلد ۴، ص ۸۰۔ (امیر معاویہؓ والیٔ شام نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے سمندری مہم کے بارے میں پوچھا، انہوں نے اپنے خط میں سمندری مہم کی جو تصویر کشی کی اس سے حضرت عمرؓ سخت متردد ہوئے اور انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کو دوٹوک جواب دے دیا کہ پورے روم کے مقابلے میں ایک مسلمان کی جان زیادہ قیمتی ہے لہٰذا آئندہ مجھ سے یہ درخواست نہ کرنا۔)

۲۳۔ ابن عبد ربہ الاندلسی، ابی عمر احمد بن محمد عقد الفرید، جلد ۳، ص ۳۱۲، مطبعہ الجنہ التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء

۲۴۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو کوفہ کے عامل تھے انہیں خط لکھ کر ایرانی غلام ابولؤلو فیروز کے لئے سفارش کی تھی کہ وہ لوہار، بڑھئی اور نقاش ہے۔ ایسے کاریگر غلام کو مدینے میں آنے کی اجازت دیں، حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دے دی جو بعد میں آپ کا قاتل نکلا (طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۳۴۵)

۲۵۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۲۹۶، فتوح البلدان، ص ۴۳۶

۲۶۔ Ameer Ali, Syed, A Short history of the Saracence,P58.

۲۷۔ تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۵۲۲

۲۸۔ الکامل فی التاریخ، جلد، ص

Marfat.com

۲۹۔ طبری، جلد۳، ص۳۳۹

۳۰۔ تاریخ طبری، جلد۳، ص۳۴۱

۳۱۔ تاریخ طبری، جلد۴، ص۹۳، الکامل فی التاریخ، جلد۲، ص۵۵۳، کتاب الاموال، ص۱۸۱

۳۲۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد۷، ص۴۵۴ (مادہ: جندی شاپور، مقالہ نگار CL.HUART)

۳۳۔ ابن ہشام، جلد۲، ص ۱۴۸، یہ حدیث سنن ابی داؤد (کتاب الدیات) سنن نسائی، (کتاب القسامہ) میں بھی بیان ہوئی ہے

۳۴۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص۱۹۴، ۱۹۶

۳۵۔ نعمان بن منذر کی حکومت کے خاتمے کے بعد (یعنی ۶۰۲ء تا ۶۰۵ء کے درمیان کسی وقت) ایاس بن قبیصہ کی حکومت شروع ہوئی۔ اسی کے دور میں ذی قار کی جنگ ہوئی، جبکہ قبیصہ کی حکومت ۶۱۱ء تک چلی ان حقائق کی روشنی میں یوم ذی قار کی تاریخ ۶۰۴ھ تا ۶۱۱ھ کے درمیان متعین کی جا سکتی ہے۔

۳۶۔ الاستیعاب، جلد۱، ص۳۷

۳۷۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص۱۹۸

۳۸۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص۱۳۴، ۱۵۴

۳۹۔ طبری، جلد۳، ص۳۰۳، ۳۰۴

۴۰۔ طبری، جلد۳، ص ۹۔۲۶۷، (سجاح کے ہمراہ جو سردار آئے تھے، انہوں نے بعد میں عراق کے مختلف محاذوں پر مسلمانوں کے خلاف سخت معرکہ آرائی کی تھی اور شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی تھی)

۴۱۔ المثنی بن حارثہ بن سلمہ بن ضمضم بن سعد بن مرہ بن ذہل بن شیبان، دور اول کے بڑے بہادر اور جری سپاہی تھے۔ الشیبانی نسبت تھی۔ ان کا قبیلہ ذہل بن شیبان زمانہ جاہلیت میں لوٹ مار اور غارت گری کے لئے بدنام تھا۔ خاص طور پر بنو العنبر ان کے ہاتھوں بڑے نالاں تھے۔ مثنی نے ۹ھ میں اسلام قبول کیا۔ دور صدیقؓ کے وہ پہلے سالار لشکر تھے

Marfat.com

جنہوں نے ایرانیوں کے خلاف میدان کارزار گرم کیا۔ ان کو سواد عراق پر حملہ کرنے کا شرف اولیت حاصل ہے۔ عہد فاروقیؓ میں بھی مثنی نے بہت سے معرکوں میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنگ جسر میں شدید زخمی ہوئے اور جانبر نہ ہو سکے۔ (۱۴ھ) ان کی وفات کے بعد ان کی زوجہ سلمٰی بنت حفص، سعد بن ابی وقاص کے نکاح میں آ گئیں۔ قادسیہ کی جنگ کے دوران مثنیٰ کی بہادری کو یاد کرتیں تو سعد سخت غیرت کھاتے اور بعض اوقات طیش میں آ جاتے۔

۴۲۔ البدایہ والنہایہ، جلد ۷، ص ۱۱۲

۴۳۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۳۳۸

Marfat.com

باب پنجم

موالی......معاشرے کا جارح عنصر

حضرت حسن کی خلافت سے دست برداری اور حضرت معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے ساتھ ہی خلافت بنوامیہ کا دور شروع ہوا۔ عام طور پر اموی عہد کو خلافت راشدہ سے جدا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خلافت، طاقت اور عصبیت کے بل بوتے پر حاصل کی گئی تھی جس کے حصول میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بھی بہا تھا۔ اس سے قبل خلافت انتخاب اور اجماع سے قائم کی جاتی تھی پھر بعد از خرابی بسیار جب یہ خلافت حضرت معاویہؓ کو حاصل ہوگئی تو انہوں نے اسے موروثی خلافت میں بدل دیا جس کا عربوں کے نیم جمہوری طرز فکر میں کوئی تصور نہ تھا۔ یہ دونوں باتیں اموی عہد کو خلافت راشدہ سے جدا کر دیتی ہیں تاہم باقی خلافت کا ڈھانچہ، اس کا مزاج اور صفات آہستہ آہستہ بدلیں، یہ نہیں ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک دم ہی حالات بدل گئے اور معاشرہ اخلاقی تنزلی کا شکار ہوگیا۔ جو معاشرہ خلافت راشدہ کے عہد میں تاریخ کا پاکیزہ ترین معاشرہ تھا وہ اتنی سرعت سے پست ترین معاشرے میں تبدیل ہو جائے، عقلی اعتبار سے یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اصل صورت حال یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ ایک اچھے مسلمان خلیفہ تھے۔ جنہوں نے اپنے دور خلافت میں خلافت راشدہ کی صفات کو قائم رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔

یہ تو صحیح ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد شخصی حکومتوں کا دور آ گیا لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ حکومتیں جمہور کی رائے سے قطعاً آزاد اور غیر متاثر تھیں۔ قبائلی غلبے کی بناء پر حاکم ہو جانے والے سلاطین کو بھی معاشرہ اور جمہور کی رائے کا احترام کرنا پڑتا تھا۔

اموی عہد کا معاشرہ ایک مختلف النوع معاشرہ (Hetro Genous Society) تھا جس میں عربوں کے علاوہ موالی کا ایک بڑا طبقہ نظر آتا ہے۔ جس میں مختلف اقوام کے لوگ مثلاً

Marfat.com

ایرانی، قبطی، رومی، ترکی، بربر اور سندھی شامل تھے جو اپنی صلاحیتوں، مزاجوں، سیاسی رجحانات اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے خاصے مختلف تھے۔ ذمیوں میں بھی انہی اقوام کے وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے اسلام کے مقابلے میں جزیہ کو اختیار کیا تھا اور بعینہ یہی صورت حال غلاموں کی تھی جو مختلف قوموں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس قدر مختلف الخیال ہونے کے باوجود عربوں اور موالی کو چند مشترکہ اقدار نے ایک دوسرے سے جوڑے رکھا تھا، ایک تو اسلام تھا، جو ان سب کا مشترکہ دین تھا اور جس میں اتنی صلاحیت بہرحال تھی کہ وہ ان انتہائی مختلف النوع اقوام کو متحد و مجتمع رکھ سکے۔ دوسرے ایک حکومت اور ایک خلیفہ کی بیعت کے تعلق نے انہیں یکجا کر رکھا تھا، یہ ساری مختلف قومیں ایک قانون کی مطیع اور حکومت میں ایک نظام کی تابع فرمان تھیں، تیسری عربی زبان تھی، گو کہ ابتدائی اموی عہد میں مملکت میں مختلف زبانیں ایک ساتھ چل رہی تھیں مگر بعد میں عبدالملک بن مروان نے جب عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا تو مشترکہ امور میں ایک اور امر کا اضافہ ہو گیا۔

تاہم یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک ایسا یک جان معاشرہ تھا جس میں کسی قسم کا تضاد، اختلاف اور کشمکش نظر نہیں آتی، ایسا تو اتنے مختلف النوع معاشرے کے لئے ممکن بھی نہیں تھا، لہٰذا ہمیں اموی معاشرے کے دونوں طبقات یعنی عرب اور موالی کے درمیان ایک کشمکش کی رو چلتی نظر آتی ہے۔

اموی عہد کے ابتدائی دور میں موالی خصوصاً ایرانی موالی جارح اور طالع آزما نظر آتے ہیں، ان کا ایک سیاسی ماضی تھا جو ان کے اعتبار سے شاندار بھی تھا، لہٰذا انہوں نے اس کے اعادہ کے لئے ہر اس طاقت کا ساتھ دیا جو بنی امیہ کی مخالفت کے لئے اٹھی۔ ان موالی نے براہ راست کوئی بڑی بغاوت تو برپا نہیں کی لیکن کسی جاری مخالفانہ تحریک میں شامل ہو کر بنو امیہ کے خلاف اپنے جذبات و احساسات کا اظہار ضرور کیا۔ اسی خواہش نے انہیں طائف کے ایک طالع آزما، مختار ثقفی کے گرد جمع ہونے پر آمادہ کیا۔ تاہم مختار کے مارے جانے کے بعد اور حجاج بن یوسف کی سخت حکمت عملیوں نے موالی کی جارحیت کا زور توڑ دیا۔

Marfat.com

مختار ثقفی کی قلمرو

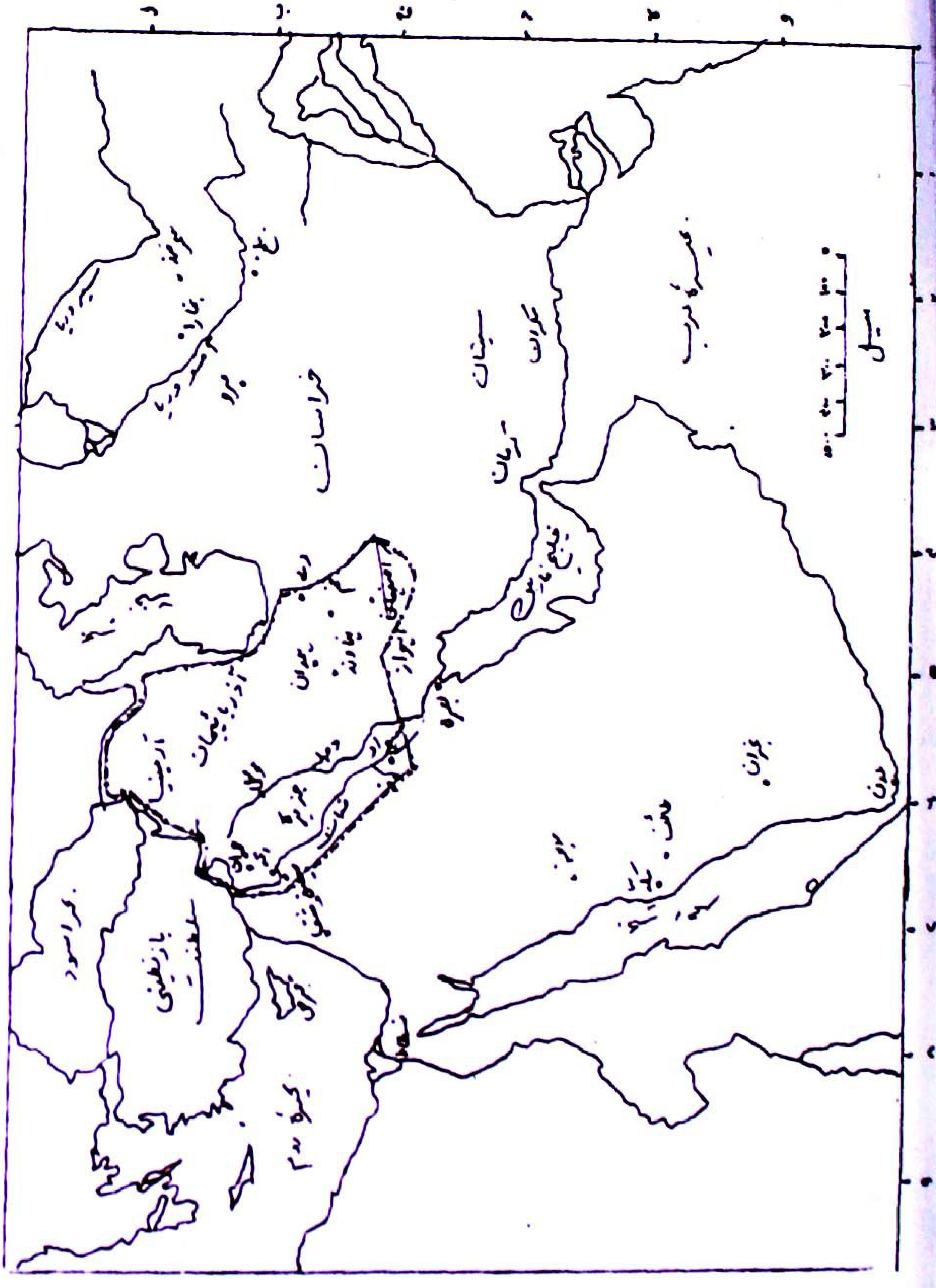

Marfat.com

ایرانی موالی کو جارحیت کا ایک اہم موقع مختار ثقفی نے فراہم کیا۔ مختار بن ابی عبید ثقفی جسے براکلمان ''جھوٹا مدعی نبوت'' (False Prophet) قرار دیتا ہے۔(۱) طائف کے قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا۔ مختار ۱ھ/۶۲۲ء میں پیدا ہوا۔(۲) ابتدائی زندگی مدینہ اور طائف میں گزری تاہم ابن عبدالبر کے کہنے کے مطابق نہ ہی اسے رسول اللہؐ سے صحبت رہی نہ ہی اس نے رسول اللہؐ سے کچھ روایت کیا۔(۳) اس کے والد ابو عبید ثقفی جنگ جسر میں شہید ہوئے (۱۳ھ) تو مختار اپنے چچا سعد بن مسعود کی سرپرستی میں آ گیا سعد ابن مسعود صحابی رسولؐ تھے جنہیں حضرت علیؑ نے اپنے دور خلافت میں مدائن کا حاکم بھی مقرر کیا تھا، جب سعد کو مدائن سے خارجیوں کے تعاقب میں جانا پڑا تو مختار ان کا نائب رہا۔(۴)

جب حضرت حسن نے ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ کے مقابلے سے گریز کر کے والئ مدائن سعد بن مسعود کے پاس پناہ لی تو مختار نے اپنے چچا کو یہ مشورہ دیا کہ حسن کو ان کے حریف کے حوالے کر دیا جائے۔(۵) اور اس کے عوض امیر معاویہؓ سے امان، دولت اور عزت حاصل کر لی جائے تاہم سعد کی شرافت اس حرکت کے لئے تیار نہ ہوئی۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ عموماً اس کی ہمدردیاں شیعیان علی کے ساتھ رہیں مثلاً زیاد ابن ابیہ کے سامنے اس نے حجر بن عدی کے خلاف شہادت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ نیز ۶۰ھ میں مسلم بن عقیل کی حمایت کی بلکہ طبری اور بلاذری کے بیان کے مطابق مسلم بن عقیل کوفہ میں مختار ثقفی کے گھر پر اترے تھے۔(۶) انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے عبیداللہ ابن زیاد، والئ عراق نے اسے قید کر دیا تھا۔ اس کی قید کے دوران ہی واقعہ کربلا پیش آیا۔ بعد میں وہ اپنے بہنوی عبداللہ ابن عمر (۷) کی مداخلت پر رہا ہوا۔(۸)

اس کو رہا کرتے ہوئے والئ کوفہ، عبیداللہ ابن زیاد نے اسے تین دن کے اندر اندر کوفہ سے نکل جانے کا حکم دیا چنانچہ مختار مکہ آ گیا۔ جہاں عبداللہ ابن زبیر خفیہ طور پر اپنی خلافت کی تیاری میں مصروف تھے، اس نے اس شرط پر ان کی بیعت کرنی چاہی کہ وہ مختار کو کوفہ کی گورنری دے دیں۔ ابن زبیر نے اس کی کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں کی تو وہ طائف چلا گیا۔ جہاں وہ سال بھر مقیم رہا۔ غالباً اسی زمانے میں اس کے ان خیالات میں پختگی آئی جن کی وجہ سے اس نے شیعی

Marfat.com

تحریک کو ایک نئے سیاسی اور مذہبی رنگ میں پیش کرنے اور اس کی قیادت سنبھالنے کا ارادہ کیا۔ اس ارادے کے ساتھ وہ مکہ واپس آیا۔ محاصرہ مکہ اور واقعہ حرہ میں اس کی شرکت کا پتہ چلتا ہے(۹) محاصرہ مکہ کے دوران ہی یزید بن معاویہ کا انتقال ہو گیا اور عبداللہ ابن زبیر نے بصرہ، کوفہ، الجزیرہ اور شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مختار موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوفہ پہنچ گیا جو اس کے لئے سب سے بہتر جائے تحریک ہو سکتی تھی کیونکہ حضرت علیؓ کا مستقر حکومت رہنے کی وجہ سے کوفہ حامیان اہل بیت کا سب سے اہم مرکز تھا۔

اس زمانے (رمضان ۶۴ھ) میں کوفہ کے شیعی، سلیمان ابن صرد (۱۰) الخزاعی کے زیر اثر تھے جو خفیہ طور پر حضرت حسینؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے اپنی قوتوں کو مجتمع کر رہے تھے۔ مختار، سلیمان کی اس تحریک میں شامل ہونا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے خود کو محمد ابن حنفیہ کا نمائندہ قرار دے کر ایک الگ تحریک شروع کر دی اور کوفہ میں موجود شیعیان علی سے بیعت لینی شروع کر دی اور ایک بار پھر گرفتار ہوا۔ تاہم اس گرفتاری سے اسے سیاسی فائدہ ہی پہنچا۔

سلیمان ابن صرد الخزاعی کی شکست اور موت کے بعد مختار کی طاقت اور بڑھ گئی، سلیمان کے ہزیمت خوردہ سپاہی جب کوفہ پہنچے تو مختار نے ان کو ملامت کرنے کے بجائے قید خانہ سے ایک خط لکھا جس میں ان کی بڑی تعریف کی اور ان کے مجاہدانہ جوش کو سراہا اور ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن گردانتے ہوئے ان کے خلاف جنگ کی نوید دی جس پر وہ سب مختار سے مل گئے اس پر مستزاد یہ کہ اپنی چالاکیوں اور محمد ابن حنفیہ (۱۱) کی طرف سے لکھے گئے جعلی خط کی بناء پر وہ ابراہیم (۱۲) ابن اشتر کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کی قوت دو چند ہو گئی۔ اپنے بہنوی عبداللہ ابن عمر کی دوبارہ مداخلت پر وہ قید سے رہا ہوا۔ تقریباً بارہ ہزار کوفیوں نے مختار کی بیعت کر لی۔ موالی جو اس کے ساتھ شریک ہوئے وہ اس کے علاوہ تھے۔

زیاد ابن ابیہ (۴۵ھ تا ۵۳ھ) کے زمانے میں کوفہ کی آبادی ایک لاکھ چالیس ہزار تھی جن میں سے تنخواہ دار سپاہی ساٹھ ہزار تھے۔ باقی عورتیں، بوڑھے، بچے غلام اور موالی تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم و بیش لائق جنگ آبادی کا بیس فیصد حصہ مختار کے ساتھ تھا جبکہ باقی آبادی گورنر

Marfat.com

کوفہ عبداللہ ابن مطیع کی طرفدار تھی جو کہ عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے اور جن کے مختار ثقفی کے ساتھ دیرینہ مراسم بھی تھے۔(آبادی کا ایک قلیل گروہ بنوامیہ کے ہوا خواہوں اور غیر جانبداروں کا بھی تھا)

بہر حال عربوں اور موالی کا ایک بڑا گروہ جب مختار کے ساتھ ہو گیا تو اس نے عبداللہ ابن مطیع کے خلاف ربیع الاول ۶۶ھ میں خروج کیا۔ مختار کم عمری سے ہی سیاسی معاملات میں دخل دیتا آیا تھا۔ اسے سیاست گردی کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا خصوصاً کوفہ کے معاملات کو خوب سمجھتا تھا۔ مختار نہ تو قریشی تھا اور نہ کسی قبیلہ کا سردار۔ اس کو نہ تو خاندانی عظمت حاصل تھی، نہ مذہبی وجاہت، نہ قبائلی رسوخ، لیکن وہ ایک معاملہ فہم اور موقع شناس آدمی تھا۔ اس کے اندر حکومت اور اقتدار کی جو خواہش تھی وہ اسے حسب نسب کے زور پر نہیں حاصل کر سکتا تھا لہٰذا اس نے دعوت انتقام اہل بیت کا سہارا پکڑا تا کہ عوام الناس اس کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی طاقت کا مرکز عربوں کو بنانے کے بجائے موالی کو بنایا۔ ان موالی میں اکثریت ایرانی موالی کی تھی جو حکومت کے موروثی ہونے کے قائل تھے کیونکہ اسلام سے قبل ان کے ملک میں بادشاہت ہمیشہ موروثی رہی تھی۔ ان کی رائے میں خلافت حضرت علیؓ کی اولاد میں رہنی چاہئے تھی۔ چونکہ مختار حضرت علیؓ کے بیٹے ابن حنفیہ کے نمائندہ کے طور پر سامنے آیا تھا لہٰذا موالی کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ مختار کی کامیابی کی صورت میں شام پر عراق کو برتری حاصل ہو جاتی اور اس طرح وہ شراکت اقتدار کا اپنا خواب شرمندہ تعبیر کر سکتے تھے۔ چنانچہ کافی تعداد میں موالی مختار کی تحریک میں شامل ہو گئے۔

اس سے قبل یہ موالی اور غلام بظاہر اپنے آقاؤں کے ساتھ تھے جن میں سے کسی کی ہمدردیاں بنوامیہ کے ساتھ تھیں تو کسی کی ابن زبیر کے ساتھ اور کوئی حامیان اہل بیت میں سے تھا لیکن مختار کو اختیار کرنے کی صورت میں گویا ان موالی نے اپنے آقاؤں کے راستے سے خود کو الگ کر لیا تھا جس کی وجہ سے کوفہ کے عربوں کو سخت دھچکا پہنچا۔ یہ موالی، جنہیں ''حمراء'' کہہ کر پکارا جاتا تھا زیادہ تر ایران کے حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو اساورہ اور مرازبہ کہلاتے تھے یہ لوگ ۱۴ھ

Marfat.com

تا ۹۱ھ کی اسلامی فتوحات کے دوران مسلمان ہو گئے تھے اور خود کو ان عرب قبائل میں حلف وولاء کی صورت میں ضم کر لیا تھا جو رسول اللہؐ سے قریب تر تھے۔

اس ضمن میں ایم۔اے شعبان کی یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ موالی کے لئے مختار کی تحریک میں کوئی کشش نہیں تھی، مختار کی فوج میں ان کی تعداد صرف دو ہزار تین سو (۲۳۰۰) تھی جو ایک معمولی تعداد ہے اور انہیں بھی محض غیر معمولی صورت حال میں استعمال کیا گیا۔ شعبان لکھتا ہے:

"One point to emphasize is that he did not, as is generally believed, make a great appeal for the support of the non-Arab converts, 'mawali'. Admittedly we do hear of 2,300 'mawali' among his follwoers. Although probably exaggerated, this is a small number compared to the number of his Arab supporters their unimportance becomes clearer when one notes that they only rec ruited as an emergency measure to keep order in Kufa when the bulk of his supporters had been sent out to evangelize the country side, particularly to the north".

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خروج کے وقت مختار نے شہر میں منادی کرا دی کہ جو غلام ہم سے آ ملے گا اس کو آزاد کر دیا جائے گا اس پیغام رحمت کو سن کر ہزاروں غلام بھاگ آئے اور مختار کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔ (۱۴)

چنانچہ گورنر کوفہ عبداللہ ابن مطیع نے جنگ کے دوران اپنے فوجیوں کا خون گرم رکھنے اور انہیں ثابت قدم رہنے کے لئے اسی بات کا طعنہ دیا کہ تم لوگ اپنے غلاموں سے بھاگتے ہو۔ اس ضمن میں عبداللہ کی تقریر کا یہ حصہ قابل ذکر ہے۔

"یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم ایک ذلیل، حقیر اور گمراہ چھوٹی سی جماعت کے

Marfat.com

مقابلے سے عاجز آ گئے ہو۔ان کے مقابلے پر چلو، اپنے حریم کی ان کے مقابلے میں حفاظت کرو۔اپنے شہر اور اپنے خراج کو ان سے بچاؤ، ورنہ یاد رکھو کہ تمہارے حقوق میں غیر مستحق شریک ہو جائیں گے۔ بخدا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان باغیوں میں پانچ سو افراد ایسے ہیں جو تمہارے موالی ہیں۔ان کا امیر بھی انہی میں سے ہے اگر ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس سے تمہاری عزت، حکومت اور دین سب خاک میں مل جائے گا۔(۱۵)

بہر حال مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کے نتیجہ میں عبداللہ، گورنر کوفہ کی فوج کو شکست ہوئی اور عبداللہ بصرہ کی طرف نکل گیا۔(۱۶) کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختار نے گورنر کی طرف سے لڑنے والوں کو امان دی اور غنائم کی تقسیم میں موالی کو برابر کا شریک کیا۔کوفہ کا مختار کل بننے کے بعد مختار ثقفی نے بڑی سرعت سے عراق اور مشرقی ولائتوں میں اپنا سکہ جما لیا۔ ان میں موصل، آذربائیجان، ماہین، ہمدان، اصفہان، قم، حلوان اور ماسبذان کے علاقے شامل تھے۔ جہاں مختار نے اپنے حاکم مقرر کر دیئے۔تاہم عراق کا جنوبی علاقہ بشمول بصرہ، ابن زبیر کے قبضے میں باقی رہ گیا جہاں عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے ان کے بھائی مصعب ابن زبیر والی تھے۔

بظاہر یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ مختار نے حکومت پا کر اہل بیت کے قاتلوں یا ان کے مددگاروں کو کوئی سزا نہ دی حالانکہ ''انتقام اہل بیت'' اس کے دستور سیاسی کی نہایت اہم دفعہ تھی۔ وہ عرب جو حضرت حسین کے خلاف، عبیداللہ ابن زیاد کی بھیجی جانے والی فوج میں شامل تھے اور قتل اہل بیت میں بالواسطہ ہی نہیں بلاواسطہ بھی شریک تھے وہ کوفہ ہی میں موجود تھے مختار نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ سب کے ساتھ رواداری سے پیش آیا۔شاید وہ اپنی حکومت مضبوط و مستحکم کرنے کے بعد یہ سنگین قدم اٹھانا چاہتا ہو۔ بہر حال تقریباً ایک سال تک اس نے قاتلین حسین کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ چنانچہ محمد ابن حنفیہ کا یہ شکوہ اس تک پہنچا کہ مختار ہمارے خاندان کا انتقام لینے کا مدعی ہے حالانکہ قاتلین حسین اس کے ندیم و جلیس ہیں اور شہر میں اطمینان سے تجارت کرتے ہیں۔(۱۷) بہر حال جب کوفہ کے غیر شیعی اکابرین نے اس سے بغاوت کی اور اس میں ناکام ہوئے تو مختار نے ان کے خلاف تلوار سونت لی اور جنگ اور قتل حسین

Marfat.com

میں شرکت کرنے ڈالا جو شخص بھی اس کے ہاتھ آیا اس کا سر قلم کرا دیا۔ مختار کے خلاف اشراف کوفہ کی بغاوت میں جو قبائل مختار کے خلاف متحد ہوئے ان میں کوفہ میں آباد بنی بجیلہ، بنو کندہ، بنو نخع، بنو قیس، تیم الرباب، بنو ربیعہ، بنو تمیم، بنی ازد اور بنی خثعم وغیرہ شامل تھے۔ عرب قبائل میں سے صرف بنو ہمدان مختار کے طرفدار تھے اس طرفداری کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت علیؓ بنو ہمدان کی طرف خاص میلان رکھتے تھے انہیں ترجیح دیتے تھے اور ان کے بارے میں کہتے تھے ''اگر میں جنت کے دروازے پر دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ نیز کہا ''میں نے ہمدان کو تیار کیا اور انہوں نے حمیر کو تیار کیا''۔ (۱۸) جنگ صفین میں ان کا ایک بھی فرد معاویہؓ اور اہل شام کے ساتھ نہیں تھا ہاں البتہ غوطہ دمشق کے کچھ لوگ شامل تھے۔ تاہم بعد میں مختار ثقفی اور مصعب کی جنگ میں بنو ہمدان کے لوگ دونوں طرف سے شریک تھے چنانچہ طبری کے بیان کے مطابق بنو ہمدان کے پانچ سو افراد جو مصعب کی فوج میں شامل تھے، ہلاک ہوئے۔ (۱۹)

اشراف کوفہ کو مختار ثقفی سے جو شکایات تھیں ان میں سرفہرست یہی تھی کہ اس نے موالی کو اپنا تقرب عطا کیا اور سرکاری مالگذاری میں اس نے موالی کو بھی شریک کر لیا۔ دراصل اس نے موالی کی ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی جن کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ چنانچہ بعض عرب، جو شیعیان علی کے طور پر مشہور تھے مثلاً احنف ابن قیس اور ان کا قبیلہ، وہ بھی مختار سے صرف اس لئے برگشتہ ہو گئے کہ اس نے موالی کو اپنا مقرب بنا لیا تھا۔ انہی شرفائے عرب میں ایک شبث بن ربعی تھا، جو اشراف کوفہ کا نمائندہ بن کر مختار کے پاس گیا اور اس سے ان الفاظ میں عربوں کی بے چینی کا تذکرہ کیا ''جس طرح اللہ نے ہمیں یہ ملک (عراق) عطا فرمایا اسی طرح موالی کو بھی بطور مال غنیمت ہمیں دیا مگر آپ نے یہ غضب کیا کہ ان کو اپنا شریک کار بنایا، ہم نے انہیں آزاد کر دیا تاکہ اس کا اللہ کے یہاں سے اجر ملے اور یہ لوگ ہمارے شکر گزار بنیں، آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں ہماری آمدنی میں شریک کیا۔'' (۲۰)

اس سوال پر مختار نے جو جواب دیا وہ اہم ہے، اس نے کہا ''اگر آپ لوگ یہ پختہ عہد

Marfat.com

کریں کہ میری حمایت میں آپ بنی امیہ اور ابن زبیر سے لڑیں گے تو ان موالی کو میں آپ کے سپرد کئے دیتا ہوں اور آپ کی مالگزاری کی آمدنی آپ ہی پر خرچ کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ بشرطیکہ آپ لوگ میری حمایت کا ایسا عہد کریں جس سے مجھے اطمینان ہو''۔ (۲۱)

بہرحال یہ مذاکرات ناکام ہو گئے۔ مختار ثقفی کوفہ کے عربوں کا اعتماد حاصل نہ کر سکا اگرچہ ان میں سے بیشتر حضرت علیؓ کے طرفدار تھے یا طرفداروں کی اولاد میں سے تھے۔ دراصل مختار موالی کی جانب، جن پر اس کی اصل قوت کا دارومدار تھا، جس مہربانی اور عنایت کا اظہار کر رہا تھا وہ اس نظام کے لئے خطرے کا باعث بن گئی تھی جس کی رو سے عربوں کو مقامی لوگوں پر سیاسی اور اقتصادی برتری حاصل تھی۔ دوسری طرف ایرانی موالی جنہیں جارح ہونے کے بجائے یک گو نہ عربوں کا احسان مند ہونا چاہئے تھا کہ باوجود اس کے کہ عربوں نے عراق بزور فتح کیا تھا، وہ عراق کی زرخیز زمینوں کے مالک بھی بن سکتے تھے اور وہاں کی گرفتار شدہ رعایا یا شکست خوردہ رعایا کو اپنا لونڈی غلام بھی بنا سکتے تھے، مگر حضرت عمرؓ کی پالیسی کی وجہ سے ایسا کچھ نہیں کیا گیا چنانچہ ایرانی موالی اپنی زمینوں پر بدستور قابض رہے اور حکومت کو خراج ادا کرنے لگے۔ عربوں نے انہیں اپنا غلام بنانے کے بجائے ان سے عقد موالاۃ قائم کر کے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔

لیکن خصوصاً ایرانی موالی عربوں کے خلاف عداوت اور کینہ رکھتے تھے۔ اس کا ایک سبب ان کی وہ سابقہ رعونت تھی جس کی بناء پر وہ عربوں (ترکوں اور دیلمیوں) کو اجڈ، وحشی اور جنگلی اقوام سمجھتے تھے اور ان کے دلوں میں ساسانی حکومت کے خاتمے کا کانٹا چبھتا ہی رہتا تھا اور بیشتر ایرانی موالی عربوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے آرزومند رہتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نکلسن مختار کی تحریک کو امویوں کے خلاف نہیں بلکہ عربوں کے خلاف موالی کی تحریک سے تعبیر کرتا ہے۔ (۲۲) حالانکہ دیکھا جائے تو دونوں باتیں ایک ہی ہیں یعنی، اموی حکومت عربوں ہی کی حکومت تھی۔ اصل صورت حال یہ تھی کہ ایرانی موالی نے تشیع کے پردے میں دولت امویہ سے جنگ کی۔ ان کے دلوں میں سوائے عربوں اور عربوں کی حکومت کی ناپسندیدگی کے اور کوئی چیز نہیں تھی وہ اپنی ''آزادی'' کے لئے اسی راہ سے کوشش کر رہے تھے۔ (۲۳) مقریزی کا بیان ہے

Marfat.com

کہ ایران کی سرزمین سے تو برتوا ٹھنے والے اکثر فرقوں کے دین اسلام سے نکل جانے کا سبب یہ تھا کہ ایرانی قوم جو وسیع سلطنت کی مالک تھی، جن کا ہاتھ دوسری قوموں سے ہمیشہ اونچا رہتا تھا۔ جنہیں اپنی عظمت وسطوت کا قلبی شعور بھی تھا چنانچہ وہ خود کو آزاد اور سردار کہا کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ جب وہ اس آزمائش میں مبتلا ہوئے کہ عربوں کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا زوال عمل میں آیا تو یہ بات ان کو بڑی ہی شاق گزری اور اس مصیبت نے ان کے گھروں میں کہرام مچا دیا۔ مختلف اوقات میں وہ اسلام کو شکست دینے کے لئے جنگ آزمائیاں کرتے رہے۔ انہیں جب اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو خفیہ تدابیر کیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے بظاہر مسلمان بن کر، اور اہل بیت کی محبت ظاہر کر کے شیعوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا حضرت علیؓ اور ان کی اولاد پر جو ظلم ہوا تھا اس کی آڑ لے کر متفرق راہوں پر چل نکلے اور مسلمانوں کو صحیح راستے سے بھٹکا کر گمراہی کے غار میں دھکیل گئے۔ (۲۴)

موالی کی عربوں سے عداوت طے شدہ بات تھی۔ طبری میں ایک اہم واقعہ ملتا ہے کہ ایک دن مختار ثقفی کوفہ کے غیر شیعی اکابر کے ساتھ بڑے جوش وانہماک سے باتیں کر رہا تھا، یہ بات مجلس کے غیر عرب اعیان کو شاق گزری اور انہوں نے شکایت کے طور پر ابو عمرہ کیسان سے کہا۔ دیکھتے ہو، ابو اسحاق عربوں کی طرف کتنا ملتفت ہے اور ہماری طرف دیکھتا تک نہیں۔ مجلس ختم ہوئی تو مختار نے کیسان کو بلا کر پوچھا کہ غیر عرب اعیان تم سے کیا سرگوشی کر رہے تھے۔ تو اس نے کہا کہ وہ عربوں کے ساتھ آپ کے التفات اور اپنے ساتھ آپ کی سرد مہری کی شکایت کر رہے تھے۔ مختار رازداری سے بولا تم ان سے کہہ دینا کہ میرے اس طرز عمل سے دل پر ذرا میل نہ آنے دو، ہم تم ایک ہیں یہ کہہ کر وہ کافی دیر تک خاموش رہا پھر یہ آیت تلاوت کی ''انا من المجرمین منتقمون'' (یعنی ہم مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے) مختار کا اشارہ قاتلین حسین کی طرف تھا۔ مختار کا یہ پیغام سن کر موالی خوش ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے، خوش ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ ابو اسحاق نے عربوں کو ختم کر دیا۔ (۲۵)

اسی بات کا اظہار کوفہ کے ایک اور سر کردہ عرب عبدالرحمٰن ابن مخنف نے بھی کیا تھا جبکہ

Marfat.com

وہ اشراف کوفہ سے گفتگو کر رہا تھا اس نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ تم میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ مختار کے ہمراہ تمہارے غلام اور موالی ہیں جو پوری طرح متحد ہیں۔ تمہارے غلام اور موالی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تم سے زیادہ شدید عداوت اور کینہ رکھتے ہیں۔(۲۶) بہرحال کوفہ کے عربوں نے مختار کے خلاف خروج کر دیا۔ یہ خروج سرکاری افواج کی عدم موجودگی میں ہوا جو ابراہیم ابن اشتر کی قیادت میں عبدالملک کے خلاف جنگ پر گئی ہوئی تھیں۔ لیکن ابن اشتر کی بروقت واپسی نے اس خروج کو ناکام بنا دیا۔ اس جنگ کو "احاطہ سبیع" کا معرکہ بھی کہتے ہیں یہ جنگ بدھ ۲۴/ ذی الحجہ ۶۶ھ/ جولائی ۶۸۶ء کو ہوئی (۲۷) جس میں عربوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے کوفی عرب مارے گئے جن کی تعداد پانچ سو کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اس بغاوت کے بعد مختار ثقفی نے عربوں کو نہیں چھوڑا خصوصاً ان لوگوں کو چن چن کر قتل کرا دیا جو لوگ قتل حسین میں مطلوب تھے۔ اس ضمن میں اقدامات کرتے ہوئے مختار نے اپنے مولیٰ کیسان ابوعمرہ کو اپنی خاص فوج کا سردار مقرر کیا، اسے ایک ہزار کدال زن آدمی دیئے اور حکم دیا کہ ان تمام افراد کے گھر زمین بوس کر دو جنہوں نے حضرت حسینؑ کے خلاف یزیدی فوج میں شامل ہو کر جنگ کی تھی۔ نہ صرف وہ لوگ قتل ہوئے، بلکہ ان کے مکان بھی مسمار کرا دیئے گئے اور ان کو ملنے والا وظیفہ بھی ضبط کر کے مختار اپنے حامی موالی کو دلا دیتا (۲۸) اس طرح قتل ہونے والے عربوں کی تعداد دو سو اڑتالیس (۲۴۸) تھی: (۲۹) باقی بچ جانے والے تمام اشراف وعمائدین کوفہ مصعب ابن زبیر (۳۰) کے پاس بصرہ چلے گئے۔(۳۱)

اگلے ہی مہینے ایرانی موالی کو موقع فراہم ہوا کہ وہ براہ راست شامی فوجوں سے ٹکر لیں۔ شامی فوجیں عبیداللہ ابن زیاد کے تحت تھیں جبکہ کوفہ کی فوجیں ابراہیم ابن اشتر کی سرکردگی میں تھیں۔ جن میں موالی کی بڑی تعداد تھی ایک اندازے کے مطابق بیس ہزار ایرانی موالی تھے، جبکہ کل فوجیوں کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس سلسلے میں دینوری ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم ابن اشتر کی فوج نے پڑاؤ کیا تو شامی لشکر گاہ سے بنو قیس کے دو افراد فرات بن عالم اور عمیر بن حباب چھپ چھپا کر ابن اشتر کے پاس پہنچے۔ یہ دونوں قاتلین حسین

Marfat.com

میں سے تھے لیکن بنو مروان سے ناراض تھے اور ان کے مقابلے میں ابن اشتر کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ جب وہ ابراہیم سے ملے تو انہوں نے بڑی دلچسپ بات کہی۔ عمیر نے کہا ''جس وقت سے تمہاری لشکر گاہ میں داخل ہوا ہوں شدید کرب کا شکار ہوں، اس کا سبب یہ ہے کہ جب تک تمہارے پاس پہنچ نہیں گیا میں نے کوئی عربی گفتگو نہیں سنی جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے ساتھ جو لوگ ہیں وہ سارے عجمی ہیں''۔ (۳۲)

ان عجمیوں (ایرانی موالی) کے بارے میں ابراہیم کا جواب تھا ''یہ لوگ عجمی شہسواروں اور مرزبانوں کی اولاد ہیں''۔ (۳۳)

اس جنگ میں ابراہیم ابن اشتر فاتح رہا، شامی فوج پسپا ہوگئی، اس پسپائی میں فرات بن عالم اور عمیر بن حباب کی کارگزاریوں کا بھی ہاتھ تھا، شامیوں میں سے حصین بن نمیر السکونی، شرحبیل بن ذی کلاع اور عبیداللہ ابن زیاد مارے گئے۔ یہ واقعہ محرم ۶۷ھ بمطابق اگست ۶۸۶ء کا ہے شامی لشکر گاہ پر قبضہ کر لیا گیا اور جو کچھ تھا لوٹ لیا گیا۔ (۳۴)

بنوامیہ کی شامی افواج سے ایرانی موالی کی یہ پہلی براہ راست اور خطرناک جنگ تھی۔ ایرانی موالی کا یہ وہ خطرناک فوجی اور سیاسی اقدام تھا جس کا انہیں خمیازہ بھگتنا پڑا۔ چنانچہ بعد میں عبدالملک بن مروان نے عراق پر قابض ہو جانے کے بعد ان موالی کے خلاف سخت اقدامات کئے، ان کو اہم سیاسی عہدوں سے محروم رکھا گیا، ان کا سماجی مرتبہ گھٹایا گیا اور انہیں باقی ماندہ اموی دور میں کمتری اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف چونکہ ان ایرانی موالی نے کوفی عربوں سے اپنے تعلقات بگاڑ لئے تھے لہٰذا ان عربوں نے مستقبل قریب میں ان موالی کی حمایت میں کبھی لب کشائی کی ضرورت محسوس نہ کی۔ البتہ انہیں ''خشبیۃ'' یعنی لٹھ باز کا اہانت آمیز نام دیا۔ (۳۵)

ادھر دوسری طرف ''احاطہ سبیع'' کے شکست خوردہ عربوں نے جب مصعب بن زبیر سے مدد چاہی تو اس وقت بھی اشراف کوفہ مثلاً شبث بن ربعی اور محمد ابن اشعث وغیرہ نے موالی ہی کا مسئلہ اٹھایا اور کہا ''ہمارے غلام اور موالی ہم پر چڑھ دوڑے ہیں، اب آپ ہماری مدد کیجئے اور مختار پر فوج کشی کیجئے''۔ (۳۶) محمد ابن اشعث کی گفتگو کا غالب حصہ یہی موالی تھے۔ اس نے کہا:

Marfat.com

''اے امیر! آپ کو اس کذاب (مختار) پر چڑھائی کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔ اس کذاب نے ہمارے بہترین افراد کو تہہ وتیغ کر دیا ہے، گھر گرا دیئے ہیں (۳۷) ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، عجمیوں کو ہماری گردنوں پر سوار کر دیا ہے اور انہیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں ہمارے مال ومتاع کو لوٹیں۔ آپ اس پر حملہ آور ہوں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، علاوہ ازیں کوفے کے دیگر تمام عرب بھی آپ کے ساتھی اور مددگا ہونگے جنہیں ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہیں''۔ (۳۸)

بہرحال مصعب ابن زبیر نے مختار ثقفی سے فیصلہ کن معرکہ کا قصد کر لیا اور مہلب بن ابی صفرہ کی اعانت سے مختار ثقفی کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ مصعب کی فوج عربوں کی فوج تھی جن میں بنی تمیم، بکر بن وائل، بنو عبد قیس، بنو ازد اور نجد کے بعض قبائل شامل تھے، جبکہ دوسری طرف مختار کی فوج عرب و موالی کی متحدہ فوج تھی جس کا سپہ سالار ایک عرب احمر ابن شمیط (۳۹) تھا۔ تاہم اس نے موالی کی جماعت پر کیسان بن عمرہ کو سردار بنایا تھا۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس بار ابراہیم ابن اشتر کو سپہ سالاری نہیں دی گئی کیونکہ ابن اشتر مختار کی سیادت کی مطلقاً پروا نہیں کرتا تھا۔ (۴۰) ابن کثیر کا بیان ہے کہ ابراہیم ابن اشتر نے جب ابن زیاد کو قتل کر دیا تو نواح میں خود مختار ہو گیا اور اس نے بلاد اقالیم کو اپنے لئے جمع کر لیا اور مختار کو کمتر سمجھا۔ (۴۱)

عرب و موالی کی یہ مشترکہ فوج باہم یک جان دو قالب نہیں تھی چنانچہ دونوں طرف سے عصبیت کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر ایک عصبیت پسند عرب سردار عبداللہ ابن وہب الجشمی نے اس بات میں کوئی کسر نہ چھوڑی کہ اس جنگ میں سارے موالی ہلاک ہو جائیں۔ عبداللہ فوج کے میسرہ کا سردار تھا اور موالی کے خلاف تعصب رکھتا تھا۔ جنگ شروع ہونے سے قبل یہ احمر ابن شمیط کے پاس آیا اور اس کو مشورہ دیا کہ آپ نے موالی میں سے زیادہ تر کو گھوڑوں پر سوار کر دیا ہے اور خود پاپیادہ ہیں۔ یہ موالی اور غلام جنگ کی شدت میں ہرگز ثابت قدم نہ رہ سکیں گے اور گھوڑوں سمیت فرار ہو جائیں گے لہٰذا انہیں پاپیادہ کر دیں تاکہ انہیں ثابت قدم رہ کر لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔ (۴۲) ابن شمیط نے سمجھا کہ یہ مشورہ نیک نیتی سے دیا جا رہا ہے لہٰذا اس

Marfat.com

نے ایسا ہی کیا اور موالی گھوڑوں سے اتروا لئے گئے۔

بہر حال مختار کی افواج کو پہلے دجلہ کے کنارے مذار کے مقام پر شکست ہوئی یہ علاقہ بصرہ سے تقریباً سو میل شمال مغرب میں تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حروراء کے مقام پر تو شیعی افواج بالکل ہی درہم برہم ہو کر رہ گئیں۔ حروراء کوفہ سے دو میل پر ایک گاؤں تھا۔ جنگ مذار نے مختار کے قصر اقبال کی بنیادیں ہلا دیں، یہ اس کی بڑی فوجی شکست ہی نہ تھی بلکہ اس کی اخلاقی اور الہامی ہزیمت بھی تھی۔ اب تک وہ نبی اور کاہن بنا ہوا تھا، جس کے پاس جبرئیل امین آتے تھے، جس کے تصرف میں مافوق الانسان قوتیں تھیں۔ اس کے ساتھ فرشتوں کے لشکر لڑتے تھے۔ فوج بھیجتے وقت اس نے پیش گوئی کی تھی۔

والذی کرَّم وَجه ابی القاسم لیدخلنَّ ابنُ شمیطِ البصرةَ فی عافیة صافیة. قضاء مقضیاً .وقد خابَ مَن افتری و قد بعثُت معه برایة ما غزلتهاید'' ولا نسجها نساجُ

یعنی ''قسم ہے اس خدا کی جس نے ابو القاسم (ابن حنفیہ) کو عزت عطا کی۔ ابن شمیط سلامتی کے ساتھ بصرہ میں داخل ہوگا۔ خدا کا یہ اٹل فیصلہ ہے۔ اس میں شک کرنے والا نامرادی کا منہ دیکھے گا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک علم روانہ کیا ہے جس کو نہ کسی ہاتھ نے کاتا ہے نہ کسی بننے والے نے بنا ہے''۔

مختار نے علم ابن شمیط کو اس تاکید کے ساتھ دیا کہ دن کے ایک مقررہ وقت میں اسے کھول کر علم کرے، جونہی دشمن کی نظر اس پر پڑے گی وہ شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ (۴۳)

لیکن ایسا کچھ نہ ہوا تو پہلی بار ایرانی موالی بھی تذبذب کا شکار ہوئے انہوں نے کہا ''ایں بار دروغ گفت'' (اس بار مختار کی پیش گوئی جھوٹی نکلی) (۴۴)

اس فیصلہ کن شکست کے بعد مختار کے پاس اس کے سوا کچھ چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے قصر میں محصور ہو کر جب تک ہو سکے مدافعت کرے۔ چنانچہ مختار نے کوفے کے قصر امارت میں پناہ لی اور بڑی بہادری سے وہاں چار ماہ (۴۵) تک مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کار اس کے بہت سے

Marfat.com

حامی اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ خود مایوسی کے عالم میں اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ قصر سے نکل کر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔ یہ ۱۴ رمضان ۶۷ھ/ ۶۸۷ء کا واقعہ ہے اس وقت مختار کی عمر ۶۷ برس تھی۔ (۴۶)

مختار کے باقی ماندہ ساتھی قصر میں مزید دو ماہ محصور رہے حتیٰ کہ ان کا سامان رسد ختم ہو گیا اور انہیں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پڑے۔ مصعب ابن زبیر نے ان سب کو قتل کرا دیا، وہ کل چھ ہزار تھے، دو ہزار عرب اور چار ہزار عجم (موالی) یہ دینوری کا بیان ہے۔ جبکہ طبری کے مطابق ان چھ ہزار میں سے صرف سات سو عرب تھے اور باقی اہل عجم (موالی) تھے۔ (۴۷) مصعب چاہتا تھا کہ عربوں کو معاف کر دیا جائے اور موالی کی گردن اڑا دی جائے۔ اس نے قبیلہ تمیم کے دانشمند سردار احنف ابن قیس سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ خدا ترسی کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب کو معاف کر دیا جائے۔ تاہم کوفہ کے ان عربوں نے جو بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے اور جن کے گھر مسمار اور جائیدادیں ضبط کر لی گئی تھیں اس مشورہ کی سخت مخالفت کی، انہوں نے مصعب پر دباؤ بڑھایا اور مصعب نے انہی کی خواہش پوری کی (۴۸) چنانچہ ایم اے شعبان کا یہ کہنا کہ مختار کی فوج میں صرف دو ہزار تین سو کے قریب موالی تھے، مختار کی اصل طاقت ابراہیم ابن اشتر کی فوج تھی اور اس میں کوئی بھی مولیٰ شامل نہیں تھا (۴۹) تاریخ کا کوئی درست تجزیہ نہیں ہے۔ شعبان یہ بات بلا ذری کی کتاب ''الانساب'' (جلد ۵، ص ۲۴۶) کے حوالے سے کہتا ہے۔ حالانکہ انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۴۶ پر یہ بیان ملتا ہے کہ مختار کی اس تین ہزار کی فوج میں اکثر موالی تھے (سوائے سات سو عربوں کے) جو اس نے عبداللہ ابن زبیر کو عبدالملک بن مروان کے خلاف مدد کے لئے بھجوائی تھی۔ یہ گویا مختار کی فوج کے ایک دستہ کا حال تھا، اسی پر دیگر دستوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مختار کی اصل طاقت موالی ہی تھے۔

مختار کی بغاوت کی شکل میں موالی کی اس جارحیت کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ موالی معاشرے کا ایک مظلوم طبقہ تھے، امیر معاویہ اور ان کے جانشینوں کے دور میں وہ تنگ کئے اور ستائے گئے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی اس بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے مختار کی بغاوت میں

Marfat.com

اس کا ساتھ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ موالی کو جو سماجی رتبہ رسول اللہ اور ان کے خلفاء نے عطا کیا تھا، اس کو کم کرنا حضرت معاویہؓ کے لئے اتنا آسان نہ تھا، سماجی تبدیلیاں مہینوں میں نہیں آیا کرتیں، بلکہ سماج کے بدلنے کا ایک طویل عمل ہوتا ہے اور اس کا بہت زیادہ تعلق وہاں کی اقتصادیات سے ہوتا ہے۔ موالی کے ساتھ اسلام کے ابتدائی دور میں کوئی اقتصادی ناانصافی یا سماجی امتیاز روا نہیں رکھا گیا، اس پر پچھلے ابواب میں وضاحت سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ جس سماجی رویہ کو بنانے میں رسول اللہؐ کے تیئیس سال اور جس کو برقرار رکھنے میں خلفاء راشدین کے تیس سال صرف ہوئے وہ سماجی رویہ محض چند سالوں میں کلیتہً سبوتاژ کیا ہی نہیں جا سکتا، ابھی صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت موجود تھی، خود امیر معاویہ بھی صحابی رسولؐ تھے، ان پر اس جماعت کا اخلاقی دباؤ ایسا تھا کہ وہ نری عربی عصبیت کا جاہلانہ مظاہرہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اگر موالی کے حق میں امیر معاویہؓ کی طرف سے معمولی سی بھی کوتاہی ہوتی تو صحابہؓ میں سے کوئی نہ کوئی ان سے باز پرس ضرور کرتا اور انہیں باز رکھنے کی کوشش کرتا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا امیر معاویہ کے پاس شام جا کر موالی کی حق تلفی کی شکایت کرنا، تاریخی کتب میں مذکور ہے۔ (۵۰) چنانچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امیر معاویہؓ یا ان کے جانشینوں نے موالی پر کوئی ایسا ظلم کیا جس کے ردعمل کے طور پر وہ مختار کی بغاوت میں اس کے ساتھ ہو گئے اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ بے چین نہیں تھے، انہیں پابندی سے ان کے وظائف بھی مل رہے تھے، وہ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور اپنے کاروبار آزادانہ طور پر کر رہے تھے تاہم کوفہ میں بیشتر عرب و موالی دونوں ایک دوسرے کے لئے تعصب رکھتے تھے، تعصب پسند عربوں میں اکثریت ان بادیہ نشینوں کی تھی جو بالکل آخیر میں اسلام لائے اور اسلامی فتوحات کے نتیجے میں دیگر علاقوں میں جا کر آباد ہوئے، ان کی ابھی پوری طرح تہذیب نفس نہیں ہو سکی تھی، اسی طرح کوفہ کے موالی میں سے بھی اکثریت ان تعصب پسند ایرانی موالی کی تھی جن میں اپنے سابقہ شاندار سیاسی و سماجی ماضی کی رعونت ابھی تک بھری ہوئی تھی اور وہ عربوں کو کمتر سمجھتے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مختار ثقفی ایک طالع آزما شخص تھا۔ جو اس وقت کے سیاسی عدم استحکام سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا (۵۱) جس کے لئے اس کی نظر انتخاب کوفہ پر پڑی جو اس وقت

Marfat.com

سب سے زیادہ پرفتن علاقہ تھا۔ یہاں کے لوگوں کی اکثریت شیعیان علی کی تھی لہٰذا ان کی توجہ حاصل کرنے کے لئے مختار نے ابن حنفیہ کو مہدی اور امام قرار دیا اور خود ان کا نام نہاد وزیر وامین بن کر کوفہ کی ولایت پر قابض ہونا چاہا۔ بعد میں بھی وہ غلط طور پر اپنی تحریک کو ابن حنفیہ کی طرف منسوب کرتا رہا۔ حالانکہ درحقیقت وہ عراق میں جو کچھ کر رہا تھا وہ سب کچھ محمد ابن حنفیہ کے مشورے اور رضامندی کے بغیر ہو رہا تھا (۵۲) وہ اپنے خواص سے کہتا تھا کہ اس کے پاس جبرئیل امین آتے ہیں اور اس کو وحی (۵۳) آتی ہے۔ ابن حزم نے بھی لکھا ہے کہ مختار بن ابی عبید نے کوفہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ (۵۴) اس نے ایک کرسی رکھی ہوئی تھی جس کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ اسے بنی اسرائیل کے اس تابوت سے مشابہہ قرار دیتا تھا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ (۵۵)

چنانچہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا صحیح العقیدہ لوگ اس سے بیزار ہونے لگے۔ اس کے ایک انتہائی قریبی ساتھی رفاعہ بن شداد، جو پہلے مختار کے لئے لوگوں سے بیعت لیتا تھا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا، جب مختار کا جھوٹ معلوم ہوا تو وہ اس کو قتل تک کر دینے کے درپے ہو گیا۔ (۵۶) بہرحال مختار کے کذب وافتراء کی وجہ سے اس کا ساتھ چھوڑنے والوں میں زیادہ تعداد عربوں کی تھی جبکہ موالی نے اس کا ساتھ آخر وقت تک نہیں چھوڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ موالی میں سے اکثریت کا اسلام اتنا پختہ نہیں تھا کہ وہ مختار کے دعوؤں کو راسخ الاعتقادی کے خلاف سمجھتے۔ یہ ایرانی موالی ابھی تک اپنے سابقہ مذہب کے تصورات کو کلیتہً ترک نہیں کر سکے تھے، اسلام ابھی ان کے حلق سے نیچے نہیں اترا تھا، چنانچہ ان کو اپنے ساتھ دگر اعتقادی کی راہ پر لے کر چل نکلنا مختار کے لئے زیادہ آسان تھا، بہ نسبت اس کے کہ وہ عربوں کو اپنا ہم خیال بناتا جو اس کے کذب و افتراء کو، اپنے بہتر دینی تصورات کی وجہ سے، زیادہ آسانی سے شناخت کر سکتے تھے۔

بہرحال مختار کا خاتمہ موالی قوت کا خاتمہ تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں موالی ان جنگوں میں مارے گئے۔ مختار کی آٹھ بڑی جنگیں اور بعض چھوٹی جھڑپیں، اس کے دور میں ہوئیں ان جنگوں میں مختار کے پچاس ہزار سے زائد آدمی کام آئے، جن میں عربوں کے علاوہ موالی اور غلاموں کی

Marfat.com

اکثریت تھی۔اسی کے لگ بھگ نقصان فریق ثانی کا بھی ہوا ہوگا۔یہ اعداد وشمار یقیناً حیرت انگیز ہیں۔ان جنگوں اور اقدامات کا موالی کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ آئندہ انہیں اپنے علاقوں میں بھی سکون نہ ملا۔عبدالملک بن مروان کے گورنر حجاج بن یوسف نے ان معاملات کے پیش نظر ان پر وہ سختیاں کیں کہ مدتوں وہ بنوامیہ کے خلاف سر نہ اٹھا سکے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب پنجم)

۱۔ 'History of the Islamic Peoples', P.88 translated by Joel carmicbael & Mosbe Perlmann, Edited by carl Brockelmann, Landon, 1980.

۲۔ الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۴۶۵، البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر انساب الاشراف، جلد۵، ص ۲۱۴، یروشلم ۱۹۳۶ء

۳۔ الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۴۶۵

۴۔ طبری جلد۵، ص ۷۵

۵۔ طبری، جلد۵، ص ۱۵۸، الکامل فی التاریخ، جلد۳، ص ۴۰۴، البدایہ والنہایہ، جلد۸، ص ۱۴

۶۔ طبری، جلد۵، ص ۵۶۹، (یہ گھر اس زمانے میں ابن مسیب کا گھر کہلاتا تھا) نیز انساب الاشراف جلد۵، ص ۲۱۴

۷۔ مختار ثقفی کو کئی واسطوں سے حضرت عمرؓ سے قرابت تھی مثلاً مختار کی ایک بہو حضرت عمرؓ کی نواسی ام سلمہ بنت عبیداللہ بن عمر بن خطاب تھیں۔ ان کے شوہر کا نام ابوامیہ بن مختار ثقفی تھا (جمھرۃ انساب العرب، ص ۲۶۸) اسی طرح سے حضرت عمرؓ کے ایک پوتے یعنی عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب مختار کے داماد تھے، ان کی بیوی کا نام ام سلمہ بنت مختار ثقفی تھا (جمھرۃ انساب العرب، ص ۱۵۳) نیز مختار کی ایک بہن صفیہ بنت ابی عبید ثقفی حضرت عبداللہ ابن عمر کی منکوحہ ہونے کے ناطے، حضرت عمرؓ کی بہو تھیں (المعارف، ص ۱۷۲، الاستیعاب، جلد۴، ص ۱۸۷۳، البدایہ والنہایہ، جلد۸، ص ۲۶۴)

۸۔ طبری، جلد۵، ص ۵۷۱، المعارف، ص ۸۰، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۲۴۹، انساب

Marfat.com

الاشراف، جلد ۵، ص ۲۱۳، ۲۱۵، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۱۶۹

۹۔ مسعودی، جلد ۲، ص ۷۷

۱۰۔ ابو مطرف، سلیمان بن صرد الخزاعی کا اصل نام یسار تھا لیکن جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہؐ نے ان کا نام سلیمان رکھ دیا۔ انہیں اپنی قوم میں بڑی ناموری حاصل تھی اور جب مسلمان کوفے میں آباد ہونا شروع ہوئے تو سلیمان بھی وہیں جا بسے جنگ جمل اور جنگ صفین میں وہ حضرت علیؓ کی طرف سے لڑے تھے۔ امیر معاویہؓ کی وفات (رجب ۶۰ ھ / اپریل ۶۸۰ ء) کے بعد وہ حضرت حسینؓ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے اور یہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے اور بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کرنے کی دعوت دی تھی۔ مگر جب حضرت حسینؓ ان کی دعوت پر کوفہ گئے تو سلیمان سمیت ان کے حامی ان کی کچھ مدد نہ کر سکے اور حضرت حسین اپنے تمام ساتھیوں سمیت میدان کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔ (۱۰ محرم ۶۱ ھ مطابق ۱۰ / اکتوبر ۶۸۰ ء) تو وہ کوفی جنہوں نے حضرت حسین کو کوفہ بلایا تھا اپنی بزدلی اور بے عملی پر نادم اور شرمندہ ہوئے اور اپنے جرم کی تلافی کے لئے خون حسین کا انتقام لینے اٹھ کھڑے ہوئے، ان لوگوں کا نام ''التوابون'' (توبہ کرنے والے) پڑ گیا اور یہ لوگ سلیمان بن صرد الخزاعی کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ اس پوری جماعت کا کوئی شخص بھی ساٹھ سال سے کم عمر کا نہ تھا۔ سلیمان نے اپنی جماعت کے ساتھ ربیع الثانی ۶۵ ھ / نومبر ۶۸۴ ء میں خروج کیا۔ شیعیان علی، سلیمان کی توقعات سے بہت کم پر جوش ثابت ہوئے چنانچہ سولہ ہزار آدمی جنہوں نے ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا، خروج کے وقت صرف چار ہزار رہ گئے۔ عین الوردۃ کے مقام پر تین روزہ جنگ میں سلیمان اور ان کے بیشتر ساتھی ہلاک ہو گئے۔ یہ جنگ ۲۲ / جمادی الاول ۶۵ ھ / ۴ / جنوری ۶۸۵ ء کو ہوئی۔ حکومت کی فوج حسین بن نمیر السکونی کی ماتحتی میں تھی۔

۱۱۔ کوفہ روانہ ہونے سے قبل مختار، حضرت علیؓ کے بیٹے محمد ابن حنفیہ (م ۸۱ ھ) سے ملا تھا جو کہ مکہ میں مقیم تھے۔ یہ حضرت حسن و حسین کے چھوٹے سوتیلے بھائی تھے، ایک روایت کے

Marfat.com

مطابق ان کی والدہ ایک سندھی کنیز تھیں۔ جب حضرت حسین کوفہ جانے کے ارادہ سے اپنے اہل خانہ سمیت چلے تھے تو انہوں نے ابن حنفیہ کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی مگر مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں اور خونریزی کے پیش نظر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ مختار ثقفی مکہ میں ان سے ملا اور ان کے سامنے اپنا یہ مشن رکھا کہ میں آپ کے عزیزوں کا انتقام لینے کوفہ جا رہا ہوں اور دشمنوں کو قتل کر کے آپ کے لئے حکومت حاصل کروں گا ۔ابن حنفیہ نے مختار کی ذرہ برابر بھی حوصلہ افزائی نہ کرتے ہوئے کہا ’بلاشبہ یہ تو میری خواہش ہے کہ خدا ہماری مدد کرے اور ہمارا خون بہانے والوں کو تباہ کرے لیکن میں جنگ یا خونریزی کی اجازت نہیں دے سکتا ہمارا انصاف کرنے کے لئے اور ہمارا انتقام لینے کے لئے خدا ہی کافی ہے‘‘۔ (انساب الاشراف، جلد۳، ص۲۱۸) اس کے باوجود کوفہ پہنچ کر مختار نے خود کو ابن حنفیہ کا نمائندہ بتایا۔ وہ کہا کرتا کہ میں مہدی وقت محمد ابن حنفیہ کے پاس سے آیا ہوں۔ مجھے انہوں نے اپنا وزیر اور امین بنا کر تم لوگوں کے پاس بھیجا ہے۔ (طبری، جلد۶، ص۱۸۔۱۶، اخبار الطوال، ص۲۹۷، ۲۹۸)

۱۲۔ ابراہیم ابن اشتر، حضرت علیؓ کے مشہور سپہ سالار اشتر نخعی کا بیٹا تھا۔ اشتر ایک قبائلی لیڈر تھا جس نے عراق و ایران کی ابتدائی فتوحات میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں اور جب کوفہ آباد ہوا تو دوسرے فاتحین کے ساتھ کوفہ میں آباد ہو گیا۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورش برپا کرنے، ان کا محاصرہ کرنے اور انہیں قتل کرنے میں اس کا نمایاں حصہ تھا۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا اور وہ ان کا اہم جرنیل بن گیا۔ اشتر اور اس کا خاندان کوفہ میں خاص شرف وعزت کا حامل تھا۔ اس کا بیٹا ابراہیم بھی انہی خصوصیات کا حامل تھا۔ اپنی اسی عزت وشرف کی وجہ سے وہ مختار کی ماتحتی میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر کار اس کا تعاون حاصل کرنے کے لئے مختار نے ابن حنفیہ کی طرف سے جعلی خط کا سہارا لیا۔ (طبری، جلد ۶، ص ۱۷۔۱۶، اخبار الطوال، ص ۸۔۲۹۷، انساب الاشراف، جلد۵، ص۲۲۲)

Marfat.com

۱۳۔ **M. A.SHABAN, Islamic History,A new interpretation P.95, Cambridge,1971**

۱۴۔ انساب الاشراف، جلد۵،ص ۲۶۷

۱۵۔ طبری، جلد۶،ص ۲۸

۱۶۔ ایضاً ص ۳۱ (عبداللہ ابن مطیع نے فرار ہو کر سابق گورنر کوفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے گھر میں پناہ لی۔ مختار کو اس کی اطلاع مل گئی لیکن سابقہ دوستی کے پیش نظر مختار نے خاموشی سے ابن مطیع کے پاس چند ہزار درہم بھجوائے اور کہلایا کہ مجھے تمہارے چھپنے کی جگہ کا علم ہے غالباً رقم نہ ہونے کی وجہ سے تم ابھی تک رکے ہوئے ہو۔ اس رقم سے انتظام کر کے چلے جاؤ۔ چنانچہ ابن مطیع بصرہ چلے گئے، البدایہ والنہایہ، جلد۸،ص ۲۶۸، الکامل فی التاریخ، جلد۴،ص ۲۲۶)

۱۷۔ انساب الاشراف، جلد۵،ص ۲۳۷

۱۸۔ مسعودی، جلد۲،ص ۸۳

۱۹۔ طبری، جلد۶،ص ۱۱۰

۲۰۔ طبری، جلد۶،ص ۴۴

۲۱۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، جلد۴،ص ۲۳۱

۲۲۔ A literary history of the Arabs.P.219.NICHOLSON,

۲۳۔ فجر اسلام،ص ۲۷۷

۲۴۔ الخطط، مقریزی، باب XCIV

۲۵۔ الکامل فی التاریخ، جلد۴،ص ۲۲۷، البدایہ والنہایہ، جلد۸،ص ۲۶۸

۲۶۔ طبری، جلد۶،ص ۴۵۔۴۴

۲۷۔ طبری، جلد۶،ص ۵۷

۲۸۔ اخبار الطوال،ص ۵۰۰

Marfat.com

۲۹۔ طبری، جلد ۶، ص ۵۱ (ابن کثیر گرفتار شدگان کی تعداد پانچ سو بتاتا ہے۔ان کے بارے میں مختار نے حکم دیا کہ جو لوگ قتل حسین میں شریک تھے انہیں قتل کر دیا جائے تو ان میں سے دو سو چالیس افراد کو قتل کر دیا گیا۔ ابن کثیر، جلد ۸، ص ۲۷۰)

۳۰۔ مصعب بن زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب رسول اللہؐ کے مشہور صحابی اور حواری رسول اللہؐ زبیرؓ بن العوام کے بیٹے تھے، ان کی ماں کرمان بنت انیف کلبیہ تھیں۔ لہٰذا یہ عبداللہ ابن زبیر کے علاتی بھائی تھے۔ بہت بہادر، سخی اور وجیہہ شخص تھے، بعض اوقات انہوں نے شدت پسندی کا مظاہرہ کیا، انہوں نے مروان اول کے عہد خلافت میں فلسطین پر خاص تدبیر سے حملہ کر کے اپنے فوجی کارناموں کی ابتداء کی، بعد میں ان کے بھائی عبداللہ نے انہیں بصرے کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ تاریخ میں مصعب کی شہرت ایک اور حوالے سے بھی ہے اور وہ یہ کہ ان کے نکاح میں بیک وقت اپنے زمانے کی دو بے حد خوبصورت، باوقار اور ذہین خواتین تھیں، ان میں ایک عائشہ بنت طلحہ اور دوسری سکینہ بنت حسین تھیں۔

۳۱۔ طبری، جلد ۶، ص ۵۵

۳۲۔ اخبار الطوال، ص ۵۰۲

۳۳۔ ایضاً ص ۵۰۳

۳۴۔ ایضاً ص ۵۰۴، طبری، جلد ۶، ص ۸۹ تا ۹۱

۳۵۔ المعارف، ص ۲۶۷۔ انہیں یہ نام اس لئے ملا کہ یہ لاٹھیوں سے مسلح رہتے تھے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ مختار کے جو سپاہی محمد ابن حنفیہ کو عبداللہ ابن زبیر کی قید سے چھڑانے گئے وہ لاٹھیوں سے مسلح تھے لہٰذا انہیں خشبیہ کہا گیا۔ (انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۳۱)

۳۶۔ طبری، جلد ۶، ص ۹۴

۳۷۔ گرائے جانے والے مکانات میں محمد ابن اشعث کا مکان بھی تھا۔ الدینوری کے مطابق محمد ابن اشعث، معرکہ سبیع میں شریک تھا (اخبار الطوال، ص ۵۱۰) جبکہ طبری کے مطابق یہ

Marfat.com

کوفے کی جنگ میں شریک نہ تھا بلکہ اس وقت اپنے قصر واقع طیزن آباد (جو قادسیہ کے قریب ہے) میں مقیم تھا۔ادھر مختار نے ابن اشعث کے قصر کا پتا معلوم کر کے سو سواروں کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا، لیکن وہ فوجی دستہ کی آمد سے قبل نکل گیا اور بصرہ میں مصعب ابن زبیر سے جاملا۔مختار کی فوج نے محمد ابن اشعث کے محل کو منہدم کر دیا۔

(طبری، جلد ۶، ص ۹۴)

۳۸۔ اخبار الطوال، ص ۵۱۶

۳۹۔ مختار ثقفی کے چند دیرینہ رفقاء تھے، ۶۶ھ میں جب مختار نے اپنی تحریک پر شیعیان علی سے بیعت لینی شروع کی تو یہ پانچ افراد لوگوں سے مختار کی بیعت بھی لیتے تھے اور انہیں ترغیب بھی دیتے تھے۔(i) سائب بن مالک اشعری، (ii) یزید بن انس، (iii) احمر ابن شمیط، (iv) رفاعہ بن شداد اور (v) عبداللہ بن شداذ جشمی (ابن کثیر، جلد ۸، ص ۲۶۴)

۴۰۔ طبری، جلد ۶، ص ۹۶۔۹۵

۴۱۔ البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۲۸۷

۴۲۔ طبری، جلد ۶، ص ۹۶، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۹۔۲۶۸

۴۳۔ انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۵۵

۴۴۔ ایضا، ص ۲۵۴

۴۵۔ دینوری کے مطابق یہ محاصرہ چالیس روز رہا جبکہ طبری کا خیال ہے کہ یہ محاصرہ چار ماہ تک قائم رہا۔(طبری، جلد ۶، ص ۱۱۵) تاہم ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ مختار محاصرے کے دوران اپنے چند جانثاروں کے ساتھ باہر نکلا اور لڑتا ہوا مارا گیا جبکہ اس کے باقی ساتھی بدستور قصر میں محبوس رہے۔دینوری نے مختار کی موت تک، محاصرہ کی مدت گنی ہوگی جبکہ طبری نے مختار کے بعد بھی محاصرے کی مدت کو شمار کیا ہوگا

۴۶۔ طبری، جلد ۶، ص ۱۱۶، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۲۷۸، اکثر مورخ مختار کا دور حکومت ۱۸ ماہ بتاتے ہیں یعنی ربیع الاول ۶۶ھ سے رمضان ۶۷ھ تک۔طبری، ابوحنیفہ الدینوری، ابن

Marfat.com

اثیر اور ابن خلدون کی یہی رائے ہے لیکن بلاذری نے انساب الاشراف میں کئی بار اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کا قتل رمضان ۶۹ھ میں واقع ہوا۔ اس اعتبار سے اس کے دور اقتدار کی مدت ساڑھے تین سال ہوتی ہے۔ تاہم بلاذری کی روایت شاذ ہے۔

۴۷۔ طبری، جلد ۶، ص ۱۱۶ (مسعودی ان کی تعداد سات ہزار بتاتا ہے۔ مروج الذہب، جلد ۲، ص ۹۰)

۴۸۔ طبری، جلد ۶، ص ۱۱۶

۴۹۔ MASHABAN, the Abbasid Revolution P.145 Cambridge,1970.

۵۰۔ سنن ابی داود، جلد ۲، ص ۴۶۶

۵۱۔ جن دنوں مختار کوفہ کے قصر میں محصور تھا، اور مصعب کے فوجیوں سے آخری جنگ کے لئے قصر سے نکلنا چاہتا تھا اس وقت اس نے اپنے خواص میں سے سائب بن مالک اشعری سے کہا ''اے شیخ! آؤ نکلیں دین کی خاطر نہ سہی، احساب ہی کے نام پر لڑ جائیں''۔ سائب کے منہ سے انا للہ نکلا اور کہا ''اے ابو اسحاق! لوگ تو سمجھتے تھے کہ تم نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں محض دینی حمیت کی خاطر لیا ہے''۔ مختار نے جواب دیا ''نہیں، میری جان کی قسم، یہ محض دنیا طلبی تھی میں نے دیکھا کہ عبدالملک نے شام کا علاقہ دبا لیا ہے، عبداللہ ابن زبیر حجاز پر قابض ہے، مصعب، بصرہ پر مسلط ہے، نجدہ حروری بھی یمامہ اور بحرین وغیرہ کا مالک بن بیٹھا ہے۔ نیز عبداللہ بن خازم خراسان کا حکمران ہے، میں بھی عرب ہوں اور حیثیت میں ان سے کسی طرح کم نہیں۔ مگر مقصد حاصل نہ ہوا، آخر ایک طریقہ سوجھا اور وہ تھا خون حسین کے انتقام کی دعوت و تبلیغ''۔ (اخبار الطوال، ص ۲۰۵، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۲۷۳، یہ واقعہ قدرے لفظی تغیر کے ساتھ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۳۰، اور طبری جلد ۶، ص ۱۰۷، میں بھی بیان ہوا ہے)

۵۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۲۴۸

۵۳۔ انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۴۲

۵۴۔ جمھرۃ انساب العرب، ص ۲۶۸

۵۵۔ ابن کثیر، جلد ۸، ص ۲۹۲، طبری، جلد ۶، ص ۸۴۔۸۳، انساب الاشراف، جلد ۵، ص ۲۴۲، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۹۔۲۵۸

۵۶۔ ابن کثیر، جلد ۸، ص ۲۹۱

Marfat.com

باب ششم

موالی......حکومتی ردعمل کی زد میں

ایک عام خیال یہ ہے کہ موالی کی سماجی حیثیت پر اصل ضرب لگانے والا حجاج بن یوسف (۱) تھا اور یہ اپنے شدید عربی تعصب کی وجہ سے موالی کا براہ راست دشمن تھا۔ تاریخ کا یہ کوئی صحیح جائزہ اور حجاج بن یوسف کی ذات اور حکمت عملیوں کا یہ کوئی درست تجزیہ نہیں ہے۔ اس بات کو اگر یوں کہا جائے تو تاریخی طور پر زیادہ مناسب ہوگا کہ حجاج بن یوسف اموی حکومت کا وفادار ساتھی اور ان کا انتہائی قابل اعتماد دست راست تھا۔ اپنے بیس سالہ دور ولایت میں اس نے ہر اس مخالف کا گلا دبا دیا جس نے امویوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، یا ان کے خلاف صف آرائی کی کوشش کی خواہ وہ عربی ہو یا موالی، خراسانی ہو یا عراقی، عام آدمی ہو یا صحابی رسول، اموی اقتدار کے خلاف جس کو حجاج نے خطرہ سمجھا اس کو برباد کر دیا۔ ایک موقع پر اس کا یہ حکم ملتا ہے۔ ''سنو اور اطاعت کرو، واللہ اگر عبدالملک لوگوں کو اس گھاٹی میں داخل ہونے کا حکم دے اور وہ کسی اور گھاٹی میں داخل ہو جائیں تو ان کا خون میرے لئے حلال ہوگا۔ (۲)

عبداللہ ابن زبیر کو کامیابی سے راستے سے ہٹانے کے بعد عبدالملک نے اسے حجاز، یمن اور یمامہ کی گورنری سونپی تھی جہاں وہ دو سال بحیثیت گورنر رہا (۳) اور جب یہاں اس نے خود کو ایک منجھے ہوئے منتظم کے طور پر منوا لیا تو عبدالملک بن مروان نے اس وقت کا سب سے مشکل صوبہ یعنی کوفہ اس کی گورنری میں دینے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اس تبدیلی کا فوری سبب، اس سال خلیفہ کے بھائی بشر بن مروان، جو کہ کوفہ کا گورنر تھا، کی موت تھی، تاہم یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں کہ حجاز کے لوگوں نے حجاج کی سختیوں اور تشدد کے خلاف دربار خلافت میں شکایات پہنچائیں جس کی وجہ سے خلیفہ کو اکثر مداخلت کرنی پڑتی تھی۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ ایک وفد

Marfat.com

لے کر عبدالملک بن مروان کے پاس گئے تھے۔ اس وفد میں ان کے ساتھ عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے۔ اس وفد نے حجاز سے حجاج کی معزولی کے بارے میں بات کی۔ جس کے نتیجے میں عبدالملک نے حجاج کو حجاز سے معزول کر دیا۔ (۴) نیز خارجیوں کی مسلسل سازشوں کے باعث بھی عراق کی گورنری اسلامی ریاست کا سب سے اہم انتظامی شعبہ تھا۔ حجاج نے ۳۳ برس کی عمر میں ۷۵ھ/۶۹۴ء میں یہ گورنری سنبھالی۔ اس کے تین سال بعد ۷۸ھ میں مشرقی اضلاع بھی جن میں کرمان خراسان اور سجستان کے علاقے بھی شامل ہیں اسی کی گورنری کے تحت کر دیئے گئے (۵) اور فی الواقع وہ مملکت کے نصف سے زائد رقبے پر حکمران ہو گیا۔

کوفہ میں بحیثیت گورنر وارد ہونے کے بعد اس نے جو ابتدائی خطبے دیئے اس سے حجاج کی مستقبل کی حکمت عملی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اس نے کہا:

''اے کوفیو! میں دیکھ رہا ہوں کہ سروں کی کھیتی پک کر تیار ہو گئی ہے اور اب اس کو کاٹنے کا زمانہ آ گیا ہے میں اسے کاٹنے کے لئے آیا ہوں۔ مجھے عماموں اور داڑھیوں میں خون لگا ہوا نظر آ رہا ہے...... اے عراقیو! مجھے کسی چیز سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا، مجھ پر زور یا دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا میں بہت جانچ پڑتال کے بعد ہوشیار اور لائق ثابت ہوا ہوں اور بہت تجربے کے بعد ڈھونڈھ کر منتخب کیا گیا ہوں۔ امیر المومنین نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کو جانچا اور مجھے سب سے زیادہ تلخ، تیز دھار اور مضبوط چوٹ لگانے والا پایا تو تمہارے اوپر مسلط کر دیا۔ کیونکہ تم فتنوں میں پیش پیش ہو اور گمراہیوں میں پڑے رہتے ہو، مگر اب سمجھ لو کہ میں تمہاری اس طرح کھال ادھیڑ لوں گا جس طرح لکڑی سے چھال اتاری جاتی ہے۔ بخدا میں تمہیں اس طرح گٹھڑی میں باندھ دوں گا جس طرح ببول کی لکڑیوں کا گٹھا باندھا جاتا ہے اور اس طرح بے دردی سے ماروں گا جس طرح پرائے اونٹوں کو مارا جاتا ہے۔'' تمہاری مثال ان بستی والوں کی سی ہے جن کو ہر جگہ سے امن واطمینان کے ساتھ رزق ملتا تھا لیکن انہوں نے خدا کے انعامات واحسانات کی قدر نہ کی تو اللہ نے ان کے اعمال کی سزا میں انہیں بھوک اور خوف میں مبتلا کر دیا''۔ (۶)

''بخدا میں جو کچھ کہوں گا اسے پورا کروں گا، جس کام کا ارادہ کروں گا اسے پورا کر کے

Marfat.com

چھوڑوں گا اور جو کچھ بھی کروں گا وہ ٹھیک اور مناسب کروں گا، امیر المومنین نے مجھے حکم دے دیا ہے کہ تمہارے وظیفے تم کو دے دوں اور تم کو تمہارے دشمنوں سے لڑائی کے لئے مہلب بن ابی صفرہ کے پاس بھیج دوں، بخدا جس کو میں وظیفہ وصول کرنے کے تین دن بعد اس کے گھر میں بیٹھا پاؤں گا، اس کی گردن اڑا دوں گا"۔(۷)

اس خطبے سے یہ اندازہ لگانا امر دشوار نہیں کہ حجاج بنیادی طور پر ایک ظالم، جابر اور حکومت وقت کا انتہائی وفادار ملازم تھا۔ خود اپنے بارے میں اس کی رائے تھی کہ "میں بڑا ضدی، جھگڑالو، کینہ پرور اور حاسد ہوں اور جب کسی حاکم میں یہ صفات جمع ہوں تو وہ کھیتی اور نسل کو غارت کر دیتا ہے الا یہ کہ لوگ اس کے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں"۔(۸)

تین سال تک حجاج بن یوسف کو عراق میں آزمانے کے بعد عبدالملک بن مروان نے اسے خراسان اور سیستان جیسے مشکل صوبے بھی سونپ دیئے چنانچہ ۷۸ھ تا ۹۵ھ تک وہ عراق اور مشرقی اضلاع کا مضبوط ترین گورنر رہا، اس کا ماتحت علاقہ، کل اسلامی مملکت کے نصف سے زائد تھا۔ اسے عبدالملک بن مروان اور اس کے بعد ولید بن عبدالملک کی مکمل تائید حاصل رہی۔ عبدالملک اسے اچھی طرح آزما چکا تھا اور اسے اموی حکومت کا انتہائی وفادار پانے کے بعد اپنے جانشین ولید کو وصیت کی تھی کہ "حجاج کی عزت کرو، اسی نے منبروں کو تمہاری جلوہ افروزی کے لئے خالی کیا، تمام ممالک اور بلاد پر تمہارا علم نصب کیا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے لئے زیر نگیں کر لیا"۔(۹) اس طرح حجاج کو دونوں خلفاء کی مکمل تائید و حمایت حاصل رہی اور اس کی مدد کرنے کے لئے شامی فوج بھی موجود تھی جسے پہلے اس نے عراق میں اتارا تھا مگر بعد ازاں اپنی اس مددگار شامی فوج کے پڑاؤ کے لئے اس نے واسط کا نیا شہر آباد کیا۔(۱۰) جو کوفہ اور بصرہ کے درمیان تھا اور دونوں شہروں کے باغی عناصر کے لئے ایک مسلسل ڈراوا اور سر پر لٹکتی ہوئی تلوار تھی۔

اپنے اس بیس سالہ دور ولایت کے دوران اس نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ براہ راست موالی کے خلاف نہیں تھی، جیسا کہ جرجی زیدان یا R.Levy کا خیال ہے۔(۱۱) اس کے نزدیک اس بات کی زیادہ اہمیت نہیں تھی کہ کون عرب ہے اور کون مولی، یہ محض ثانوی سوال ہو سکتا

Marfat.com

تھا اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ جب اشراف عراق اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی غیر عرب ان کا امام ہو تو حجاج نے سعید ابن جبیر کو امام بنایا جو کہ مولیٰ تھے اور جب کہ اشراف عراق اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی غیر عرب ان کا قاضی ہو، حجاج نے قاضیٔ کوفہ ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری کو اس بات کا حکم دیا کہ سعید ابن جبیر سے مشورہ لئے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں اپنا مقرب بنایا اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کے لئے مال کا امین بنایا۔ (۱۲)

اس کے نزدیک اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ کون اموی حکومت کا وفادار ہے اور کون غدار۔ وفاداروں کے لئے، خواہ وہ عرب ہوں یا مولیٰ، اس کے پاس عزت و احترام بھی تھا، وظائف اور عہدے بھی۔ غداروں کے لئے، خواہ وہ عرب ہوں یا مولیٰ، اس کے پاس صرف ایک چیز تھی اور وہ تھی اس کی تلوار یا اس کا کوڑا۔ اس موقع پر عبداللہ (۱۳) ابن مقفع کا واقعہ بیان کیا جا سکتا ہے، حجاج بن یوسف کی طرف سے لگائے جانے والے کوڑوں کی وجہ سے اس کا ہاتھ سکڑ کر خشک ہو گیا تھا، (اسی وجہ سے اسے مقفع کہتے تھے) بصرہ میں یہ کوڑے اس وجہ سے نہیں لگائے گئے کہ وہ مولیٰ تھا، بلکہ اس وجہ سے لگائے گئے کہ اس نے حکومت کے مال میں بے جا تصرف کیا تھا۔

ابن اشعث کی بغاوت (۸۲ھ/۷۰۱ء) اور دیر جماجم کے فیصلہ کن معرکہ کے بعد اس نے عراقیوں کو مخاطب کر کے جو تقریر کی اس کا آخری حصہ دیکھئے:

......''اے عراقیو! میں تم سے کس چیز کی امید رکھوں۔ اور کس بات کی توقع کروں۔ میں تم پر کس وجہ سے رحم کھاؤں۔ اور تمہیں کس چیز کے لئے سنبھال کر رکھوں۔ کیا عداوتوں کے بعد جھوٹی باتیں بنانے کے لئے۔ میں تمہاری کس بات کو دیکھوں اور تمہاری کس چیز کا انتظار کروں۔ تم امن میں ہو یا خوف میں، دونوں صورتوں میں منافقت کرتے ہو، نہ تم کسی نیکی کی جزا دیتے ہو اور نہ کسی نعمت کا شکر ادا کرتے ہو''۔

دوسری طرف یہی حجاج شامی فوج کے لئے ایک پدر مہربان نظر آتا ہے۔ اپنی اس شامی فوج کو، جس کی مدد سے اس نے ابن اشعث کی بغاوت فرو کی تھی، مخاطب کر کے کہتا ہے:

''اے شامیو! میں تمہارے لئے اس شتر مرغ کی طرح ہوں جو اپنے بچوں کی حفاظت

Marfat.com

کرتا ہے اور ان سے گندگی کو دور کرتا ہے اور انہیں بارش سے پناہ دیتا ہے اور انہیں بھیڑیوں اور دیگر جانوروں سے بچاتا ہے، اس کی موجودگی میں نہ ان کی طرف گند آ سکتا ہے نہ ہلاکت اور نہ انہیں تکلیف ہو سکتی ہے"۔ (۱۴)

چنانچہ جہاں حجاج نے ان عراقیوں کو بے دریغ قتل کیا جو ابن اشعث کی بغاوت میں پیش پیش تھے۔ اس میں عرب یا موالی کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ وہیں حکومت کی وفادار شامی فوج کو خوب وظائف سے نوازا اور اس سلسلے میں بھی عرب و موالی کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ حجاج کے نزدیک اصل معیار حکومت سے وفاداری تھا۔ (۱۵) اصل بات یہ ہے کہ رعایا کے تمام طبقوں کی غیر مشروط اطاعت، صرف حکومت بنو امیہ کی ہی بنیادی ضرورت نہیں تھی بلکہ ہر دور میں ہر حکومت کی ضرورت رہی ہے، ماضی قریب میں موالی، خصوصاً عراق میں آباد ایرانی موالی ایک جارح عنصر کے طور پر ابھرے تھے، چنانچہ وہ بھی حجاج کی حکمت عملی کے تحت کچلے گئے جس پر یہ کہا گیا کہ حجاج نے موالی کو ذلیل و کمتر سمجھا۔ انہیں حقیر سمجھا اور ان کے خلاف اقدامات کئے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ تھا کہ اس نے مملکت کے باغیوں کے خلاف اقدامات کئے خواہ وہ عرب ہوں خواہ موالی۔

یہ بات اب بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ مورخین میں ایک گروہ ایسا موجود تھا جس نے نہایت منظم طریقے سے بنو امیہ، خصوصاً ان کے ممتاز ترین منتظمین و مدبرین کے تمام کارناموں کو بری طرح مسخ کیا ہے۔ یہ دبستانِ عراق تھا جس کا سب سے بڑا نمائندہ سیف بن عمر ہے۔ تعصب کو نظر انداز کر کے اگر تاریخی تحقیق سے کام لیا جائے تو حجاج کی خوبیاں بھی منظر عام پر آ ئیں گی، تاہم اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ اس کی انتظامی حکمت عملی میں بنو قیس کی جا و بے جا طرفداری ایسا عنصر ہے جس پر اسے الزام دیا جا سکتا ہے۔ اس کی قیسی پالیسی کی وجہ سے وہ تمام یمنی جو فوج یا حکومت کے دوسرے شعبوں میں ملازم تھے اور وہ سارے باشندے جو اہل یمن کے حامی تھے اس کے خلاف ہو گئے۔ اسی طرح علوی بھی اس کے سخت مخالف تھے کیونکہ ان کے تمام دعوؤں کو اس نے بختی اور بے دردی سے کچلا تھا۔

Marfat.com

حجاج کے اس عمل کو کہ اس نے نبطیوں کے ہاتھوں پر حقارت سے مہریں لگوائیں اور بصرے سے موالی (نومسلم عجمیوں) کا وسیع پیمانے پر اخراج کیا۔ اس کی ''موالی دشمنی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۱۶) ایسا نہیں تھا، کیونکہ یہ کام تو حجاج اس سے قبل اشراف مدینہ اور اصحاب رسول اللہ کے ساتھ بھی کر چکا تھا اور وہ سب عرب تھے ان میں ایک بھی مولیٰ شامل نہیں تھا۔ حجاج جب حجاز کا گورنر تھا تو اس دوران اس کا رویہ اہل مدینہ کے ساتھ سخت اہانت آمیز تھا کیونکہ وہ انہیں خلیفہ ثالث، عثمانؓ ابن عفان کا قاتل یا ان کے قتل کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ (۱۷) چنانچہ صحابہ کی ایک جماعت کو ذلیل کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں پر اسی طرح سیسے کی مہریں لگائیں جس طرح ذمیوں کے لگائی جاتی تھیں، ان صحابہؓ میں جابر بن عبداللہ، انس بن مالک اور سہل بن ساعدی شامل تھے۔ (۱۸) یہ واقعہ صفر ۷۴ھ کا ہے۔ اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نبطی عرب تھے اور یہ حضرت اسمٰعیل کے سب سے بڑے بیٹے نابت، کے حوالے سے نبطی، نابت اور نیابوط کہلاتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت نابت کے حصہ میں آئی۔ اہل عرب عموماً نبط کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں اسی طرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں اس کا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے ورنہ درحقیقت نبط بھی اسمٰعیلی عرب ہیں جو عراق میں پھیلے ہوئے تھے (۱۹) چونکہ انہوں نے عموماً حدود عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لئے وہ اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے:

تعلموا النسب ولا تکونوا کنبیط السواد اذا سئل احدھم عن اصلہ قال: من قریہ کذا و کذا (۲۰)

یعنی ''نسب نامہ سیکھو، عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان سے ان کے خاندان کی بابت پوچھا جائے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں''۔

اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے تھے جو درحقیقت ایک مدت تک ان کے عرب سے باہر عراق میں آباد ہونے کا نتیجہ تھا ورنہ وہ اصلاً عرب ہی تھے، شمالی عرب

Marfat.com

کے بعض قبائل جو غلطی سے قحطانی کہلاتے ہیں دراصل نبطی ہی ہیں۔من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس وخزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نبطی ہیں (۲۱) شام وعراق کے نبطیوں کی بیشتر آبادی اپنی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں، یونانیوں ایرانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا۔عربوں نے ہمیشہ ان کو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود بھی اپنے آپ کو نبطی کہتے تھے۔(۲۲)

حجاج جب واسط آیا تو اس نے تمام نبطیوں کو واسط سے شہر بدر کر دیا اور بصرہ میں اپنے عامل حکم بن ایوب کو تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ میں جتنے نبطی آباد ہوں ان کو شہر سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ دین اور دنیا میں فساد ڈالنے والے ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس اقدام کی وجہ یہ تھی کہ جب ابن اشعث اور عبداللہ ابن جارود نے حجاج سے بغاوت کی تو عراق کے قراء پیش پیش تھے۔نیز بصرہ کے موالی بھی حجاج کے خلاف تھے چنانچہ ان لوگوں کی یک جہتی کو ختم کرنے کے لئے اس نے انہیں متفرق کر دیا تاکہ آئندہ وہ اس کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں جن علاقوں کی طرف انہیں بھیجا گیا ان علاقوں کے نام ان کے ہاتھوں پر کھدوا دیئے۔(۲۳)

حجاج کی یہ موالی دشمنی نہیں تھی بلکہ یہ ایک انتظامی معاملہ تھا۔اگر ایک گورنر یہ محسوس کر رہا ہے کہ دیہاتوں اور دیگر علاقوں سے لوگ بڑے پیمانے پر بڑے شہروں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جس کی وجہ سے امن وامان کی صورت حال بگڑ رہی ہے اور فتنہ وفساد بڑھ رہا ہے تو آخر ان مسائل سے نبٹنے کے لئے اقدامات تو کیئے ہی جائیں گے،حجاج نے یہ کارروائی اس زمانے میں کی تھی جب ابن اشعث کی بغاوت ہوئی تھی اس طور سے یہ ایک قطعی انتظامی معاملہ تھا،اس سے موالی کی تحقیر کا پہلو نکالنا،کسی طور درست تجزیہ نہیں۔حجاج سے پہلے یہی انتظامی اقدام،عراق میں زیاد ابن ابوسفیان نے بھی کیا جس کے نتیجے میں اس نے کوفہ کے پچاس ہزار عربوں کو خراسان کی طرف منتقل کر دیا تھا۔

حجاج بن یوسف کا ایک اور اقدام جس پر اسے مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے وہ موالی سے

Marfat.com

قبول اسلام کے بعد جزیہ اور خراج کی وصولی ہے۔ حجاج سے قبل کی اموی حکومت اس بے اعتدالی سے پاک تھی۔ اس معاملہ کو طے کرنے میں بڑے بڑے مورخین مثلاً جے ولہاوزن، اور اس کی متابعت کرتے ہوئے، بیکر، لیوی، نکلسن، جرجی زیدان اور حسن ابراہیم حسن وغیرہ نے غلطی کی ہے۔ ان کے بیان کردہ حقائق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اموی عہد میں از اول تا آخر (حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد کو چھوڑ کر) نومسلم موالی سے جزیہ لیا جاتا رہا حالانکہ یہ بات قانون شریعت کے خلاف تھی۔ (۲۴)

اس بات کا جواب موخر کرتے ہوئے سب سے پہلے تو جزیہ اور خراج کی تعریف متعین کر لینی چاہئے کہ بعض مورخین نے یہیں غلطی کی ہے۔

جزیہ (جمع جزیٰ) کی اصل کے بارے میں دو خیالات ہیں۔

(i) ایک تو یہ کہ یہ لفظ خالص عربی ہے اور جزاء سے مشتق ہے۔ اس خیال کے حامل ابن منظور (لسان العرب)، امام راغبؒ (مفردات القرآن) زمخشری (الکشاف)، البیضاوی (انوار التنزیل واسرار التاویل) اور آلوسی (روح المعانی) ہیں۔

(ii) دوسری رائے الخوارزمی اور لین Lane کی یہ ہے کہ لفظ جزیہ، فارسی لفظ ''گزیت'' یا ''گزیہ'' کا معرّب ہے، جس کے معنی فارسی میں خراج کے ہیں اور اس کی جمع جزیٰ ہے۔

اسلام کے ابتدائی زمانوں میں خراج اور جزیہ کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف رہے ہیں لسان العرب میں ابن منظور نے جزیہ کا لفظ ''زمین کا مالیہ'' (یعنی خراج) کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ (۲۵) اسی طرح البلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں ارضا علیها الجزیه من ارض الاعاجم (یعنی عجم کی زمین پر جزیہ) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ابن عبدالحکم جزیه من ارض (۲۶) (زمین کا جزیہ) کا استعمال کرتے ہیں۔ دوسری طرف بہت سے ابتدائی مورخین نے جزیہ کے لئے خراج کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً امام ابو یوسف ''خراج روسهم'' (۲۷) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح یعقوبی اپنی تاریخ میں خراج روسهم (۲۸) کا اور ابن

Marfat.com

عبدالحکم لفظ خراج کو ''محصول سر'' کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

ثابت یہ ہوا کہ اسلام کے ابتدائی زمانوں میں جزیہ اور خراج کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف رہے ہیں۔ یہ الفاظ مطلقاً ٹیکس یا مالیہ کے معنوں میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ ان کے درمیان فرق صرف مضاف الیہ سے متعین ہوتا تھا۔ مثلاً ''جزیہ علی الارض'' یا ''خراج علی الارض'' کا مفہوم ہمیشہ خراج یا مالیہ زمین (Land Revenue) تھا، اسی طرح ''خراج علی الروس'' یا ''جزیہ علی الروس'' کا مطلب ہمیشہ جزیہ یا ''محصول سر'' کے معنی میں ہی مستعمل تھا گویا زمین (ارض) کے ذکر کے ساتھ خواہ خراج کا لفظ آئے یا جزیہ کا اس سے مراد صرف مالیہ زمین (Land Revenue) ہی ہوتا تھا، اسی طرح سر (راس) کے ساتھ جزیہ کا لفظ آئے یا خراج کا اس سے مقصود ہمیشہ ''محصول سر'' (Poll Tax) ہی ہوتا تھا۔ (۲۹)

Tritton نے ایک نکتہ اور بھی بیان کیا ہے کہ اسلامی خلافت کے مغربی صوبوں میں مالیے کے لئے لفظ جزیہ عام تھا جب کہ مشرقی صوبوں میں خراج کا لفظ مروج تھا۔ (۳۰)

ان حقائق کو ذہن میں نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر مورخین نے خاصی غلطیاں کی ہیں۔

قرآن مجید میں جزیہ کا حکم اس آیت میں موجود ہے:

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتو الکتب حتی یعطوا الجزیہ عن ید و ھم صاغرون (التوبہ:۲۹)

(ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کی ہیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اور محکوم و مطیع ہونا قبول کر لیں۔)

اس ضمن میں ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے۔

''لیس علی مسلم جزیہ'' (۳۱)

Marfat.com

(یعنی مسلمان پر جزیہ نہیں ہے)

جزیہ وہ مالیہ فرد (Poll Tax) ہے جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے وصول کرتی ہے اور اس کے عوض انہیں جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ (۳۲) اور انہیں دفاعی اور عسکری خدمات سے بھی آزاد کر دیا جاتا ہے تاہم اگر وہ خود اپنی خوشی سے مسلمانوں کے لئے عسکری خدمات انجام دیتے تو ان سے اس سال کا جزیہ ساقط کر دیا جاتا۔ (۳۳)

جزیہ کتنا عائد کیا جائے، اس کی کوئی لگی بندھی رقم نہیں تھی بلکہ یہ حاکم اور امیر لشکر کی صوابدید پر منحصر تھی۔ رسول اللہؐ نے یہود و نصاریٰ (اہل کتاب) اور مجوس (جو اہل کتاب کے مشابہہ قرار دیئے گئے) سے جزیہ قبول فرمایا (۳۴) اور انہیں مذہبی آزادی عطا کی، البتہ بت پرستوں اور مشرک عربوں سے صرف اسلام ہی قابل قبول تھا۔ جزیہ سے ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کبھی قبول نہیں کی، حضرت معاذ بن جبل کو جو آپؐ کے عہد میں یمن کے حاکم (گورنر) تھے۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی:

''یہود و نصاریٰ کو اپنا دین چھوڑنے کی آزمائش میں نہ ڈالا جائے اور ان پر جزیہ عائد کیا جائے۔ ہر بالغ مرد، عورت، غلام اور لونڈی پر ایک دینار یا اس کا مساوی (سامان) واجب ہے جو یہ رقم میرے کارندوں کو ادا کرے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفاظت و ذمہ داری میں آ گیا اور جو نہ دے وہ اللہ، اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کا دشمن ہے''۔ (۳۵)

اسی طرح آپؐ نے اہل نجران، حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، شریح بن عبد کلال اور بحرین کے ازدعمان کو جزیہ یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا، جو یا تو اہل کتاب میں سے تھے یا مجوسی تھے۔ ہجر کے مجوسیوں، اہل ایلہ اور اہل اذرح سے ہی آپؐ نے جزیہ قبول فرمایا (۳۶) غزوہ تبوک سے واپسی پر جب آپؐ مدینے تشریف لائے تو مدینے، خیبر، یمن اور نجران کے تمام اہل الذمہ پر جزیہ عائد کیا اور اس مد میں نقدی کے علاوہ اسلحہ اور دیگر سامان ادا کرنے کی بھی اجازت دی۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جزیرۂ عرب سے باہر سب سے پہلا مفتوحہ شہر بصریٰ تھا،

Marfat.com

آپؐ نے اس شہر کے باشندوں کو جزیہ یا اسلام دونوں کا اختیار دیا، جب وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے تو ہر بالغ مرد پر ایک دینار، اور ایک جریب گندم سالانہ کے حساب سے جزیہ عائد کیا گیا(۔ ۳۷) حوران اور مآب کے لوگوں نے بھی حضرت ابوعبیدہ سے اہل بصری کی شرائط پر صلح کر لی۔ (۳۸)

حضرت خالد بن ولید نے اہل دمشق پر جو جزیہ عائد کیا اس کی مقدار ایک دینار نقد، ایک جریب گندم اور کچھ تیل اور سرکہ تھا لیکن حضرت ابوعبیدہ نے شام کے کچھ لوگوں پر جزیے کی ایک معین مقدار عائد کر دی، اس میں یہ شرط تھی کہ جزیہ دینے والے کم یا زیادہ ہو جائیں، تب بھی اس مقدار میں کمی یا بیشی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کچھ لوگوں کے ساتھ یہ شرط تھی کہ ان کی استطاعت کے مطابق جزیہ وصول کیا جائے گا اگر مال و دولت میں اضافہ ہوا تو جزیہ بھی بڑھ جائے گا اور اگر مال میں کمی ہوئی تو اسی قدر جزیے میں بھی کمی کر دی جائے گی۔ (۳۹)

گویا اسلام کے ابتدائی دور میں ہی ہم مقدار جزیہ کو مختلف دیکھ رہے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ہم یہ فرق دیکھتے ہیں۔ شام، عراق، مصر اور ایران کے لوگوں پر جزیہ کی مقدار اور طریق کار میں اختلاف ملتا ہے۔ ابوعبید کی ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے سونا رکھنے والوں پر چار دینار، چاندی رکھنے والوں پر چالیس درہم جزیہ عائد کیا اور اس کے ساتھ اہل ذمہ کو مسلمانوں کی تین دن کی ضیافت کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا۔ (۴۰) ایک اور روایت کی رو سے حضرت عمرؓ کا عائد کردہ جزیہ ۴۸ درہم، ۲۴ درہم اور ۱۲ درہم تھا(۔ ۴۱) یعنی وہ اہل الذمہ کی استطاعت اور حیثیت کے مطابق ان سے جزیہ وصول کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب افریقہ کے بعض خطے فتح ہوئے تو آپؓ نے بربروں سے جزیہ قبول کیا اور انہیں اہل الذمہ کی حیثیت عطا کر دی۔ (۴۲)

حضرت علیؓ اہل حرفہ سے ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں قبول کر لیتے تھے اور ذمیوں کو اس بات پر مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ ضرور ہی نقد ادائیگی کریں۔

امیر معاویہؓ نے اہل مصر کی خوشحالی کو دیکھتے ہوئے ان کے جزیہ میں ایک قیراط اضافے

Marfat.com

کی تجویز دی لیکن گورنر مصر عمرو بن العاص کے مولیٰ وردان نے امیر معاویہؓ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ ان کے عہدنامے کی شرائط میں لکھا ہوا تھا کہ جزیہ کی تعداد میں کبھی اضافہ نہ ہوگا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت معاویہ اہل مصر پر ان کی دولت مندی کی بنا پر جزیہ کی رقم میں اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مصر کے گورنر عمرو بن العاص کے مولیٰ وردان (۴۳) کو یہ حکم تحریر کیا:

''ان زد علی القبط قیراط علی کل انسان'' یعنی ہر قبطی پر ایک قیراط جزیہ میں اضافہ کر دو۔اس کے جواب میں وردان مولیٰ عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو جواب دیا کہ **کیف ازید علیهم و فی عهدهم ان لا یزاد علیهم** (۴۴) یعنی ''میں ان پر کیونکر اضافہ کر سکتا ہوں۔ان کے عہدنامے کی شرائط میں یہ لکھا ہے کہ جزیہ کی مقدار میں اضافہ نہ ہوگا''۔ چنانچہ اضافہ نہیں ہو سکا۔ حالانکہ بعض اوقات حضرت معاویہؓ نے ذمیوں کی درخواست پر جزیہ کی رقم میں قابل ذکر کمی بھی کی تھی مثلاً شام اور گردونواح کے نجرانی جزیہ میں حلے دیا کرتے تھے، اس کی تعداد امیر معاویہؓ نے کم کر کے نصف کر دی تھی۔(۴۵)

چونکہ ایک ہی واقعہ سے مختلف ذہن، مختلف نتائج کا استنباط کرتے ہیں لہٰذا جرجی زیدان مصری جزیہ میں اضافہ کے اس واقعہ کو امیر معاویہؓ کے خلاف استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے ذمیوں پر ظلم کیا اور یہ کہ ذمیوں پر ظلم کرنے کا آغاز امیر معاویہؓ کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔(۴۶) حالانکہ یہ واقعہ امیر معاویہؓ کے حق میں جاتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ تو ضرور ثابت کیا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ حلیم الطبع اور شرائط کی پاسداری کرنے والے خلیفہ تھے۔ یہ بہرحال ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ظالم تھے، اگر ظالم ہوتے تو یک جنبش قلم شرائط منسوخ کر دیتے اور جزیہ میں ایک قیراط اضافہ کا شاہی فرمان جاری کر دیتے۔

دراصل اہل الذمہ بھی دو قسم کے تھے۔ ایک وہ اہل الذمہ تھے جن کے علاقے فوجی طاقت کے زور پر فتح ہوئے۔ دوسرے وہ اہل الذمہ تھے جن کے علاقے صلح کے ذریعہ فتح ہوئے۔ جہاں تک فوجی طاقت کے زور پر فتح ہونے والے علاقوں کا تعلق ہے اس سلسلے میں فقہا کا

Marfat.com

پسندیدہ مسلک یہی رہا ہے کہ جس طرح جزیہ کی رقم میں کمی کی جا سکتی ہے یہاں تک کہ اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے، وہیں جزیہ کی رقم میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ رسول اللہؐ کے عائد کردہ جزیہ کی رقم میں اہل شام اور اہل کوفہ کی آسودگی کو دیکھتے ہوئے اضافہ کیا تھا۔(۴۷) اور ایک بار خود اپنے مقرر کردہ زیادہ سے زیادہ جزیہ یعنی ۴۸ درہم سالانہ کو بڑھا کر ۵۰ درہم سالانہ کر دیا تھا کیونکہ عراق کے اہل الذمہ اس کی استطاعت رکھتے تھے۔(۴۸)

دوسرے وہ علاقے جو صلح کے ذریعہ فتح ہوئے اور اہل الذمہ خاص شرائط کے تحت جزیہ دیتے ہوں وہاں کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ شرائط صلح سے زائد لینے کو رسول اللہؐ نے حرام قرار دیا ہے۔(۴۹) چنانچہ ایک بار ایک شخص حضرت عمر بن خطاب کے پاس آیا اور اس نے کہا ''انی قد اسلمت فارفع الخراج عن اراضی ''یعنی میں نے اسلام قبول کر لیا ہے لہٰذا آپ میری زمین سے خراج اٹھا دیجئے ،تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''ان ارضک اخذت عنوۃ ''(۵۰) یعنی تمہاری زمین تو فوجی طاقت کے ذریعہ فتح ہوئی ہے، اسی طرح ایک اور شخص خلیفہ ثانی کے پاس آیا اور کہا ''ان ارض کذا و کذا تحتمل من الخراج اکثر مما علیھا ''یعنی فلاں فلاں زمین متعینہ خراج سے زیادہ ادا کرنے کی قوت رکھتی ہے تو حضرت عمرؓ نے جواباً کہا ''لیس علی اولئک سبیل ،انا صالحناھم (۵۱) یعنی ان لوگوں پر اضافہ کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ہم نے ان لوگوں سے صلح کی ہے۔

اس صورت حال کی روشنی میں اگر اس مطالبے کا جائزہ لیا جائے جو امیر معاویہؓ نے وردان سے کیا تھا کہ قبطیوں کا جزیہ بڑھا دو تو یہ مطالبہ درست تھا کیونکہ امیر معاویہ کے خیال کے مطابق مصر فوجی قوت کے ذریعہ فتح ہوا تھا اس لئے حضرت معاویہؓ نے اضافہ کرنا جائز خیال کیا لیکن وردان کے خیال میں وہ بذریعہ صلح فتح ہوا تھا لہٰذا انہوں نے اضافہ کرنا ناپسند کیا(۵۲) اس اختلاف رائے کا سبب یہ تھا کہ مصر کی فتح میں دونوں باتیں شامل تھیں اس کا ایک بڑا حصہ تو فوجی طاقت سے فتح ہوا تھا لیکن اسکندریہ کا شہر ایک معاہدہ کے تحت، اسلامی فوجوں کے لئے خالی کیا گیا تھا۔(۵۳)

Marfat.com

جزیہ کے معاملہ میں بے قاعدگی دراصل حجاج بن یوسف کے دور میں نظر آتی ہے۔ حجاج نے جہاں جزیے میں اضافہ کیا وہاں نومسلموں پر سے بھی جزیہ ساقط نہ کرنے کا قاعدہ جاری کیا۔ تاہم یہ قاعدہ پوری مملکت اسلامیہ کا نہیں تھا ان علاقوں کا تھا جہاں حجاج کی عملداری تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ماضی قریب میں موالی، حکومت کے لئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہو چکے تھے۔ مختار ثقفی کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے براہ راست حکومت وقت سے ٹکر لی تھی، اور یہ کچھ بعید نہ تھا کہ کوئی اور طالع آزما پھر انہیں حکومت کے خلاف استعمال کر لیتا۔ درحقیقت مختلف اقوام کو جن کے خیالات اور تمدنی پس منظر ایک دوسرے سے مختلف ہوں، انہیں ایک ہی قانون کا پابند کر کے رکھنا ایک نہایت ہی مشکل کام ہے اور اکثر بلا جبر شدید کے اس میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ (۵۴) لہٰذا اس سیاسی مسئلہ کا حل حجاج نے یہ نکالا کہ انہیں اقتصادی طور پر دبایا جائے، ان پر ایسی معاشی مشکلات ڈالی جائیں کہ وہ سیاست چھوڑ کر پیٹ بھرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ لہٰذا اس نے یہ عجیب فلسفہ پیش کیا کہ ''جزیہ دراصل اُس ٹیکس کی حیثیت رکھتا ہے جو غلاموں پر عائد کیا جاتا ہے اور غلام کے اسلام قبول کر لینے سے اس پر عائد شدہ یہ ٹیکس (جزیہ) معاف نہیں ہو جاتا'' (۵۵)

تاہم جزیہ کی اس تاویل کے باوجود شرعی نقطہ نظر سے یہ ایک غلط کام تھا جو حجاج اور اس کے بعض عمال نے کیا۔ حجاج کا یہ واحد فعل ہے جو ''موالی دشمنی'' پر مبنی نظر آتا ہے، تاہم موالی سے بدستور خراج لینے پر حجاج قابل گرفت ہرگز نہیں ہے، جرجی زیدان لکھتا ہے۔

''(موالی پر) حجاج کے ستم ناقابل برداشت تھے اس نے ان لوگوں کو خراج سے بری نہیں کیا تھا، اگرچہ وہ بے چارے اپنے کھیتوں اور باغوں کو چھوڑ کر اور گھر بار سے بھاگ کر شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے لیکن حجاج نے یہ حکم دیا کہ انہیں پھر ان کے دیہاتوں میں واپس کیا جائے اور ان سے خراج لیا جائے۔ (۵۶)

یہاں پھر جرجی زیدان نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ تاہم اس ضمن میں مزید کچھ لکھنے سے قبل ہمیں جزیہ کی طرح خراج کی تعریف بھی طے کر لینی چاہئے اور اس کی تاریخ کو نظر میں رکھنا چاہئے تا کہ غلطی کا احتمال نہ رہے۔

Marfat.com

خراج ایک عربی لفظ ہے جو قرآن مجید (۵۷) میں بمعنی اجر و صلہ کے استعمال ہوا ہے، عربی زبان میں عموماً اس کے معنی کرایہ، محصول، آمدنی، پیداوار، اجرت یا معاوضہ کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب، زمین کی پیداوار، گھر کے کرایہ اور مملوک غلام سے حاصل شدہ آمدنی کو خراج کہتے تھے۔ یہ لفظ عام لگان یا محصول کے لئے بھی بولا جاتا تھا تاہم جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا پہلی صدی ہجری تک عموماً جزیہ اور خراج مترادف الفاظ تھے۔

۔حضرت عمرؓ کی فتوحات کے زمانے میں جب نئے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر فوجیوں میں تقسیم کر دینے کے بجائے اور ان کی زمینوں کو غنیمت کے طور پر تقسیم کر دینے یا بحق سرکار ضبط کر لینے کے بجائے ان مفتوحہ باشندوں کو ان کی مملوکہ اراضی پر بدستور قابض رہنے دیا گیا تو ان کی زمین پر محصول عائد کر دیا گیا۔ جس کے تحت مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو اپنی فصل اور پیداوار کا ایک مقررہ حصہ بطور خراج اسلامی خزانے میں داخل کرنا ہوتا تھا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی تین قسمیں تھیں، چنانچہ ان کے متعلق تین قسم کے احکام ہیں۔

(i) ایک تو وہ مفتوحہ اراضی جن کے مالک اسلام قبول کر لیں اور اس بنا پر وہ انہی کی ملکیت رہیں، ان سے عشر کے سوا کچھ وصول نہیں کیا جائے گا۔

(ii) وہ اراضی جو ایک معین خراج ادا کرتے رہنے کی شرط پر صلح کے ذریعہ فتح ہوئی ہوں۔ ان سے شرائط صلح کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور اس سے زیادہ ان پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔

(iii) وہ مفتوحہ علاقے جو فوجی قوت کے بل بوتے پر فتح کئے گئے ہوں اور یہی وہ زمینیں ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف رہا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایسی زمینوں کو غنیمت شمار کرتے ہوئے ان پر غنیمت کے احکام کا اطلاق کیا جائے گا یعنی وہ پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح بانٹ دی جائیں گی کہ ۵/۴ حصے تو صرف اسے فتح کرنے والوں کو دیئے جائیں گے اور بقیہ ۵/۱ حصہ ان میں تقسیم ہو گا جس کا تعین اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔

Marfat.com

دوسری جماعت کا خیال ہے کہ ایسی زمینوں کا معاملہ امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر وہ ان کے غنیمت ہونے کا فیصلہ کرے تو ان کے پانچ حصے کر کے تقسیم کر دے، جیسے رسول اللہؐ نے خیبر میں کیا تھا لیکن اگر امام ان زمینوں کو فئے قرار دے تو وہ عامۃ المسلمین کے باقی رہنے تک ان کے لئے وقف کی حیثیت رکھیں گی (یعنی یہ اراضی اسلامی حکومت کے قبضے میں رہیں گی اور اشخاص کی ملکیت نہیں بنائی جائیں گی) بالکل اسی طرح جیسے سواد عراق کی اراضی کے متعلق حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا تھا۔ (۵۸)

اب اگر دوسری قسم کے مفتوحہ علاقوں کے ذمی اسلام قبول کر لیتے تو ان پر سے جزیہ تو ساقط کر دیا جاتا مگر خراج بدستور لاگو رہتا، انہیں شرائط صلح کی پابندی کرتے ہوئے اسلام قبول کر لینے کے باوجود متعینہ خراج ادا کرنا ہوگا، یہ ظلم اس لئے نہیں ہے کہ یہ انہی کے صلح نامہ کی پابندی ہے۔

اسی طرح تیسری قسم کے مفتوحہ علاقوں کے ذمی اگر مسلمان ہو جائیں تو ان پر سے بھی جزیہ تو ساقط ہو جائے گا مگر انہیں بھی بدستور خراج ادا کرنا ہوگا کیونکہ ان خراجی اراضی کی حیثیت ''فئے'' کی ہے، ''فئے'' ایک طرح کا ''وقف'' ہے اور ''وقف'' کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی بات کو یوں سمجھا جائے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو زمین مقررہ خراج کے عوض بالکل اسی طرح دی تھی جیسے ایک آدمی اپنی زمین کسی دوسرے شخص کو معینہ کرائے پر دیتا ہے اب اگر کرایہ دار مسلمان ہو جائے تو وہ مسلمان مالک مکان سے اس بات کا مطالبہ تو نہیں کر سکتا کہ چونکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لہٰذا میرا کرایہ معاف کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ اور ان کے بعد تمام خلفاء کا یہی طریقہ رہا کہ خراج ادا کرنے والا ذمی اگر مسلمان ہو جاتا تو اس پر سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا مگر خراج بدستور عائد رہتا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ایک زمیندار نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت علیؓ نے کہا 'اگر تم اپنے علاقے میں اپنی زمین پر ہی اقامت رکھو گے تو ہم تم سے جزیہ معاف کر دیں گے لیکن تمہاری زمین سے خراج لیتے رہیں گے اور اگر تم اپنی زمین چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جاؤ گے تو ہم اس زمین کے زیادہ

Marfat.com

حقدار ہوں گے (۵۹) (یعنی وہ اسلامی ریاست کی ملکیت رہے گی۔)

خلفاء راشدین کا یہی طریقہ تھا اور اسی طریقے پر حجاج کے بعد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے بھی عمل کیا تو اگر حجاج نے خراج لیا تو غلط نہیں کیا اس نے وہی اقدام کیا جو متفق علیہ تھا۔ جرجی زیدان نے یہ لکھ کر "ذمیوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہوتا تو اس کے ذمے سے خراج ساقط ہو جاتا"۔ (۶۰) بہت بڑی تاریخی غلطی کی ہے بلکہ یہ غلطی اس نے ولہاوزن کی متابعت میں کی ہے۔

مورخین حجاج بن یوسف کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے یہ تو لکھتے ہیں کہ حجاج نے مسلمان ہو جانے والے ذمیوں پر بدستور خراج عائد رکھا، مگر یہ نہیں بتاتے کہ ان مسلمان ہو جانے والے ذمیوں کا تعلق کس قسم کے مفتوحہ علاقوں سے تھا۔ اگر ان کا تعلق ان مفتوحہ علاقوں سے تھا جو فوجی قوت کے ذریعہ حاصل کئے گئے تو وہ علاقے مسلمانوں کے لئے "فیئ" ہو گئے، ان زمینوں کی خرید و فروخت کو پسندیدہ نہیں سمجھا گیا، کیونکہ یہ زمینیں در حقیقت مسلمانوں کی ملکیت تھیں۔ (۶۱) وہاں کا زمیندار اگر مسلمان ہو جائے گا تب بھی اسے خراج دینا ہو گا۔ یہ ایک فقہی فیصلہ ہے، اس فقہی فیصلے کے مطابق ان زمینداروں سے حجاج نے، ان کے اسلام قبول کر لینے کے باوجود خراج وصول کیا تو کوئی غلط کام نہیں کیا۔ مگر ج۔ ولہاوزن اور اس کی متابعت کرتے ہوئے بیکر اور بہت سے مسلمان مورخین بار بار اس غلطی کا اعادہ کر رہے ہیں کہ حجاج نے بدستور خراج لے کر موالی دشمنی کا ثبوت دیا۔

اسی طرح عراق کے جو علاقے صلح کے ذریعہ حاصل ہوئے مثلاً حیرۃ، بانقیا اور الیس وغیرہ (۶۲) وہاں کے معاملات صلح نامے کی شرائط کے مطابق طے کئے گئے، یعنی یہ کہ وہاں کی زمینیں، وہیں کے باشندوں کی ملکیت رہیں گی، ان زمینوں کے خرید و فروخت کے معاملات بھی انہیں کے پاس رہیں گے مگر ان صلحی زمینوں پر عائد کردہ خراج اس زمیندار کو دینا ہو گا خواہ وہ اسلام قبول کر لے یا نہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بعض اہل سواد (عراق) کے بارے میں یہ سفارش کی گئی کہ ان کی خراجی زمینوں کو عشری بنا دیا جائے تو انہوں نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں

Marfat.com

کیا۔(۶۳) خراجی زمین کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا استدلال یہ تھا کہ وہ ''فئے'' ہے اور مسلمانوں کی اس فئے کو بیچا یا ختم نہیں کیا جا سکتا۔(۶۴)

یہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز دیگر خلفاء کی طرح فوجی قوت کے ذریعہ حاصل ہونے والی خراجی زمین کے مالک کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس سے خراج کے ساتھ عشر بھی وصول کرتے تھے۔اس ضمن میں ان کا استدلال تھا کہ

''الخراج علی الارض، والعشرة علی الحب''(۶۵)

یعنی خراج تو زمین کا ٹیکس ہے اور عشر، غلہ اور پیداوار پر واجب ہوگا۔

اس سلسلہ میں علماء کی دو آراء ہیں۔

(i) ایک گروہ کا جس میں ابن عباس اور عکرمہ شامل ہیں، یہ خیال ہے کہ خراج اور عشر کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔

(ii) دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ قوت کے ذریعہ حاصل ہونے والی خراجی زمین کا مالک اگر مسلمان ہو جائے تو وہ خراج کے ساتھ عشر بھی ادا کرے گا۔اس گروہ کے علماء میں مالک ابن انس، امام اوزاعی، قبیصہ، نعیم بن حماد، عمر بن عبدالعزیز ابن بکیر اور قاسم بن سلام وغیرہ شامل ہیں۔

اس ضمن میں موخرالذکر گروہ کے علماء کا استدلال یہ ہے کہ عشر اور خراج دو جداگانہ مستقل ٹیکس ہیں اور ان دونوں آمدنی کے مصارف بھی الگ الگ ہیں۔''خراج'' کی مد سے فوجیوں کی تنخواہیں اور ان کے اہل و عیال کو وظائف دیئے جاتے ہیں اور ''عشر'' صدقہ (زکوۃ) ہے جس کا مصرف ان آٹھ مدوں میں ہوگا جو مقرر ہیں لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ دو مستقل حقوق میں سے ایک حق کی ادائیگی، دوسرے حق سے معافی کا سبب بن جائے۔

ان حقائق کی روشنی میں جو صورت حال سامنے آ رہی ہے وہ ج۔ ولہاوزن کے بیان کردہ نظریہ کے بالکل برعکس ہے۔

جولیئس ولہاوزن (JULIUS WELLHAUSEN) نے اپنی جرمن کتاب

Marfat.com

(''دولت عربیہ اور اس کا سقوط'' مطبوعہ برلن ۱۹۰۲ء) میں دولت عربیہ اور اس کے سقوط کا نظریہ غالباً سب سے پہلے پیش کیا، جس کے عمومی نکات نصف صدی تک برابر مسلم مانے گئے، بلکہ اب تک مانے جاتے ہیں تاہم ڈی۔سی ڈینیٹ نے اپنی کتاب Conversion and the Poll Tax in Early Islam میں بعض اہم حقائق کی نشاندہی کرتے ہوئے ولہاوزن کے نظریہ سے اختلاف کیا ہے۔

ج۔ ولہاوزن کے نظریہ کا لب لباب یہ ہے۔

(۱) مختلف ممالک فتح کرنے کے بعد فاتح عربوں نے مفتوحہ اقوام سے ایک معین رقم بہ سلسلہ خراج اور ایک معین مقدار بہ سلسلہ پیداوار زرعی وصول کی اس خراج کی تشخیص مقامی اور کلیسائی حکام نے کی جو فتح سے پیشتر بھی ان فرائض کی بجا آوری کرتے رہے تھے، عربوں کی تشخیص و وصول کے ذرائع یا تشخیص کنندوں کی عدل کے ساتھ نگرانی سے کوئی سروکار نہ تھا۔

(۲) جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا اسے محض محصول سر یعنی جزیہ ہی سے نہیں بلکہ ہر خراج سے مستثنیٰ کر دیا جاتا۔ جو زمینیں غیر مسلموں کے قبضے میں تھیں اگر ان کے مالک دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے یا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کر دی گئیں تو انہیں خراج سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس طرح سے گویا غیر مسلموں کے قبول اسلام کے لئے ایک زبردست اقتصادی محرک بروئے کار لایا گیا اور وسیع پیمانے پر قبول اسلام سے تین نتائج پیدا ہوئے۔

(الف) عرب جو محاصل وصول کرتے تھے ان میں زبردست کمی آ گئی۔

(ب) خراج گزار جماعتوں پر مالی بار ناقابل برداشت ہو گیا۔ کیونکہ جو محاصل لوگ، داخل اسلام ہونے سے پہلے ادا کرتے تھے، وہ اب ان لوگوں کے کندھوں پر ڈال دیئے گئے جو اپنے مذاہب پر قائم رہے۔(۲۶)

(ج) بہت سے نومسلم زمینیں اور گاؤں چھوڑ کر عرب شہروں میں پہنچ گئے۔ جہاں وہ عربوں کے ''موالی'' بن گئے۔ یہاں انہیں یہ سیاسی شکایت پیدا ہوئی کہ ان کے عرب مولی ان سے مجلسی مساوات کا برتاؤ نہیں کرتے۔ خصوصاً حکومت کی طرف سے انہیں وظائف نہیں ملتے

Marfat.com

چنانچہ وہ لوگ حکومت بنوامیہ کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گئے۔

(۳) عراق کے حاکم حجاج بن یوسف نے مالیہ میں ہو جانے والی کمی کے پیش نظر نومسلموں پر از سرنو خراج کا پورا بار ڈال دیا اگرچہ قانوناً یہ جائز نہ تھا اس طرح انہیں شہروں سے نکال کر پھر زمینوں پر بھیج دیا۔

(۴) متقی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے فیصلہ فرمادیا کہ قبول اسلام کے بعد ہر فرد محاصل سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے لیکن جن اراضی سے محصول وصول ہوتا تھا اسے معافی میں منتقل ہونے سے روکنے کے لئے عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۰ھ میں حکم دیا کہ نہ کوئی اراضی مسلمان کے ہاتھ فروخت ہو اور نہ کوئی اراضی کسی کے قبول اسلام سے معافی میں منتقل ہونے پائے اس کے بعد نومسلم کے لئے دو صورتیں باقی رہ گئیں۔

اولاً یہ کہ اراضی پر قابض رہے اور خراج کے برابر اس کا مالیہ ادا کرتا رہے۔

ثانیاً اراضی چھوڑ کر شہروں میں منتقل ہو جائے۔ (نومسلم دوسرا طریقہ اختیار کرتے رہے۔)

(۵) ۱۲۱ھ/۷۳۹ء میں خراسان کے حاکم نصر بن سیار نے حکم دیا کہ آئندہ تمام لوگ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اراضی کا مالیہ ادا کریں، لیکن جزیہ صرف غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا اور اس سے ان کی تحقیر مقصود تھی۔

ولہاوزن نے پہلے یہ نظریہ پیش کر دیا پھر ان تمام شہادتوں کو قبول کر لیا جو اس کے نظریہ کی تائید کرتی تھیں اور انہی مورخین کی پیش کردہ وہ شہادتیں جو اس کے نظریے سے متناقص تھیں، رد کر دیں بایں ہمہ ان شہادتوں کو رد کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی پیش نہیں کی۔ چونکہ اکثر مسلمان فقہا اور مورخین کے بیانات ولہاوزن کو اپنے نظریئے سے متناقص نظر آئے لہٰذا اس نے انہیں مثالیت پسند کہہ کر رد کر دیا۔

ولہاوزن کے اس نظریے کا سرگرم حامی سی، ایچ، بیکر C.H.BECKER تھا۔ اس کے بعد بہت سے مسلمان مورخین اور مستشرقین نے انہی خیالات کی متابعت کی حالانکہ ولہاوزن

Marfat.com

کے اپنے خیالات ایک دوسرے سے متناقص ہیں یعنی ایک طرف ولہاوزن حجاج بن یوسف اور عمر بن عبدالعزیز کے اصلاح مالگزاری کے قانون کی توضیح میں یہ کہتا ہے کہ قبول اسلام سے عربوں کے مالیے کو نقصان پہنچا، دوسری طرف اس کا بیان یہ ہے کہ محصول ادا کرنے والی جماعتوں کے انفرادی محاصل نا قابل برداشت حد تک بڑھ گئے تھے اور سلطنت میں اسی سبب سے سیاسی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

گویا ولہاوزن کے مطابق ہر مقام کا ٹیکس معین تھا اور کوئی مقامی شخص اگر مسلمان ہو جاتا تو اس پر سے تو سب محصولات معاف ہو جاتے مگر اس مقام کے باقی لوگ وہی معینہ ٹیکس ادا کرنے کے پابند ہوتے (گویا ہر غیر مسلم محصول گزار کا انفرادی بار اس کے ہمسائے کے قبول اسلام سے بڑھتا جاتا۔)(۶۷) اگر صورت حال یہی تھی تو عربوں کو اس سے کیا نقصان پہنچا۔ پھر ولہاوزن کی یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے کہ غیر مسلموں کے قبول اسلام سے اسلامی حکومت مفلس اور قلاش ہوتی چلی گئی۔

حاصل بحث یہ کہ ولہاوزن کا بیان کردہ یہ نکتہ درست ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام قبول کر لینے کے لئے ایک زبردست اقتصادی محرک بروئے کار لایا گیا نیز یہ کہ قبول اسلام سے بیت المال کی آمدنی میں کمی ہوئی۔

درست بات جو سامنے آئی وہ یہ ہے کہ ذمیوں کے اسلام قبول کر لینے سے اسلامی حکومت کو ہونے والی آمدنی گھٹی نہیں بلکہ بڑھی کیونکہ جو لوگ پہلے صرف خراج دیتے تھے اب اسلام لانے کے بعد ان پر عشر بھی عائد ہو جائے گا۔ دوسری طرف قبول اسلام کی وجہ سے ان پر سے جزیہ کی معمولی رقم تو ضرور ساقط ہو جائے گی مگر ساتھ ہی زکوۃ عائد ہو جائے گی۔

پھر بہت سے مورخین مثلاً الفرڈ فان کریمر ALFRED VON KREMER اور اس کی متابعت کرتے ہوئے ملر A. MULLER اور فان فلوتن G. VON VLOTEN نے موالی پر ہونے والے سماجی اور معاشی ظلم کا تعلق ابن اشعث کی بغاوت سے جوڑا ہے۔ (۶۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ متعدد وجوہات کی بناء پر جب عبدالرحمن ابن محمد ابن اشعث

Marfat.com

(۶۹) نے حجاج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو موالی نے اس کا ساتھ دینے میں دیر نہیں کی۔

یہ بغاوت ۸۱ھ/۷۰۱ء میں ہوئی اور حجاج بن یوسف کے خلاف ہونے والی بغاوتوں میں یہ سب سے بڑا خروج تھا۔ حجاج نے عبدالرحمٰن کو ایک لشکر جرار کا والی بنا کر زابلستان کے بادشاہ رتبیل سے جنگ کرنے سیستان بھیجا تھا۔ اس فوج میں بیس ہزار سپاہی کوفہ کے اور بیس ہزار بصرہ کے تھے۔ (۷۰) جہاں عبدالرحمٰن ابن محمد ابن اشعث نے بہت سے شہر اور قلعے فتح کئے اور ایک سال کے لئے جنگ موخر کر دی۔ حجاج کو یہ بات پسند نہ آئی اس نے تحریری طور پر عبدالرحمٰن سے سخت باز پرس کی کہ اس نے دشمن کو پوری طرح روندے بغیر کیوں دم لیا۔ حجاج نے عبدالرحمٰن کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا، اس کے فوراً بعد دوسرا خط بھی اسی نوعیت کا لکھا اور فوراً ہی تیسرا خط لکھا جس میں درج تھا کہ اگر تم نے ہمارے حکم کی اطاعت کی تو بہتر ورنہ تم خود کو معزول سمجھو اور تمہاری جگہ تمہارا بھائی اسحاق بن محمد امیر لشکر ہے۔ (۷۱)

عبدالرحمٰن اور حجاج کے درمیان شخصی عداوت بہت پہلے سے چلی آ رہی تھی (۷۲) چنانچہ اس ذاتی عناد اور بغض کی وجہ سے عبدالرحمٰن نے اپنے ساتھیوں کو حجاج کے عزل کی دعوت دی جس پر کل لشکریوں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ پر حجاج کی خلع حکومت اور اس کو عراق سے نکال دینے اور نکالنے والوں کی امداد کی بیعت کر لی۔ اس بیعت میں عبدالملک کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ (۷۳)

اس موقع پر عبدالرحمٰن نے رتبیل وائی زابلستان سے مشروط مصالحت کر لی، شرط یہ تھی کہ ابن اشعث اور حجاج کی کشمکش میں اگر ابن اشعث کامیاب ہوا تو وہ رتبیل کا خراج معاف کر دے گا اور اگر ابن اشعث کو شکست ہوئی تو رتبیل اسے پناہ دے گا۔ (۷۴) اس کے بعد اپنے مفتوحہ علاقوں پر اپنے عمال مقرر کر کے عبدالرحمٰن اپنی زبردست فوج لے کر حجاج کی سرکوبی کے لئے عراق کی طرف روانہ ہوا۔ فارس پہنچتے پہنچتے لشکر میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اگر ہم نے حجاج کو امارت سے معزول کر دیا تو گویا ہم نے عبدالملک کی بھی خلع خلافت کی۔ چنانچہ فارس میں ایک بار پھر عبدالرحمٰن کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ یہ بیعت ثانی عبدالملک اور اس کے حکام کی معزولی، کتاب وسنت کی پاسداری اور اہل ضلالت کے خلاف جہاد پر کی جانے والی بیعت تھی۔ (۷۵)

Marfat.com

عبدالرحمٰن ابن محمد کی آمد کا سن کر حجاج بن یوسف اپنی فوج کے ساتھ بصرہ سے نکلا اور اہواز کے قریب تستر میں پڑاؤ کیا۔ ذی الحجہ ۸۱ھ/ ۷۰۱ء میں دونوں فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں حجاج کو زبردست شکست ہوئی، کوفہ پر ابن اشعث کا قبضہ ہو گیا اور وہ بصرہ میں داخل ہوا، اہل بصرہ حجاج سے خوش نہیں تھے لہٰذا انہوں نے عبدالرحمٰن کی بیعت کرنے میں دیر نہیں کی یہ بیعت حجاج سے جنگ اور عبدالملک کی خلافت سے خلع حاصل کرنے پر کی گئی۔

طبری نے اہل بصرہ کا عبدالرحمٰن سے جا ملنے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ حجاج کے عاملوں نے جو مفصلات پر متعین تھے حجاج کو لکھا کہ مالگزاری بہت کم ہو گئی ہے اور ذمی مسلمان ہو کر شہروں میں جا بستے ہیں۔ اس پر حجاج نے بصرہ اور دوسرے مقامات پر حکم دے دیا کہ جس شخص کا اصل وطن دیہات میں ہے وہ دیہات میں واپس چلا جائے۔ یہ موالی جماعت کی شکل میں آہ و بکا کرتے ہوئے نکلے اور شہر کے باہر پڑاؤ ڈال کر ٹھہر گئے۔ یہ یا محمداہ...... یا محمداہ پکارتے جاتے تھے اور کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ بصرہ کے قراء اور دوسرے نیک لوگ ان کی حالت زار کو دیکھ کر روتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد جب ابن اشعث نے حجاج کے خلاف خروج کیا تو اہل بصرہ نے خصوصاً قراء نے اس کا ساتھ دیا۔ (۷۶) اسی طرح جب عبدالرحمٰن کوفہ میں داخل ہوا تو اہل کوفہ نے بھی اس کا استقبال کیا اور اس کی بیعت کر لی، کوفہ کے جو لوگ ابن اشعث سے مل گئے ان میں موالی بھی تھے۔ حجاج بن یوسف کے خلاف موالی کا یہ پہلا بڑا ردعمل تھا۔ مختار ثقفی کے زیر سایہ حکومت سے ٹکر لینے کے کم و بیش پندرہ سال بعد موالی پھر سیاسی طور پر متحرک ہوئے۔ پندرہ سالہ خاموشی کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی تھی کہ مصعب ابن زبیر نے ہزاروں موالی کو بغاوت کے جرم میں قتل کرایا تھا جس سے ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ دوسری وجہ حجاج بن یوسف کی سخت حکمت عملی تھی جس نے انہیں سر اٹھانے کا موقع فراہم نہ کیا۔

تیسری وجہ عبدالملک بن مروان اور حجاج کے وہ انتظامی اقدامات تھے جن کی وجہ سے ''عربیت'' کو خاصا فروغ ہوا مثلاً عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر تمام دفاتر کو مقامی زبانوں سے عربی میں منتقل کرنا (۷۷) نیز عربی سکے کا اجراء اور مملکت میں چلنے والے ایرانی اور

Marfat.com

رومی سکوں کا خاتمہ، اس وقت تک خراج کے دیوان مقامی زبانوں میں ہوتے تھے مثلاً عراق اور ایران کا دیوان فارسی زبان میں، شامی دیوان یونانی زبان میں، مصری دیوان، قبطی اور یونانی زبان میں نیز حساب کتاب رکھنے میں بھی سابق طریقوں کا اتباع کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اکثر مقامی مہریں اور تاریخیں عام استعمال ہوتی تھیں۔ عبدالملک نے عربی علامات اور قواعد کو مروج کیا اور سابق نظام تقویم کو اسلامی قمری سال کے مطابق بنا دیا۔ سرکاری زبان بننے سے قبل ان مفتوحہ علاقوں میں عربی کبھی کبھار ہی استعمال ہوتی تھی۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ ذمیوں (اور موالی) کو جو ان محکموں میں کثرت کے ساتھ کاتب مقرر تھے ہٹانا پڑا۔ تاہم جہشیاری، کندی اور بلاذری کا بیان ہے کہ موالی برابر ملازمت میں لئے جاتے رہے۔ (۷۸) تاہم یہ امکان خارج از بحث نہیں ہوسکتا کہ عبدالملک اور حجاج کے ان اقدامات نے موالی میں عدم تحفظ کے احساس کو بڑھا دیا ہو اور انہوں نے ایک بار پھر اپنی سابقہ شان وشوکت اور اقتدار کی بحالی کے لئے دمشق کے خلاف اٹھنے والی عراقی تحریک کا ساتھ دیا ہو۔

عبدالرحمٰن کا حجاج سے مہینوں جنگی سلسلہ جاری رہا، ان جنگوں میں بیشتر عراقی فوجوں کو کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ عبدالرحمٰن کی حجاج کے خلاف کامیابیاں دیکھتے ہوئے، وہ لوگ جو اب تک خاموش تھے وہ بھی ابن اشعث سے آملے۔ چنانچہ تمام اہل کوفہ اور اہل بصرہ جس میں ان کے قراء بھی شامل تھے اور وہ فوجیں جو مختلف چوکیوں اور سرحدی علاقوں میں متعین تھیں عبدالرحمٰن کے پاس یکجا ہوگئیں۔ وہ سب کے سب حجاج سے جنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اس مخالفت کی وجہ، حجاج کی ذات تھی جس سے یہ تمام لوگ بغض وعداوت رکھتے تھے۔ صرف اس فوج کی تعداد جسے باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی، ایک لاکھ تھی اور اسی قدر موالی ان کے ہمراہ تھے۔ (۷۹) عراق کے مولیٰ اعظم (سب سے بڑا اور معزز مولیٰ) فیروز حصین تھا جو مختلف صوبوں اور شہروں کی حکومتوں پر فائز رہا تھا وہ بھی عبدالرحمٰن کے ساتھ تھا۔ (۸۰) دلچسپ بات یہ رہی کہ عبدالرحمٰن کا باپ محمد ابن اشعث، مختار ثقفی کے خروج کے زمانے میں انہی موالی کے طبقے کے خلاف مصعب ابن زبیر سے فریاد کرتا نظر آتا تھا۔

Marfat.com

بہر حال حجاج بن یوسف نے ابتدائی ناکامیوں کے بعد سنبھالا لیا اور دیر جماجم (۸۱) کے انتہائی فیصلہ کن معرکہ ۸۳ھ/۷۰۲ء کے بعد صورت حال اس طرح پلٹی کہ عبدالرحمٰن کی فوجوں کو مسلسل شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حجاج کا عراق پر قبضہ بحال ہو گیا اور ابن اشعث اپنے حامیوں کے ساتھ رتبیل کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو گیا، جہاں بالاخر اسے قتل کر دیا گیا یا اس نے خودکشی کر لی۔ اس کے بعد اہل عراق کی حجاج کے ہاتھوں شامت آ گئی، بقول ابن خلدون ''حجاج نے عبدالرحمٰن ابن اشعث کی مہم سے فارغ ہو کر اہل عراق کو پامال کیا''۔ (۸۲)

حجاج نے ہر اس عنصر کا، جو اموی حکومت کے خلاف تھا، زور توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ان کو سیاسی اور فوجی مناصب سے محروم کیا، موالی پر جزیہ عائد کیا، ان کی مرکزیت کو ختم کرنے کے لئے انہیں مملکت کے دور دراز علاقوں میں تتر بتر کر دیا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس نے اہل عراق کو بری طرح دبایا۔ اس میں عرب و موالی کی کوئی تخصیص نہ تھی، اس کے برخلاف شامیوں کو منظور نظر بنایا اور اہل عراق پر اعتماد کرنے کے بجائے، شامی فوجوں سے قوت حاصل کرتا رہا اور ان کو اپنے سے نزدیک رکھنے کے لئے شہر واسط کی بنیاد ڈالی۔ (۸۳) یہ کام ۸۳ھ میں ابن اشعث کی بغاوت کو کچلنے کے فوراً بعد کیا گیا۔

سعید احمد اپنی کتاب ''مسلمانوں کا عروج و زوال'' میں لکھتے ہیں۔

''اموی حکمرانوں میں قبائلی عصبیت کے علاوہ عربیت کا زعم بھی تھا۔ موالی بنو امیہ کے حکمرانوں کی نگاہوں میں حقیر تھے اور ان پر بعض اوقات ناروا مظالم کئے جاتے تھے، حجاج کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے موالی کی ایک کثیر جماعت کو جلاوطن کر کے اطراف و اکناف کے دیہاتوں میں محض اس لئے منتشر کر دیا تھا کہ یہ لوگ عربوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے باعث فصیح و بلیغ عربی بولنے پر قادر نہ ہو سکیں، اسی بے جا اور غیر اسلامی تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ عجمیوں نے حکومت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور یہیں سے شعوبیت کا آغاز ہوا۔ (۸۴)

اگر ہم سماجی رویوں کا یکطرفہ مطالعہ کریں گے تو اسی قسم کے بیانات سامنے آئیں گے۔ یہ بات تو درست مانی جا سکتی ہے کہ اموی حکمرانوں میں قبائلی عصبیت کے علاوہ عربیت کا زعم

Marfat.com

بھی تھا، لیکن مورخ کو یہاں موالی کے سماجی رویہ کا بھی جائزہ لینا چاہئے تھا۔ عموماً مورخین نے ایسا نہ کر کے تحقیق کا حق ادا نہیں کیا۔

پورے اموی دور میں ہم کو دو طرح کے سماجی رویے ملتے ہیں ایک رویہ سماجی مساوات کا تھا اور دوسرا رویہ عصبیت و زعم کا۔ پہلے رویہ کا مظاہرہ کرنے والے عرب بھی تھے اور موالی بھی اسی طرح دوسرے رویے کا مظاہرہ کرنے والے بھی عرب بھی تھے اور موالی بھی۔ وہ عرب و موالی جنہوں نے اسلام کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ قبول کیا تھا، سماجی مساوات اور عدل اجتماعی کے قائل تھے، دوسری طرف وہ عرب و موالی تھے جنہوں نے اسلام کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ قبول ہی نہیں کیا تھا ان کا سماجی رویہ عصبیت پر مبنی تھا۔ یہ دونوں رویے ہم کو عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں بھی نظر آتے ہیں مگر فرق یہ تھا کہ یہ سماجی رویہ ان ادوار میں غالب رویہ نہیں تھا۔ اموی عہد میں بھی ہمیں یہ دونوں سماجی رویے ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ عموماً اس عہد میں سیاسی حلقوں، قبائلی اشراف کے حلقوں اور دیہاتی حلقوں میں موالی کو حقیر سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ موالی کو ان کی کنیت سے نہیں پکارتے تھے، بلکہ انہیں ان کے ناموں اور عرفیت سے پکارتے تھے۔ باندیوں کے بطن سے پیدا ہونے والوں کو ''ھجین'' کہا جاتا تھا۔ (۸۵) ان کے ساتھ ایک صف میں نہیں چلتے تھے اور انہیں اپنے کھانوں میں شریک نہیں کرتے تھے، اگر کسی مولیٰ کو اپنے ساتھ اس کے علم و فضل یا عمر کی وجہ سے کھانے پر بٹھا بھی لیتے تو اسے دستر خوان پر ایک کونے میں جگہ دیتے تا کہ دیکھنے والے پر یہ واضح رہے کہ وہ عربوں میں سے نہیں ہے۔ جنازوں پر بھی کسی مولیٰ کو نماز پڑھانے کے لئے آگے نہ کیا جاتا۔ الا یہ کہ کوئی عرب لڑکا تک جنازہ پڑھانے کے لئے موجود نہ ہو۔ (۸۶)

اسی طرح موالی، خصوصاً ایرانی موالی کے طبقہ اشراف میں عربوں کو حقیر، وحشی اور اجڈ سمجھا جاتا تھا۔ انہیں سخت تعجب تھا کہ عرب ان پر کس طرح غالب آ گئے۔ وہ برابر اپنی قدیم بزرگی اور پرانی عزت پر عربوں کے خلاف فخر کرتے رہتے تھے۔ عربوں کی بعض صفات مثلاً سخاوت، مہمان نوازی اور بہادری کو تضحیک کا نشانہ بناتے تھے۔ یہ رویہ عموماً ایران کے طبقہ اشراف کا تھا۔

Marfat.com

ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہم ایرانی ایک عظیم الشان تہذیب کے حامل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ملکوں کا انتظام کس طرح چلایا جاتا ہے۔ جب ہماری حکومت تھی تو ہمیں کبھی بھی عربوں کی ضرورت نہ پڑی، لیکن جب عربوں کی حکومت قائم ہوئی تو وہ ہماری اعانت وتعاون کے بغیر اپنے ملکی معاملات نہیں چلا سکتے۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں جب عربی سکے ڈھالے گئے اور دفاتر کو فارسی، قبطی اور دیگر زبانوں سے عربی میں منتقل کیا گیا تو ان عجمیوں میں شدید مایوسی اور بے چینی پھیل گئی۔ اس موقع پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اہل عجم یا ایرانی موالی کا نسلی غرور، عربوں کی عربیت یا عصبیت کے ردعمل کے طور پر سامنے نہیں آیا تھا بلکہ ان میں یہ نسلی فخر وغرور بہت پہلے سے موجود تھا، خواہ عرب ہوں یا ترک یا ویلم، وہ سب کو حقیر و وحشی سمجھتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ ایرانیوں کا سماجی طور طریقہ قبائلی نہیں تھا۔ لہٰذا ان میں قبائلی عصبیت بھی نہیں تھی، ان میں جو عصبیت تھی وہ قومی اور ملکی تھی، کیونکہ وہ عرصہ دراز سے خانہ بدوشی کی قبائلی زندگی ترک کر کے مدنیت وحضارت کے عادی ہو چکے تھے۔ ایک حکومت اور ایک اکثریتی مذہب نے ان کو واقعتاً ایک قوم بنا دیا تھا۔

دوسرا سماجی رویہ جو مساوات پر مبنی تھا ہمیں زیادہ تر دینی اور علمی حلقوں میں نظر آتا ہے، جہاں کسی جنس یا کسی ذات کے لئے کوئی تعصب موجود نہیں تھا جہاں پورے طور پر اسلامی مساوات کارفرما تھی۔ عالم آدمی کی عزت کی جاتی تھی خواہ وہ غلام ہو، مولیٰ ہو یا صریح عرب۔ چنانچہ اگر ایک طرف امام زہری، مسروق بن الاجدع، قاضی شریح، سعید ابن مسیّب اور قتادہ کو تابعین کے سادات میں شمار کیا جاتا تھا اور یہ سارے کے سارے عرب تھے، وہیں امام حسن بصری، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، عطاء ابن یسار، ربیعۃ الرائے، ابن جریج بھی تابعین کے طبقہ اول میں شمار ہوتے تھے حالانکہ یہ سب موالی تھے، پورا اسلامی معاشرہ ان کا احترام کرتا تھا۔ امام حسن بصری خلفائے بنوامیہ پر تنقیدیں کیا کرتے تھے، یزید بن مہلب کو برملا برا کہتے تھے۔ وہ اعلانیہ اس رائے کا اظہار کرتے تھے کہ یزید اور اس کے ساتھی اور بنوامیہ گمراہ ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری آرزو تو یہ ہے کہ زمین نے یزید بن معاویہ اور یزید بن مہلب کو ایک ساتھ ہی نگل لیا ہوتا، انہی حسن

Marfat.com

بصری کا جب انتقال ہوا تو شہر کے تمام لوگ ان کے جنازے کے پیچھے چل دیئے حتیٰ کہ مسجد میں نماز عصر پڑھنے کے لئے کوئی بھی نہ رہا۔

اس دور میں دونوں رویوں کے مطالعہ کے لئے چند واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً علی بن حسین بن علی (زین العابدین) نے اپنی ماں کا، جو ایک سندھی ام ولد تھیں، اور جن کا نام سلامہ یا غزالہ تھا اپنے مولیٰ زبیہ سے نکاح کر دیا اور اپنی ایک باندی (جاریہ) کو آزاد کر کے اسے اپنے حبالہ عقد میں لے لیا تھا تو عبدالملک نے ایک طنزیہ خط علی ابن حسین کو لکھا تھا کہ قریش کی آزاد عورتیں کیا ختم ہوگئی ہیں۔ جواباً علی ابن حسین نے عبدالملک کو لکھا۔

''......اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ کم حیثیت چیز کو بلند مقام دیا ہے اور عیب دار چیز کو مکمل کیا ہے اور قابل ملامت چیز کو عزت بخشی ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے یہ کوئی شرم اور عار کی بات نہیں اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اپنی کنیز (۸۷) اور اپنے مولیٰ کی بیوی (۸۸) سے شادی کی تھی''۔ (۸۹)

اس واقعہ سے ان دونوں عرب رویوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ جو اموی عہد میں موالی کے سلسلے میں چل رہے تھے۔ ایک رویہ وہ تھا جس کا نمائندہ عبدالملک بن مروان، خلیفہ وقت تھا اور دوسرا نمائندہ رویہ علی بن حسین کا تھا۔ سیاسی حلقوں اور قبائلی اشراف کے حلقوں میں موالی کو حقیر سمجھا جاتا تھا اسی رویے کا مظاہرہ عبدالملک بن مروان نے کیا جبکہ علمی اور دینی حلقوں میں ان موالی کی وہی عزت تھی جو کسی عرب کی ہوتی تھی۔ یہی علی بن حسین تھے کہ مکہ سے آتے ہوئے عموماً اپنی سواری پر اسلم مولیٰ عمر کو بٹھا لیتے اور ملامت کرنے والے جب ملامت کرتے کہ آپ قریش کو چھوڑ کر بنی عدی کے ایک غلام کو اپنے ہمراہ بٹھاتے ہیں تو وہ ملامت کی چنداں پرواہ نہ کرتے۔ (۹۰)

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ ہمارے تجزیہ کو درست ثابت کرتا ہے کہ بنی العنبر میں سے ایک اعرابی، سوار القاضی کے پاس آیا اور کہا میرا باپ مر گیا ہے اور مجھے میرے ایک بھائی کے ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ پھر اس نے دو خط کھینچے، پھر کہا اور ایک ہجین، پھر دوسری طرف ایک خط کھینچا اور کہا پھر مال کو کیسے تقسیم کیا جائے۔ تو سوار القاضی نے اس سے پوچھا کیا تم تینوں کے علاوہ بھی

Marfat.com

کوئی وارث ہے۔ اس نے جواباً کہا نہیں، سوار القاضی نے کہا کہ پھر مال تم تینوں میں تقسیم ہوگا، اس نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ میری بات نہیں سمجھے اس نے مجھے میرے بھائی کو اور ایک ہجین کو چھوڑا ہے، تو یہ ہجین میرے اور میرے بھائی کے برابر حصہ کیسے حاصل کرسکتا ہے۔ قاضی نے کہا ''کیوں نہیں''۔ تو اعرابی کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا ''خدا کی قسم، معلوم ہوتا ہے کہ صحرائے عرب (دہنا) میں تمہارے خلائیں بہت ہی کم ہیں''۔ سوار نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''اللہ کے سامنے مجھے اس بات سے کوئی نقصان نہ ہوگا''۔(۹۱)

اس واقعہ میں بھی ہمیں دو متضاد رویے ایک ساتھ نظر آ رہے ہیں ایک اعرابی، جو نخوت وتکبر کا مارا ہوا ہے اور جاہلی عصبیت جو اس میں موجود ہے اس کی بناء پر اپنے ایک بھائی کو جس کی ماں آزاد عورت نہیں ہے۔ اپنے ہم پلہ سمجھتا ہی نہیں اور باوجود اس کے کہ شریعت میں وہ دونوں یکساں وارث ہیں اسے اس میں تامل ہے۔ اس سے اس سماجی رویے کا پتہ چلتا ہے جو بعض عربوں نے موالی کے لئے قائم کر رکھا تھا۔ مگر اسی واقعہ سے اس دوسرے سماجی رویے کا بھی پتہ چلتا ہے جو قاضی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے ان کے نزدیک مولیٰ کا وہی سماجی اور قانونی مرتبہ ہے جو حر یا آزاد کا ہوسکتا ہے۔ قاضی ''ہجین'' کو وہی معاشرتی مقام دینا چاہتا ہے جو قرآن عطا کرتا ہے۔

چنانچہ اسی اموی دور میں ایک طرف وہ لوگ تھے جو باندی زادوں کو ''ہجین'' کہتے اور انہیں کمتر سمجھتے تھے تو اسی معاشرے میں یہ منظر بھی دیکھا جا سکتا تھا کہ طواف کعبہ کے دوران، خلقت ایک باندی زادہ (علی ابن الحسین بن علی بن ابو طالب) پر ٹوٹی پڑ رہی ہے جبکہ خلیفہ وقت کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے اور اس کے پاس صرف اس کے سرکاری اہلکاروں کا رش ہے۔ چنانچہ اصمعی کا یہ بیان درست ہے کہ مدینہ کے زیادہ تر لوگ کنیزوں کو پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے یہاں علی ابن الحسین (۹۲) قاسم بن محمد (۹۳) اور سالم بن عبداللہ (۹۴) پیدا ہوئے اور انہوں نے اہل مدینہ سے فقہ، علم اور پرہیزگاری میں فوقیت حاصل کرلی تو لوگ باندیوں کی طرف مائل ہونے لگے۔

Marfat.com

احمد امین المصری کہتے ہیں ’’...... تاریخ و سیر کے مختلف بیانات و واقعات کی تشر
سے کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب لوگ موالی کو بڑی حقارت سے دیکھتے تھے اور کبھی یہ نظر آتا ہے ک
وہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مطالعہ کرنے والے ابتدائی مرحلہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان بیانات ا
واقعات میں تضاد ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ سیاسی حلقوں، قبا
اشراف کے حلقوں اور دیہاتی حلقوں میں موالی کو حقیر سمجھا جاتا تھا لیکن دینی اور علمی حلقوں میں ک
جنس یا کسی خون کے لئے کوئی تعصب موجود نہیں تھا۔ وہاں صرف دین اور علم کے لئے تعصب ہو
تھا۔ یہ دونوں چیزیں جہاں ملتی تھیں ان کی پوری پوری قدر کی جاتی تھی‘‘۔ (۹۵)

اسلامی مملکت میں لونڈیوں، غلاموں کے علاوہ موالی کی تعداد میں روز افزوں اضاف
ہو رہا تھا کیونکہ ولید بن عبدالملک کے دور میں فتوحات کی کثرت نے ایک طرف مملکت کے حد
وسیع کئے دوسری طرف ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں غیر عربوں کو اسلامی ریاست کا باشندہ بنا د
دراصل پہلی صدی ہجری، اسلام کی طاقت اور توسیع کی صدی تھی۔ جس طرح فتوحات کی ایک
حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اٹھی تھی اسی طرح فتوحات کی دوسری لہر حضر
معاویہ اور یزید اول کے دور میں اور تیسری عبدالملک اور ولید بن عبدالملک (۸۶ھ/۷۰۵ء تا ۹۶ھ
/۷۱۵ء) کے زمانے میں اٹھی۔

ان فتوحات کے نتیجے میں بے شمار لونڈی غلام اور بے حد وحساب مال غنیمت ہاتھ آ
ان فتوحات کے نتیجے میں صرف یہی نہیں ہوا کہ مملکت کو وسعت ملی اور بیت المال معمور ہو گئے ب
معاشرہ ہزاروں لونڈیوں، غلاموں سے بھر گیا۔ جس نے ایک نئی تہذیب و ثقافت کا راستہ کھو
ساتھ ہی بہت سے سماجی مسائل نے بھی جگہ بنانی شروع کر دی۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ صد
عرب وعجم کے مابین اتصال و امتزاج کی صدی بھی تھی اور کشمکش اور تصادم کی صدی بھی۔

----------------X----------------X----------------

موالی، عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک اور ان کے وفادار گورنر حجاج
یوسف کے زمانے میں جس حکومتی ردعمل کی زد میں تھے، اس سے انہیں نویں اموی خلیفہ عمر

Marfat.com

عبدالعزیز کے دور خلافت میں نکلنا نصیب ہو سکا۔ پہلی صدی ہجری کا اختتامی سال اور دوسری صدی ہجری کا ابتدائی سال، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت ہے۔(۹۶) خلیفہ کی حیثیت سے ان کا مقام قدرے منفرد ہے کیونکہ وہ اپنے اموی پیش روؤں اور اپنے جانشینوں سے مختلف تھے۔ ان کی طبیعت میں خوف خدا اور تقویٰ غالب تھا حالانکہ خلیفہ بننے سے قبل ان کی زندگی، دوسرے اموی شہزادوں کے مقابلے میں کچھ کم عیش پسندانہ نہ تھی تاہم حصول خلافت کے بعد انہوں نے یک لخت وہ تمام شاہانہ طور طریقے ختم کر دیئے جو ان کے پیش روؤں نے اختیار کر رکھے تھے اور وہ طرز زندگی اور طرز حکومت اختیار کیا جو خلفائے راشدین کے طرز سے مشابہہ تھا۔ آپ کے ابتدائی خطبے میں بھی وہی رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ انہوں نے کہا۔

''درحقیقت اس امت میں کوئی اختلاف اپنے رب اور اپنے نبیؐ اور اپنے دین کی کتاب کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ دینار و درہم کے معاملے میں ہے، خدا کی قسم میں کسی کو نہ باطل طریقے سے دوں گا، نہ کسی کا جائز حق روکوں گا، لوگو! جو اللہ کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو اللہ کی اطاعت نہ کرے اس کے لئے کوئی اطاعت نہیں۔ جب تک میں اللہ کا مطیع رہوں میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ کا نافرمان ہو جاؤں تو میری اطاعت ہرگز تم پر لازم نہیں ہے۔(۹۷)

اس کے بعد اپنے مختصر دور اقتدار میں وہ اسی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ انہوں نے حجاج کے مقرر کردہ ان تمام حاکموں کو ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا جو ظالم و جابر تھے۔ ان کی جگہ حتی المقدور دیانتدار اور متقی حکام مقرر کئے۔(۹۸) اپنے حکام کو سخت تاکیدی احکام بھیجے کہ کسی مسلمان یا ذمی کو قانون کے خلاف کوڑے نہ لگائے جائیں اور ان کے ساتھ رواداری، عدل وانصاف کا معاملہ کیا جائے۔(۹۹)

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمال کو وضاحتاً لکھ بھیجا تھا کہ اہل الذمہ میں سے جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ معاف کر دیں۔(۱۰۰) اس قسم کے احکامات وخطوط سے کم از کم یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بعض اموی خلفاء یا ان کے بعض عمال نے

Marfat.com

مالی بے اعتدالیاں کی تھیں، جس کے سدباب کی حضرت عمر نے شدید ضرورت محسوس کی، ان مالی بدعنوانیوں کا نشانہ صرف موالی ہی نہیں بنے بلکہ ذمی اور عرب بھی بنے تھے، جیسا کہ ہم حجاج کے دور میں لکھ آئے ہیں کہ اگر ایک طرف موالی پر جزیہ عائد کیا گیا تو وہیں یمن کے عربوں پر بھی نئے ٹیکس لگائے گئے تھے چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اضافے کو بھی منسوخ کر دیا جو یمن کے ایک سابق حاکم حجاج کے بھائی محمد ابن یوسف نے عشر میں کر دیا تھا۔(۱۰۱)

حیرۃ کے یہودی، عیسائی اور مجوسی جن سے جزیہ کی رقم وصول ہوتی تھی جب اسلام لائے تو عبدالحمید ابن عبدالرحمٰن نے ان سے جزیہ وصول کرنا چاہا اور عمر بن عبدالعزیز سے اس کی اجازت مانگی، ان کا جواب تھا "اللہ نے محمدؐ کو داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا تھا نہ کہ مُحصّلِ خراج، ان مذاہب کے لوگوں میں جو اسلام لائیں ان کے مال میں صرف صدقہ ہے جزیہ نہیں"۔(۱۰۲)

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصر کے محاصل کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ تھی، لیکن مصر کے لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ چند سال کے اندر یعنی امیر معاویہؓ کے عہد خلافت تک آتے آتے یہ آمدنی صرف پچاس لاکھ رہ گئی اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں یہ آمدنی اور کم ہو گئی یہاں تک کہ مصر کے عامل حیان بن شریح نے یہ تجویز پیش کی کہ جو لوگ مسلمان ہوں ان کو جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہ کیا جائے لیکن عمرؓ ثانی نے اس تجویز کو سختی سے رد کر دیا اور لکھا کہ مسلمان ہونے والوں پر سے جزیہ کو موقوف کر دو، کیونکہ خدا نے محمدؐ کو ہادی بنا کر بھیجا تھا محصل خراج بنا کر نہیں۔(۱۰۳)

جزیہ کی وصولی کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اس قدر محتاط تھے کہ اگر کوئی ذمی جزیہ کی سالانہ ادائیگی سے ایک دن پہلے اپنے دین کو خیر باد کہتا، یا عین اس وقت جب اس کی ادا کردہ رقم یا اشیاء ترازو میں تل رہی ہو، اسلام قبول کر لیتا تو اس جزیہ کی رقم اس نومسلم کو واپس کر دی جاتی تھی۔(۱۰۴)

انہوں نے جراح بن عبداللہ الحکمی کو جو کہ ان کے عامل خراسان تھے لکھا کہ جزیہ ادا کرنے والوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کریں اور ان پر

Marfat.com

سے جزیہ موقوف کر دیں، اسلام لانے کے بعد ان کے وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔(۱۰۵) اس طرح صرف خراسان میں تقریباً چار ہزار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جراح نے سوچا کہ یہ لوگ جزیہ سے بچنے کے لئے اسلام لا رہے ہیں لہٰذا ان لوگوں کا ختنہ سے امتحان لے اور اس ضمن میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے اجازت مانگی۔ انہوں نے سختی سے منع کرتے ہوئے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ؐ کو داعی مبعوث کیا تھا نہ کہ خاتن۔(۱۰۶)

اسی جراح بن عبد اللہ الحکمی کو ایک مولیٰ کی شکایت پر حضرت عمرؓ نے خراسان کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ جراح نے ایک وفد عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس بھیجا اس وفد میں ایک مولیٰ بھی تھا۔ جس کا نام صالح بن طریق اور کنیت ابو الصید اء تھی۔ اس نے حضرت عمرؓ سے جراح کی شکایت ان الفاظ میں کی۔ ''امیر المومنین خیال کرنے کی بات ہے کہ بیس ہزار موالی بغیر تنخواہ اور روزینہ کے جہاد کر رہے ہیں اور اسی قدر ذمی مسلمان ہو چکے ہیں مگر پھر بھی ان سے اسی سابقہ مقدار کے مطابق مالگزاری لی جا رہی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ ہمارے عامل صاحب سخت متعصب اور ظالم ہیں ہمارے ہی ملک میں بر سر منبر کہتے ہیں کہ جب میں آیا تھا تب بہت رحمدل تھا مگر اب سخت گیر ہوں اور بخدا میری قوم کا ایک فرد تمہارے سو آدمیوں سے زیادہ میرے نزدیک وقیع ہے۔ اس کے ظلم و تکبر کا حال یہ ہے کہ اس کے کرنے کی آستین نصف کرتے تک پہنچتی ہے۔ یہ بھی ظلم میں حجاج سے کم نہیں بلکہ اس کا جانشین ہے''۔(۱۰۷)

خراسان کے اس مولیٰ کی شکایت پر ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے خراسان کے ان موالی کے وظائف مقرر کیے جنہوں نے کفار سے جنگ کی تھی اور انہیں دیگر مسلمان سپاہیوں کی طرح مالگزاری کی ادائیگی سے بھی مستثنیٰ کر دیا تو دوسری طرف انہوں نے جراح کے خلاف تحقیقات شروع کر دیں اور جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جراح واقعی ظالم ہے تو اسے خراسان کی گورنری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبد الرحمٰن ابن ندیم کو صیغہ جنگ پر اور عبد الرحمٰن قشیری کو صیغہ خراج کا افسر مقرر کیا۔(۱۰۸)

موالی کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبد العزیز خلفائے راشدین کے طریقے پر تھے

Marfat.com

چنانچہ ہمیں ان کی زندگی میں بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں جو عہد خلافت راشدہ کا پرتو معلوم ہوتے ہیں مثلاً سیوطی کی تاریخ الخلفاء، میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ کے پاس اسامہ بن زید (مولیٰ رسول اللہؐ) کی بیٹی آئیں، گو آپ خلیفہ وقت تھے مگر آپ نے تعظیماً اٹھ کر ان کا استقبال کیا، ان کو اپنی نشست پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھے اور جو کچھ انہوں نے طلب کیا آپ نے انہیں عطا کیا۔ (۱۰۹)

اسی طرح جب رزیق مولیٰ علی ان کی خدمت میں آیا اور شکایت کی کہ میں مدینہ کا رہنے والا ہوں، قرآن اور فرائض مجھے یاد ہیں لیکن بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام درج نہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مزاحم کو ہدایت کی کہ رزیق کا وظیفہ مقرر کیا جائے بلکہ ولایت علی کی بناء پر اسے مقررہ سے زائد رقم وظیفے کے طور پر ملنے لگی۔ (۱۱۰)

عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے مولیٰ مزاحم (۱۱۱) کو بھی بہت مانتے تھے اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے تھے۔ حضرت عمرؒ کے ایک اَور مولیٰ سہل ان کے بچوں کے اتالیق تھے۔ عدی بن ارطاۃ جو شرعی امور میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مشورہ کیا کرتے تھے، حضرت عمرؒ نے انہیں حضرت حسن بصری (جن کے والد یسار، زید بن ثابت کے مولیٰ تھے اور جن کی والدہ خیرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں) سے مشورہ طلب کرنے کے لئے لکھا:

''خدا کی قسم حسن بصری تمہارے لئے کافی ہیں۔ جب یہ خط پہنچے تو میرے لئے، اپنے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے انہی سے استفسار کیا کرو۔ خداوند تعالیٰ حسن بصری پر رحم کرے کہ وہ اسلام میں ایک بڑے درجے کے شخص ہیں اور ان کو میرا یہ خط پڑھ کر نہ سنانا''۔ (۱۱۲)

خود عمر بن عبدالعزیزؒ براہ راست بھی جناب حسن بصری سے مشورے طلب کرتے رہتے تھے اور وہ انہیں عمدہ نصیحتیں کرتے تھے۔ ان کے عہد میں ہمیں وہی خلافت راشدہ والی مساوات اور رواداری نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے غلام کو باریابی کا موقع دیا، درآں حالیکہ بنوامیہ کے بہت سے افراد اجازت کے منتظر دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اس موقع پر تلخ ہو کر کہا 'عمرؒ بن

Marfat.com

عبدالعزیز کو سب کچھ کر کے اب بھی تسلی نہیں ہوئی کہ ابن عباس کے ایک غلام کو موقع دیتے ہیں کہ ہماری گردنیں پھاند کے چلا جائے۔ (۱۱۳)

آپ عمال کی تقرری کے وقت بھی عرب و مولیٰ کا امتیاز نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کا معیار دیانت اور قابلیت پر تھا۔ چنانچہ جن تین حضرات کو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مصر میں فتویٰ دینے کا اختیار دیا تھا ان میں ایک جعفر ابن ربیعہ تھے۔ دوسرے یزید ابن ابی حبیب اور تیسرے عبداللہ ابن ابی جعفر، ان میں سے اول الذکر عرب تھے جبکہ باقی دونوں اصحاب موالی تھے۔ عربوں نے اس بات کی عمرؓ بن عبدالعزیز سے شکایت کی کہ فقہا میں سے صرف ایک عرب ہے تو عمرؓ بن عبدالعزیز نے جواب دیا۔ ''اگر موالی علم کی چوٹیوں پر چڑھتے جاتے ہیں اور تم لوگ نہیں چڑھتے تو اس میں میری کیا خطا ہے''۔

آپ نے اسماعیل بن عبداللہ کو جو کہ بنی مخزوم کے مولیٰ تھے، افریقہ کا حاکم بنایا۔ (۱۱۴) میمون بن مہران مولی بنی نصر بن معاویہ کو الجزیرہ پر افسر خراج مقرر کیا۔ نیز وہاں کے منصب قضاء پر بھی متعین کیا تھا۔ (۱۱۵) ایاس بن معاویہ (۱۱۶) کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔ ابوالزناد (۱۱۷) کو عراق کا افسر خراج مقرر کیا تھا۔

اگر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا دور خلافت طویل ہوتا تو ان کے حکام و عمال میں موالی کی تعداد بھی زیادہ ہوتی۔ جس طرح حضرت عمرؓ فاروق نے اپنے انتقال کے وقت سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے بارے میں اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ بناتے، اسی طرح حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ جو کہ ایک ام ولد، سودہ کے بیٹے تھے، کے بارے میں اسی خواہش کا اظہار کیا خیال تھا کہ کاش قاسم خلافت کے لئے ہوتے۔ (۱۱۸)

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے عطایا اور وظائف میں عرب و موالی سب کو برابر کر دیا تھا۔ جو لوگ تفوق اور امتیاز کے خوگر تھے انہیں اس مساویانہ تقسیم سے سخت کوفت ہوتی مگر عمرؓ ثانی کے دور میں عرب و موالی وظائف، اعانت اور عطاء میں مساوی رہے۔ اسماعیل بن سالم کہتے ہیں کہ

Marfat.com

ہمارے پاس ہرات میں عمرؓ بن عبدالعزیز کا خط اس صدقہ کے سلسلہ میں آیا جس کی تقسیم کا انہوں نے حکم دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

''ان اجعلوها فی العرب والموالی اولی العتاقه''(۱۱۹)

یعنی عربوں میں اور موالی میں اسے مساوی تقسیم کردو۔

خراسان کے ان موالی کے وظائف مقرر کئے جنہوں نے کفار سے جنگ کی تھی۔

المختصر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے موالی کو حکومتی ردعمل کے بعد آسانی اور سہولت دی۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب ششم)

۱۔ ابومحمد حجاج بن یوسف بن حکم بن ابی عقیل ثقفی، بنوامیہ کا ایک مشہور گورنر تھا۔ قبیلہ بنوثقیف کی شاخ ''احلاف'' سے تعلق رکھتا تھا۔ طائف میں ۴۱ھ/۶۶۱ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اس کے آباؤ اجداد غریب تھے اور معمولی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کا ذریعہ معاش سنگ برداری اور معماری تھا۔ اس کی ماں الفارعہ قبیلہ بنوثقیف کی عورت، مغیرہ بن شعبہ کی مطلقہ بیوی تھی۔ بچپن میں حجاج کا عرف کلیب (چھوٹا کتا) تھا جس کا ذکر شعراء کے ہجویہ قصائد میں ملتا ہے۔ جوانی کے زمانے میں وہ طائف میں ایک مدرس تھا۔ اس کی اصل فوجی اور سیاسی زندگی اس وقت شروع ہوئی جب مصعب بن زبیر کے خلاف مہم میں اس نے بہادرانہ کارنامے انجام دیئے اور خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کی نظروں میں آ گیا۔ چنانچہ ۷۲ھ/۶۹۱ء میں مصعب بن زبیر کے خلاف فتح حاصل کرنے کے بعد عبدالملک نے اسے عبداللہ ابن زبیر سے نبٹنے کے لئے شامی فوج کا قائد بنا کر مکہ روانہ کیا۔ سات ماہ کے محاصرے کے بعد حجاج نے عبداللہ ابن زبیر پر فتح حاصل کر لی مکہ پر اس کا قبضہ ہو گیا اور ریاست کی وحدت بحال ہو گئی چنانچہ ۷۳ھ/۶۹۲ء کو دوسرا ''عام الجماعۃ'' کہا جاتا ہے۔ عبدالملک کے لئے یہ بڑی خدمت تھی جو حجاج نے انجام دی تھی لہٰذا اس کے اعتراف کے طور پر وہ پہلے دو سال حجاز کا گورنر مقرر کیا گیا اس کے بعد عراق اور مشرقی اضلاع کی ولایت اسے مل گئی جہاں وہ بیس سال تک فرائض انجام دیتا رہا۔ حجاج کا انتقال شوال ۹۵ھ/۷۱۳ء میں ۵۴ برس کی عمر میں ہوا۔

۲۔ مسعودی، مروج الذہب ومعادن الجواہر، جلد ۲، ص ۱۱۲، معمولی لفظی تغیر کے ساتھ، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۵۸۶

Marfat.com

۳۔ مسعودی کے بیان کے مطابق یہ مدت تین سال تھی۔(مروج الذہب۔جلد۲،ص ۹۸)

۴۔ المعارف،۱۰۲،۱۰۶

۵۔ الکامل فی التاریخ،جلد۴،ص ۴۴۸

۶۔ قرآنی آیت کا ترجمہ

۷۔ جاحظ، البیان والتبیین، جلد۲،ص ۱۶۴،معمولی لفظی تغیر کے ساتھ یہ خطبہ مروج الذہب، جلد۲،ص ۱۰۵۔۱۰۴، طبری، جلد ۶،ص ۴۔۲۰۳، الکامل فی التاریخ، جلد۴،ص ۳۷۴ تا ۳۷۶ میں بھی بیان کیا گیا ہے

۸۔ الکامل ابن اثیر،جلد۴،ص ۵۸۷، میں لکھا ہے۔

ایک مرتبہ عبدالملک نے حجاج سے کہا ہر شخص اپنے عیوب سے واقف ہوتا ہے تم اپنے عیوب بلاکم و کاست بیان کرو، اس نے کہا اے امیر المومنین میں جھگڑالو اور کینہ پرور ہوں۔

۹۔ ابن اثیر، الکامل، جلد۴،ص ۵۱۸، (معمولی لفظی تغیر کے ساتھ یہی بات مسعودی نے بھی مروج الذہب، جلد۲،ص ۱۲۱ پر بیان کی ہے۔ سیوطی 'تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔ عبدالملک نے مرنے سے قبل ولید کو وصیت کی تھی کہ حجاج کو راضی رکھے۔ ''......اے ولید خلافت کے معاملات میں خدا سے ڈر کر کام کرنا اور حجاج کا زیادہ خیال رکھنا اور اس کی ہمیشہ تعظیم کرنا کیونکہ اس نے تجھے خلافت تک پہنچایا ہے۔اے ولید وہ تیرا بازو اور تیری تلوار ہے، اس کے متعلق کسی کی شکایت نہ سننا، دیکھ تجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے اور اسے تیری پروا بہت کم ہے''۔تاریخ الخلفاء،ص ۱۵۰،مطبع مجتبائی، دہلی،۱۳۰۹ھ)

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ لیوی،ص ۵۸

۱۲۔ المعارف،ص ۱۹۷

۱۳۔ ابن الندیم، الفہرست،ص ۱۵۰، دارالمعرفت، بیروت ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۶ء (فارسی عبداللہ

Marfat.com

ابن مقفع کا نام روزبہ تھا، قبل از اسلام اس کی کنیت ابوعمرو تھی اسلام لانے کے بعد اس نے اپنی کنیت ابومحمد رکھ لی تھی۔ اس کے باپ کا نام مبارک تھا۔ یہ دراصل فارس کے ایک شہر ''جوز'' کا باشندہ تھا۔ پہلے داود بن عمر بن ہبیرہ کا منشی اور کاتب تھا، پھر اس کو عیسیٰ بن علی نے کرمان کے عہدہ کتابت پر مامور کیا۔ انتہائی درجہ کا فصیح و بلیغ شخص تھا، وقائع نگار اور شاعر بھی تھا۔ منصور کے زمانے میں قتل ہوا۔ یہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جو فارسی سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ اس کو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ (الفہرست، ص ۱۵۰)

۱۴۔ مروج الذہب، جلد ۲، ص ۱۰۶، البیان والتبیین، جلد ا، ص ۲۷

۱۵۔ اہل عراق کی متلون المزاجی سے تو حضرت علیؓ بھی سخت بیزار تھے اور شامیوں کی اطاعت گزاری کے معترف، جب بسر بن ابی ارطاۃ کو یمن پر غلبہ حاصل ہوگیا تو حضرت علیؓ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے کہا: بسر بن ابی ارطاۃ یمن پر غالب آ گیا ہے اور بخدا میں اس قوم (شامیوں) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تمہارے مقبوضہ علاقوں پر غالب آتی جا رہی ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ حق پر ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے آقا کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے راست روی اختیار کرتے ہیں اور تم میری نافرمانی کرتے ہو وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور تم ایک دوسرے کو بے یارومددگار چھوڑ دیتے ہو، وہ اپنے شہروں کی اصلاح کرتے ہیں اور تم اپنے شہروں کو خراب کرتے ہو (۔ مروج الذہب، جلد ۲، ص ۱۱۲)

۱۶۔ لیوی، ص ۵۸

۱۷۔ البدایہ والنہایہ، جلد ۹، ص ۲

۱۸۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۱۹۵، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۳۹۵، ابن خلدون، تاریخ، جلد ۳، ص ۴۰، سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۶

۱۹۔ تاریخ ارض القرآن، جلد ۲، ص ۳۶۳ تا ۳۶۵

۲۰۔ العقد الفرید، جلد ۳، ص ۳۱۲

۲۱۔ ارض القرآن، جلد ۲، ص ۳۶۵، ۳۷۹

Marfat.com

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۸۰

۲۳۔ العقد الفرید، جلد ۳، ص ۴۱۶

۲۴۔ حسن ابراہیم حسن، النظم الاسلامیہ، ص ۳۱۷، لیوی، ص ۵۸، نکلسن، ۲۴۸

۲۵۔ لسان العرب (، مادہ، جزیہ)

۲۶۔ ابن عبدالحکم، فتوح مصر، ص ۱۵۵، نیوہیون، ۱۹۲۲ء

۲۷۔ امام ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۷۰، بولاق، ۱۳۰۲ھ

۲۸۔ یعقوبی، تاریخ (مختلف مقامات)

۲۹۔ **Daniel C.Dennett, "Conversion and the Poll tax in the EarlyI slam, Cambridge1950, P.27**

۳۰۔ **Tritton: the Caliphs and their Non Muslim Subject 1930.**

۳۱۔ سنن ابوداؤد، جلد ۲، ص ۵۱۸

۳۲۔ تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۳۶۸، حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانے میں جب اسلامی فوجیں حمص (شام) سے ہٹ آئیں تو حضرت ابوعبیدہ نے وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا کران کی رقم جزیہ یہ کہہ کر واپس کر دی کہ چونکہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے جزیہ کی یہ رقم بھی نہیں رکھ سکتے۔ (البلاذری، ص ۱۴۳)

۳۳۔ طبری، جلد ۴، ص ۱۵۶

۳۴۔ امام مالک، موطاء، ص ۲۵۲

۳۵۔ کتاب الاموال، ص ۲۵، ۳۱

۳۶۔ ایضاً، ص ۳۶

۳۷۔ کتاب الاموال، ص ۳۲، ۳۴، البلاذری، ص ۱۲۰

۳۸۔ فتوح البلدان، ص ۱۲۰

۳۹۔ البلاذری، ص

Marfat.com

۴۰۔ کتاب الاموال، ص ۴۲، فتوح البلدان، ص ۱۳۱

۴۱۔ کتاب الاموال، ص

۴۲۔ ایضاً ص ۳۷

۴۳۔ وردان، حضرت عمرو بن العاصؓ کے مولیٰ تھے، اور انہی کی طرف سے مصر کے معاملات کے نگران تھے، نہایت ہوشمند اور صاحب رائے وفکر تھے، مصر میں ان کا بسایا ہوا بازار جو ''سوق وردان'' کہلاتا ہے۔ ابن قتیبہ کے وقت تک موجود تھا۔ (المعارف: ۱۲۵)

۴۴۔ کتاب الاموال، ص ۱۴۴

۴۵۔ فتوح البلدان، صف ۷۸

۴۶۔ جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، جلد ۲، ص ۱۷

۴۷۔ کتاب الاموال، ص ۴۴

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ ایضاً ص ۱۴۳

۵۰۔ ایضاً ص ۱۴۴

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ فتح مصر کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے سب سے پہلے محرم ۱۹ھ/ دسمبر ۶۳۹ء میں مصر کی مشرقی سرحد پر واقع علاقہ فرما (PELUSIUM) فتح کرلیا۔ اس اثناء میں حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں پانچ ہزار تازہ دم فوج مدینے سے آ گئی۔ اس کے بعد عربوں کی متحدہ فوج نے پیش قدمی کر کے رجب ۱۹ھ/ جولائی ۶۴۰ء میں بازنطینی فوج کو عین الشمس کے سامنے شکست دی۔ شہر تو فتح ہوگیا مگر قلعہ کا محاصرہ جاری رہا۔ حضرت زبیر نے سیڑھی کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہو کر نعرہ تکبیر کے دوران قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ اسکندریہ کے حاکم مقوقس (CYRUS) نے صلح کے لئے خط و

Marfat.com

کتابت شروع کردی اور معاہدے کی شرائط کی توثیق کے لئے مصر سے ہرقل کے پاس چلا گیا۔ قیصر اس عہدنامے سے سخت ناراض ہوا مگر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہرقل کا انتقال ہو گیا۔ اب اسلامی فوج نے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جب حالات بد سے بدتر ہونے لگے تو مجبوراً مقوقس کو دوبارہ مصر بھیجا گیا اس نے حضرت عمرو بن العاص سے ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ ایک مقررہ خراج کے بدلے شہر اسکندریہ ۱۶ رشوال ۲۱ھ/ ۱۷ ستمبر ۶۴۲ء تک خالی کر دیا جائے گا اور مسلمان اہل شہر کی جان و مال کا ذمہ لیں گے۔ اس طرح یونانیوں نے شہر خالی کر دیا اور اسکندریہ پر عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ مقریزی نے مصر کی فتح کے سلسلے میں ہونے والے اختلاف رائے پر اپنی کتاب الخطط میں پورا باب باندھا ہے۔ دیکھئے باب پنجم ''ذکر ما قیل فی مصر هل فتحت بصلح او عنو''

۵۴۔ گستاولیبان، ص ۴۷۷

۵۵۔ کتاب الاموال، ص ۵۱، یہی وجہ ہے کہ بعض فقہا اور علماء نے بنوامیہ کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دیا تھا۔ یزید ابن حبیب کہتے ہیں۔

اعظم ما اتت هذه الامة. بعد نبيها صلى الله عليه وسلم ثلاث خصال: قتلهم عثمان، احراقهم الكعبه، و اخذهم الجزيه من المسلمين (کتاب الاموال، ص ۵۱)

یعنی رسول اللہ کی وفات کے بعد اس امت مسلمہ نے جو بدترین کام کئے وہ تین ہیں ایک حضرت عثمانؓ کا قتل، دوسرے کعبہ کو آگ لگانا اور تیسرے مسلمانوں سے جزیہ لینا۔

۵۶۔ تاریخ تمدن اسلام، جرجی زیدان، جلد ۲، ص ۱۶ نیز Levy ص ۵۸

۵۷۔ سورہ مومنون، ۷۲

۵۸۔ کتاب الاموال، ص ۵۷ تا ۵۸

۵۹۔ ایضاً، ص ۷۲

Marfat.com

۶۰۔ تاریخ تمدن اسلام، جرجی زیدان، جلد۲،ص ۱۶

۶۱۔ کتاب الاموال،ص ۱۲۱

۶۲۔ ایضاً،ص ۸۳،۸۴

۶۳۔ ایضاً،ص ۹۴

۶۴۔ ایضاً،ص ۹۵

۶۵۔ ایضاً،ص ۹۰

۶۶۔ دونوں نکات یعنی (الف) اور (ب) ایک دوسرے سے متناقص ومتصادم ہیں اس پر آگے بحث آرہی ہے

۶۷۔ ڈی۔سی۔ڈینیٹ،ص ۲۸

۶۸۔ ولہاوزن

۶۹۔ عبدالرحمٰن کا دادا اشعث ابن قیس کندہ کا رئیس تھا اور رسول اللہؐ کے پاس ۱۰ھ میں کندہ کے وفد کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے اپنے وفد کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ بعد میں مرتد ہو گیا اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حروب ارتداد کے دوران گرفتار ہوا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کیا، عام الوفود میں حضرت ابوبکر صدیق کی بہن ام فردہ سے اشعث کا نکاح ہوا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اشعث کی گرفتاری اور دوبارہ قبول اسلام کے بعد ام فردہ ان کے نکاح میں آئیں۔ اشعث ابن قیس، خلافت عمرؓ کے دوران عراق گیا اور جنگ قادسیہ، مدائن، جلولاء اور نہاوند میں حصہ لیا۔ ۴۲ھ یا ۴۰ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔ (الاستیعاب، جلد۱،ص ۱۳۴۔۱۳۳)

۷۰۔ تاریخ طبری، جلد۶،ص ۳۲۷

۷۱۔ تاریخ طبری، جلد۶،ص ۳۳۶، ابن خلدون، جلد۳،ص ۴۷

۷۲۔ حجاج بن یوسف اور عبدالرحمٰن کے درمیان سخت عداوت تھی اس کا ایک سبب یہ ہوسکتا تھا کہ حجاج نے ۷۶ھ میں عبدالرحمٰن کو شبیب بن یزید خارجی سے نبٹنے کے لئے چھ ہزار کی فوج دے کر بھیجا تھا مگر بعد میں اسے امارت لشکر سے معزول کر کے عثمان بن قطن کو مقرر

Marfat.com

کیا۔ (طبری، جلد ۶، ص ۲۵۲) حجاج کہا کرتا تھا کہ جب میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو دیکھتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے قتل کر دوں۔ اسی طرح عبدالرحمٰن کا یہ قول بھی طبری میں مذکور ہے کہ "جب تک میں اور حجاج زندہ ہیں، میں برابر اس کی تباہی کی کوشش میں لگا رہوں گا"۔ (طبری، جلد ۶، ص ۳۲۷ نیز ابن خلدون، جلد ۳، ص ۴۷)

۷۳۔ طبری، جلد ۶، ص ۳۳۶، تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۴۷

۷۴۔ طبری، جلد ۶، ص ۳۳۷، تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۴۸

۷۵۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۳۳۸، تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۴۸

۷۶۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۳۸۱

۷۷۔ سلطنت کے محکموں میں عربی کی ترویج درجہ بدرجہ ہوئی۔ ۷۸ھ/ ۶۹۷ء میں حجاج بن یوسف نے عراق کے دواوین میں عربی رائج کی۔ پھر ۸۱ھ/ ۷۰۰ء میں عبدالملک نے شام کے دواوین میں عربی رائج کی۔ مصر کے دیوان ۸۷ھ/ ۷۰۵ء میں عربی میں منتقل ہوئے اور سب سے آخر میں خراسان کے دیوان ۱۲۴ھ/ ۷۴۳ء میں ہشام بن عبدالملک کے عہد میں عربی زبان میں منتقل کیے گئے۔ (جہشیاری ص ۴۰۔ ۳۸ نیز ص ۶۱، ۶۷، ۵۱۔ فتوح البلدان، ص ۱۹۶، ۲۹۸)

۷۸۔ جہشیاری،

۷۹۔ طبری، جلد ۶، ص ۳۴۷، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۴۶۹

۸۰۔ المعارف، ص ۱۴۷ (فیروز آل خشخاش کے موالی میں سے تھا۔ حجاج کے خلاف عبدالرحمٰن کے خروج میں اس کے ساتھ تھا۔ حجاج نے یہ اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص فیروز کا سر لائے گا اسے دس ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ جواباً فیروز نے یہ منادی کرا دی کہ جو آدمی میرے پاس حجاج کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ درہم انعام دوں گا۔ جب حجاج کے مقابلے میں عبدالرحمٰن کو شکست ہوگئی تو فیروز بھاگ کر خراسان چلا گیا۔ وہاں کے گورنر یزید بن مہلب نے گرفتار کر کے اسے حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ حجاج نے اس سے اس کے مال و

Marfat.com

متاع کے بارے میں پوچھا۔ فیروز نے جواباً کہا کہ اس شرط پر بتا سکتا ہوں کہ تم مجھے امان دو، حجاج نے انکار کر دیا تو فیروز نے منادی کرا دی کہ ''لوگو! تم میں سے جس کے پاس فیروز کا مال ہے وہ اب اسی کی ملکیت ہے جسے وہ خرچ کرنے کا حقدار ہے''۔ اس پر حجاج نے اذیتیں دے کر فیروز کو قتل کرا دیا۔ (طبری، جلد ۶، ص ۳۸۱ نیز المبرد کی الکامل میں فیروز کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔)

۸۱۔ دیر جماجم فرات کے مغرب میں کوفہ کی سطح مرتفع پر عین النصر اور فلوجہ کے قریب، کوفہ سے تقریباً سات فرسنگ پر واقع تھا۔ یہ دیر، اصل میں قبیلہ ایاد کے عراق سے نقل مکانی کر جانے سے قبل ان کی ملکیت میں تھا۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۹، ص ۵۳۶)

۸۲۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۵۴

۸۳۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۳۸۳، الکامل فی التاریخ، جلد ۴، ص ۴۹۵ تا ۴۹۶

۸۴۔ سعید احمد، مسلمانوں کا عروج و زوال، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴ء

۸۵۔ لسان العرب میں ہے کہ ھجنۃ ایسی بات کو کہتے ہیں جو عیب لگاتی ہو۔ عربوں کے نزدیک تہجین اونٹوں میں تو ممدوح امر ہے مگر انسانوں میں مذموم ہے۔ جہاں تک اونٹوں کا تعلق ہے تہجین کے معنی یہ ہیں کہ ماں اور باپ دونوں اصیل ہوں جبکہ انسانوں میں تہجین کے معنی یہ ہیں کہ باپ عربی النسل ہو اور ماں لونڈی ہو۔ اسی سے ''رجل ھجین'' کا محاورہ لیا گیا ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو یعنی ماں اصیل ہو اور باپ غلام تو ''رجل مقرف د فلنقس'' کہتے ہیں۔ ایک رجز گو شاعر کہتا ہے۔

العبد والھجین والفلنقس

ثلاثتہ فایھم تلتمس

(غلام، لونڈی کا بیٹا اور غلام کا بیٹا، ان میں سے تم کسے چاہتے ہو۔) (بلوغ الارب، جلد ۲، ص ۱۰) اسی طرح ''مولدات'' ان لونڈی زادیوں کو کہتے تھے جن کے باپ عربی اور مائیں عجمی ہوں۔

Marfat.com

۸۶۔ العقد الفرید، جلد۳، ص۴۱۳

۸۷۔ مراد ہیں صفیہ بنت حیی بن اخطب

۸۸۔ مراد ہیں زینب بنت جحش

۸۹۔ العقد الفرید، جلد ۶، ص ۱۲۸ (، طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۲۱۴، میں یوں ہے ''...... تمہارے لئے رسول اللہؐ کے اندر اچھا نمونہ ہے، رسول اللہؐ نے صفیہ بنت حیی کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کر لیا اور زید بن حارثہ کو آزاد کیا اور ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح کر دیا''۔)

۹۰۔ طبقات الکبریٰ، جلد۵، ص۲۱۶

۹۱۔ العقد الفرید، جلد۳، ص۴۱۷

۹۲۔ علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم کی کنیت ابوالحسین اور لقب زین العابدین تھا۔ ان کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام غزالہ سلامہ یا سلافہ تھا ان سے حسین بن علی کے بعد ان کے مولیٰ زبید نے نکاح کیا جن سے ان کے یہاں عبداللہ بن زبید پیدا ہوئے۔ وہ علی بن حسین کے اخیافی بھائی تھے۔ یہ ابن سعد، ابن قتیبہ اور ابن کثیر کی روایت ہے (طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۲۱۱، المعارف ص ۹۴، البدیہ والنہایہ جلد ۹، ص ۸۰۱) تاہم شیعی روایات کے مطابق ان کی والدہ شہر بانو بنت یزدگرد شاہ ایران تھیں۔ واقعہ کربلا میں موجود تھے اور ابن سعد کے مطابق ان کی عمر ۲۳ برس تھی۔ شمر نے ان کو قتل کروا دینا چاہا مگر عمرو بن سعد کوفیوں کے آڑے آیا اور علی بن حسین بچ گئے بعد میں یزید نے انہیں دیگر افرادِ خاندان کے ساتھ بحفاظت مدینہ بھجوا دیا۔ جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی تو علی بن حسین نے اس بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا اور مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔ جنگِ حرہ میں فتح یابی کے بعد جب مسلم بن عقبہ مدینہ میں داخل ہوا تو اس نے زین العابدین کی تعظیم وتکریم کی۔ اسی زمانے میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے حصول اقتدار کے لئے خون حسین کے انتقام کی دعوت دی اور ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے مگر زین

Marfat.com

العابدین ان ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۹۴ھ/۷۱۲ء میں وفات پائی۔ اس سال کو فقہا کے کثرت سے انتقال کی وجہ سے ''سنة الفقها'' کہا جاتا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۲۱۱ تا ۲۲۲، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۷۴، المعارف ۹۴، ۹۵؛ البدیۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۸)

۹۳۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ باندی کے بطن سے تھے ان کی والدہ کا نام سودہ تھا۔ مدینہ کے ممتاز فقیہہ اور مرد فاضل تھے۔ اپنے والد کے قتل ہونے کے بعد اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت عائشہؓ کی گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور انہی سے فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا۔ ان کے علاوہ عبداللہ ابن عباس، معاویہ، فاطمہ بنت قیس، ابن عمر اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ سے آپ کے صاحب زادے عبدالرحمٰن، زہری، ابن المکندر، ابن عون، ربیعۃ الرائے، افلح بن حمید، حنظلہ بن ابوسفیان، ایوب اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کہتے تھے کہ اگر میرا اختیار ہوتا تو میں اپنے بعد ''بنو تیم کے اعمش''، یعنی قاسم بن محمد کو خلیفۃ المسلمین نامزد کرتا۔ ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ۱۰۶ھ، ۱۰۷ھ یا ۱۰۸ھ میں انتقال کیا جبکہ وہ ۷۰ یا ۷۲ سال کے تھے۔ اخیر عمر میں ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن قاسم قریش کے فاضل ترین شخص تھے، ان کی بیٹی ام فروہ، کی شادی محمد (الباقر) بن علی بن حسین بن علی سے ہوئی جن سے جعفر (الصادق) پیدا ہوئے (المعارف، ص ۷۶، طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۸۷، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۶، صفۃ الصفوۃ، جلد ۲، ص ۴۹)

۹۴۔ سالم بن عبداللہ بن عمر فاروق کی کنیت ابو عمر وتھی ان کی والدہ ایک ام ولد تھیں عبداللہ ابن عمر اپنی اولاد میں سالم کو از حد محبوب رکھتے تھے۔ مدینہ کے نامور فقیہہ ہوئے۔ آپ کا قول قابل حجت ہے۔ اپنے والد حضرت عبداللہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، رافع بن خدیج، سفینہ اور سعید بن مسیب سے سماع حدیث کیا اور آپ سے عمرو بن دینار، زہری،

Marfat.com

عبید اللہ ابن عمر، صالح ابن کیسان، موسیٰ بن عقبہ، حنظلہ بن ابی سفیان اور دوسرے بہت سے لوگوں نے کسب فیض کیا۔ آپ کا رنگ سیاہ اور جسم عجمیوں کی طرح مضبوط تھا۔ علم و فضل اور زہد و تورع میں صحابہ کرام سے مشابہ تھے۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (المعارف، ص ۸۰، طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۹۵، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۸۸)

۹۵۔ احمد امین المصری، ضحیٰ الاسلام، جلد ۱، ص ۲۸

۹۶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت صفر ۹۹ھ سے شروع ہوئی، ان کا انتقال رجب ۱۰۱ھ میں ہوا اس اعتبار سے ان کی مدت خلافت تقریباً دو سال پانچ ماہ بنتی ہے۔

۹۷۔ البدایہ والنہایہ، جلد، ص

۹۸۔ عمر بن عبدالعزیز کے مقرر کردہ عمال کی تفصیل کیلئے دیکھئے طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۳۴۱

۹۹۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۵۶۰

۱۰۰۔ طبری، جلد ۶، ص ۵۵۹، طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۳۴۵، تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۷۶

۱۰۱۔ فتوح البلدان، ص ۸۴، تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۷۶

۱۰۲۔ کتاب الخراج، ص ۷۵

۱۰۳۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۳۸۴، مقریزی، باب ۲۸، ص ۳۲۷

۱۰۴۔ ایضاً، ص ۳۵۶

۱۰۵۔ ایضاً، ص ۳۸۶

۱۰۶۔ ایضاً، نیز تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۷۶، نیز تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۵۵۹

۱۰۷۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۵۵۹

۱۰۸۔ ایضاً، ص ۵۶۰، تاریخ ابن خلدون، جلد ۳، ص ۷۵

۱۰۹۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۶۴

۱۱۰۔ عبدالسلام ندوی، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۰۹

Marfat.com

۱۱۱۔ مزاحم کے بارے میں میمون ابن مہران کا قول قابل ذکر ہے، کہتے ہیں کہ "میں نے ایک گھر میں تین آدمیوں سے بہتر نہیں دیکھا، ایک عمر بن عبدالعزیز، دوسرے ان کے بیٹے عبدالملک اور تیسرے ان کے موالی مزاحم"

۱۱۲۔ ندوی، عبدالسلام، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۵۵

۱۱۳۔ ایضاً ص ۱۱۰

۱۱۴۔ الکامل فی التاریخ، جلد ۵، ص ۵۵

۱۱۵۔ المعارف، ص ۱۹۸، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۸ (امام میمون بن مہران کی کنیت ابوایوب تھی۔ عراق کے مشہور شہر رقہ کے رہنے والے تھے، کوفہ کی ایک عورت نے آزاد کیا تھا وہیں پل کر جوان ہوئے بعد میں الجزیرہ کو اپنا وطن بنالیا۔ حضرت عائشہؓ ابو ہریرہؓ ابن عباسؓ ابن عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے ابو بشر خصیف، جعفر بن برقان، حجاج بن ارطاۃ، سالم بن ابی المہاجر، امام اوزاعی، ابوالملیح رقی، معقل بن عبیداللہ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ امام احمد ابن حنبل انہیں عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے زیادہ ثقہ مانتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز ان کی افضلیت اور ثقاہت کے معترف تھے ایک بار میمون ان کی مجلس سے اٹھ کر جانے لگے تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا "جب یہ اور ان کے ہم نظیر دوسرے علماء دنیا سے اٹھ جائیں گے تو بے کار لوگ باقی رہ جائیں گے"۔ اسی سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں انتقال کیا۔

۱۱۶۔ ایاس بن معاویہ کا نسبی تعلق قبیلہ مضر کی شاخ مزینہ سے تھا، کنیت ابو وائلہ تھی۔ ان کی والدہ ام ولد تھیں اور ان کا قیام وادی ستی میں تھا جو بصرہ۔ مکہ شاہراہ پر ایک گاؤں تھا۔ یہیں انہوں نے ۱۲۲ھ میں انتقال کیا (۔معارف، ص ۲۰۵)

۱۱۷۔ فقیہہ مدینہ امام ابوزناد مدنی کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور نام عبداللہ ابن ذکوان تھا۔ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ (قریش) کے موالی تھے۔ یہ رملہ حضرت عثمان بن عفان کی زوجہ تھیں۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے حضرت انس بن مالک، اسعد ابن سہل بن حنیف، عبداللہ بن

Marfat.com

جعفر اور سعید بن مسیب سے حدیث کا سماع کیا۔ شعروشاعری میں عبدالرحمٰن اعرج سے بہت شعر نقل کرتے تھے۔ ان سے امام مالک، شعیب بن ابی حمزہ، لیث بن سعد اور دوسرے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ مدینہ کے نامور فقیہہ تھے، ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں انتقال کیا۔

۱۱۸۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۸۷، صفۃ الصفوۃ، جلد ۲، ص ۴۹

۱۱۹۔ کتاب الاموال، ص ۲۲۱، طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۳۷۵، نیز ص ۳۴۶

Marfat.com

باب ہفتم

ترویج علوم میں موالی کا حصہ
(پہلی صدی ہجری)

(الف) اسلام سے قبل عربوں کی علمی حالت :۔

باب دوم میں وسطی عربوں کی جو تمدنی، معاشی و سیاسی حیثیت متعین کی جا چکی ہے وہی ان کی علمی حالت بھی تھی۔ وہ علمی اعتبار سے نرے جاہل نہیں تھے مگر اپنے شمالی اور جنوبی عرب پڑوسیوں کے مقابلے میں ان کی علمی ترقی کمتر درجے کی تھی۔ عمومی طور پر دیکھا جائے تو دنیا کی سب سے قدیم تاجر اور عالم قوم عرب ہی تھے خواہ وہ جزیرہ نمائے عرب کے اندر ہوں یا باہر۔ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح میں ہمیں حمورابی (۱) کا نام ملتا ہے جو دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا۔ ''دولت حمورابی'' کا تحریری دستور آج بھی تحریری شکل میں موجود ہے بلکہ آج تک جتنے بھی دساتیر اور مجامع قوانین ہیں ان میں قدیم ترین مجموعہ حمورابی ہی کا مرتب کردہ ہے۔ حمورابی، عرب عاربہ کے ایک سامی خاندان کا بادشاہ تھا اور اغلباً حضرت ابراہیم کا ہم عصر تھا۔

عاد اور ثمود جن کی عظمت، قوت اور عقل و ہنرمندی کا ذکر قرآن بھی کرتا ہے۔

التی لم یخلق مثلھا فی البلاد (الفجر)

ترجمہ: جن کے برابر کوئی شخص شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔

یہ عاد اور ثمود علوم و فنون کی دنیا میں اساتذہ فن کی حیثیت رکھتے تھے، اندرون عرب اور بیرون عرب ان کی حکمتوں کا چرچا تھا۔ یہ بڑا غلط العام خیال ہے کہ علوم کی دنیا میں یونان کا کوئی ثانی نہیں اور وہی معلم اول تھے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یونانیوں نے بہت کچھ فنیقیوں (۲) سے سیکھا تھا۔ انہی سے یونانیوں نے تہذیب کی ابجد پڑھی، انہی سے فن تحریر سیکھا، اوزان و پیمائش کے

Marfat.com

طریقوں اور علم ... سب سے آ گاہی حاصل کی، انہی کا بسایا ہوا شہر قرطاجنہ (CARTHAGE) ڈھائی سو سال قبل مسیح میں علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

یہ تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر عربوں کی بات تھی، اندرون عرب بھی ان کی علمی ترقیاں قابل ذکر تھیں۔ عاد ثانیہ (۳) یا عاد عرب کا ایک مشہور مفکر حکیم لقمان (۴) تھا، جس کا تذکرہ سورہ لقمان میں موجود ہے۔ حکیم لقمان کا صحیفہ حکمت ''مجلہ لقمان'' خود عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے، رسول اللہؐ نے بھی یہ صحیفہ دیکھا تھا۔ (۵) کھدائیوں میں کئی کتبے ملے ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ عاد اولیٰ ہوں یا عاد ثانیہ لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔ عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود (۷) کو حاصل ہوئی۔ یہ بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جس کی دلیل وہ کتبے ہیں جن پر آرامی اور ثمودی خط میں لکھا گیا ہے۔

شمال سے جنوب میں آجایئے تب بھی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کی رونق نظر آتی ہے۔ جوف یمن میں آباد اہل معین (۸) کی عمارات اور مقبروں کے کتبے ملے ہیں۔ سبا کی ملکہ اور حضرت سلیمان کے درمیان خط وکتابت کی شہادت قرآن سے ملتی ہے۔ (۹) یمن کے سبا اور معین علم وفن اور تہذیب وتمدن میں (ایتھنز اور روما کے بسائے جانے سے قبل) کافی ترقی کر چکے تھے۔ وہاں بے شمار کتبے ملے ہیں، جو پڑھے جا چکے ہیں اور جو پڑھے نہیں جا سکے۔ ان سے بھی اہم انکشافات کی توقع کی جا سکتی ہے۔

بنو حمیر نے یمن میں اپنے اخبار وحوادث کو بکثرت مدون کیا تھا بلکہ اسے پتھروں پر نقش کر چھوڑا تھا، چنانچہ ان کے یہ آثار وقتاً فوقتاً دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ جنوبی عرب کے لوگ جس خط میں لکھتے تھے اسے ''خط مسند'' کہتے ہیں۔ (۱۰) انجینئرنگ، زراعت اور تعمیرات میں ان کے کارنامے قابل ذکر ہیں، سد مآرب اور قصر غمدان (۱۱) ان کے شاہکار تھے۔ ان کی اکثریت آباد شہروں کی رہنے والی تھی۔ انہوں نے مشہور محل بنائے اور بلند قلعے تعمیر کئے۔ ان کے یہاں باقاعدہ ایک سیاسی نظام کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ انہیں ان علوم سے واقفیت رہی ہوگی جو نظم ونسق کو قائم رکھنے کے لئے از بسکہ ضروری ہوتے ہیں اور جن پر سیاسی

Marfat.com

نظام، نظم معیشت اور تدبیر منزل وغیرہ کا دارومدار ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یمن کے عربوں کا تمدن اتنا ہی عمدہ تھا جتنا کوئی تمدن ہو سکتا ہے۔

اسلام سے قبل کے زمانوں میں عرب کے شمال میں حیرہ اور غسا سنہ کی عرب حکومتیں بڑی متمدن سمجھی جاتی تھیں۔ حیرہ کے عرب ایران کی عظیم مدنیت کے پڑوس میں رہتے تھے۔ ان کی اپنی زبان نبطی تھی چنانچہ ان کے شعر و ادب کا ذخیرہ اسی زبان میں موجود تھا تاہم یہ فارسی اور عربی سے بھی واقف تھے بلکہ بعض تو ان زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ (۱۲) عربی شاعری کے لئے حیرہ نہایت مشہور ہے۔ حیرہ کے ان عربوں میں یونانی علوم و فنون بھی بڑی حد تک سرایت کر چکے تھے۔ (۱۳) زمانہ جاہلیت میں قریش کو زندقہ کی تعلیم اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم اہل حیرہ ہی نے دی تھی۔ (۱۴)

اسی طرح غسا سنہ کا علمی مرتبہ بھی لائق توجہ تھا بلکہ تہذیب و تمدن اور علمی سرگرمیوں میں وہ اہل حیرہ پر فوقیت رکھتے تھے کیونکہ ان لوگوں کو یونانی ثقافت اور رومی تہذیب سے بھی قرب حاصل تھا۔

شمالی اور جنوبی عرب کی اس تمدنی، فنی اور علمی ترقی کے برخلاف وسطی عرب اور حجاز میں عموماً علم کی یہ رونق نظر نہیں آتی۔ وسطی عرب کی اکثریت بادیہ نشین عربوں پر مشتمل تھی اور صحراؤں میں عموماً مدون علوم، فلسفہ و حکمت پروان نہیں چڑھا کرتے البتہ وسطی عرب کے حضری عرب نسبتاً پڑھے لکھے تھے۔ عہد جاہلیت کے جو خطبے، اشعار اور ضرب الامثال وغیرہ محفوظ ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے کے عربوں میں فصاحت و بلاغت، حسن مذاق اور دقت نظر کا معیار یقیناً بلند تھا۔

زیر نظر عہد میں حصول علم کا سب سے زیادہ مروج طریقہ تو یہ تھا کہ بچوں کو زبان سکھانے اور ان کو فصیح و بلیغ بنانے کے لئے بدوی قبائل میں بھیج دیا جاتا تھا، جہاں وہ دیگر جسمانی ریاضتوں کے علاوہ عربی زبان پر عبور حاصل کیا کرتے تھے۔ تاہم اس کے باوجود مکہ اور مدینہ میں مدرسوں کا پتا چلتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ مدرسے انتہائی ابتدائی نوعیت کے تھے تاہم ان میں لڑکوں

Marfat.com

کے علاوہ لڑکیاں بھی پڑھنے جاتی تھیں۔(۱۵)

مدینہ (یثرب) میں بھی توریت کی تعلیم کے لئے ایک ''بیت المدراس'' (۱۶) کا وجود ملتا ہے۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے دوسرے شہروں مثلاً خیبر، فدک اور تیماء وغیرہ میں یہودی لٹریچر پایا جاتا تھا۔ سورہ بقرہ کی بعض (۱۷) آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علماء اور سربرآوردہ اشخاص لکھنا پڑھنا خوب جانتے تھے۔ عرب میں جہاں کہیں عیسائیوں کے گرجے تھے، ان میں دینی کتابیں موجود ہوتی تھیں۔ یہودی اور نصرانی شعراء کے دیوان بھی موجود تھے۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ یمن کے یہودی مدراس، حجاز کے یہودی مدراس سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یمن، حضارت اور تمدن میں حجاز سے بلاشبہ بہت آگے تھا، ان کے یہاں توراۃ کی شرحیں اور تاریخی قصے کہانیوں وغیرہ کی کتابیں زیادہ متداول تھیں جو حجاز کے یہودیوں کے پاس نہیں تھیں۔(۱۸)

مسیحی تعلیمات سے عرب خوب واقف تھے چنانچہ عربوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جن کا رجحان رہبانیت کی طرف تھا۔ حنظلہ طائی، قس بن ساعدۃ الایادی اور امیہ بن ابی الصلت (جس نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں) اس کی واضح مثالیں ہیں۔(۱۹) عیسائی اور راہب، عربوں کے میلوں میں آتے، لوگوں کو نصیحت کرتے، بشارتیں دیتے، حشر نشر، حساب کتاب، جنت و دوزخ کے تذکرے کرتے۔ قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں ان کے اقوال کو نقل کر کے ان کے مذاہب کا ابطال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات ان کے درمیان اچھی طرح پھیل چکی تھیں۔ ورقہ بن نوفل بھی توریت اور انجیل کی تعلیمات سے واقف تھے۔

جزیرہ نمائے عرب میں جو بازار اور میلے لگا کرتے تھے (۲۰) وہ اس علمی حرکت کو ابھارنے میں خصوصیت سے مددگار تھے۔ ان بازاروں میں صرف تجارت ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ انہیں ایک ''بین العرب ادبیاتی کانگریس'' کہا جا سکتا ہے۔(۲۱) حالانکہ حق تو یہ ہے کہ یہ ادبیاتی کانگریس صرف ''بین العرب'' نہیں تھی بلکہ ان میں سے بعض میلوں میں عرب

Marfat.com

سے باہر کے تجار بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ (۲۲) مثلاً چین، سندھ اور ایران وغیرہ کے تجار و سوداگر۔

عرب شعراء، ان میلوں میں اپنا کلام سناتے، خطباء اور حکماء اپنی تقاریر میں دانش و حکمت کی باتیں بیان کرتے۔ بعض شعراء کے عقائد جو ادب العالیہ کے تقاضوں کو پورا کرتے، انہیں لکھ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیا جاتا۔ ایسے ''سبع معلقات'' (۲۳) مشہور ہیں۔ ان میلوں میں حکّام اپنے فیصلے سناتے، شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے۔ یوں جزیرہ نمائے عرب میں لگنے والے یہ مختلف بازار اور حج کعبہ کی رسم، عربی زبان کو ایک معیاری اور ٹکسالی زبان بنانے میں خاموش لیکن انتہائی موثر کردار ادا کر رہے تھے۔

وسطی عرب میں بہت زیادہ لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔ مکہ میں لکھنے کا رواج حرب بن امیہ (ابوسفیان کا باپ) کے زمانے سے ہوا بلکہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حرب بن امیہ وہ پہلا شخص تھا جس نے عربی تحریر استعمال کی۔ (۲۴) ابن عبدربہ اور بلاذری کا کہنا ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں سارے قریش میں صرف سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (۲۵) لیکن یہ کوئی حتمی بیان نہیں ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد سترہ سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ بلاذری سترہ نام گنوانے کے بعد اسی سلسلے میں آگے چل کر شرجیسل بن حسنہ کا نام بھی لکھتا ہے جو حلفائے قریش میں سے تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (۲۶) نیز وہ کاتب رسولؐ کے طور پر حنظلہ بن الربیع بن رباح الاسدی کا نام بھی، جن کا تعلق بنو تمیم سے تھا، لکھتا ہے، یوں بلاذری کی فہرست خود اسی کے حوالے سے طویل ہوتی ہے اسی طرح وہ قریش کی کم از کم پانچ خواتین کا نام بھی تحریر کرتا ہے جو اسلام کے ابتدائی زمانے سے تعلق رکھتی تھیں اور لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو بلاذری کی یہ فہرست سترہ سے بڑھ کر چوبیس تک ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ فہرست بھی حتمی نہیں ہے کیونکہ اس فہرست میں عبدالمطلب، منصور بن عکرمہ، عامر بن فہیرہ، زبیر بن العوام اور ارقم بن ابی الارقم مخزومی وغیرہ کے نام نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ الفہرست، میں ابن الندیم نے نشاندہی کی ہے کہ خلیفہ مامون کے خزانہ کتب میں ایک مخطوطہ تھا، جس میں ذرا بھدے خط کی کچھ عبارت تھی اور وہ

Marfat.com

عبدالمطلب کا خط تھا۔ (۲۷)

اسی طرح منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کا نام بلاذری کی فہرست میں نہیں ہے حالانکہ منصور نے ۷ نبوی میں وہ معاہدہ لکھا تھا جس کے بعد قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب (۲۸) کا سماجی مقاطعہ کیا تھا جو کہ تین برس تک جاری رہا تھا۔ قریش، منصور بن عکرمہ کی قابلیت کے معترف تھے، حیرت ہے بلاذری سے یہ نام کیسے رہ گیا۔

اسی طرح سفر ہجرت کے دوران سراقہ بن جعشم کو جو فرمان لکھ کر دیا گیا تھا اس کے لکھنے والے عامر بن فہیرہ (۲۹) تھے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مولیٰ تھے اور چونکہ مولیٰ اپنے آقا کے قبیلے ہی میں محسوب ہوتا تھا لہٰذا انہیں بھی قبیلۂ قریش ہی کا فرد سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ابن عبدالبر نے کاتبان رسول اللہؐ کے تذکرے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام بھی لکھا ہے۔ (۳۰) نیز ابن سعد کے بیانات کی روشنی میں کاتبان وحی کی جو فہرست مرتب ہوتی ہے (۳۱) ان میں بھی چند نام ایسے ہیں جو بلاذری کی فہرست میں شامل نہیں مثلاً زبیر بن العوام اور ارقم بن ابی الارقم وغیرہ۔ المختصر بلاذری کا یہ بیان کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں مکہ کے سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے حتمی اور قطعی نہیں بلکہ تشنہ اور محض ظنی ہے۔

مکہ ہی کی طرح مدینہ (یثرب) اور طائف میں کچھ نہ کچھ علمی سرگرمی موجود تھی غیلان بن سلمیٰ ثقفی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن علمی مجلس منعقد کرتا تھا جس میں شعر و شاعری ہوتی تھی اور پھر ان پر تنقید کی جاتی تھی۔

جہاں تک مدون علوم کا تعلق تھا عربوں کے پاس چند کتابیں تھیں، نصرانی علماء کے پاس توراۃ کا نسخہ موجود ہوتا تھا۔ صحیفہ ''لقمان'' بھی موجود تھا جس کے بعض اوراق رسول اللہ ﷺ نے بھی دیکھے تھے۔ امیہ بن ابی صلت کے پاس بھی حکمت و دانائی کی باتوں پر مبنی ایک کتاب موجود تھی۔ (۳۲) اسی طرح قدیم عرب کا ممتاز طبیب جس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا تھا، یعنی حارث بن کلدہ ثقفی بھی صاحب کتاب تھا۔ ابن ابی اصیبعہ (۳۳) نے حفظ صحت پر اس کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جس کا نام ''کتاب المحاورۃ فی الطب بینه و بین کسری انو

Marfat.com

شــــروان'' تھا۔(۳۴)اس کے بیٹے نضر بن حارث نے اسی سے طب سیکھی تھی۔اسی نضر نے ایران کے رزم و بزم پر ایک (افسانوی) تاریخ بھی مدون کی تھی۔(۳۵)

باایں ہمہ عہد جاہلیت میں مخصوص علوم تھے جن میں لغت وشعر، خطابت و انساب اور امثال و اخبار وقصص قابل ذکر ہیں۔علوم طبعیہ میں طب اور معالجہ حیوانات، نجوم، قیافہ شناسی، کہانت اور ہوا کے رخ اور بارش کے اوقات کے علم سے عربوں کو خاص دلچسپی تھی اور شعروشاعری کا بھی بڑا چرچا تھا لیکن بحثیت مجموعی یہ سب کچھ ان کے شمالی اور جنوبی عرب پڑوسیوں کے مقابلے میں بہت کم اور ایران اور روم کے مقابلے میں نسبتاً اور بھی کم تھا۔

(ب) اسلام سے قبل ایرانیوں کی علمی حالت:۔

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں طے کرلیا تھا کہ ''موالی'' کے اصطلاحی معنوں کو ہم ''ایرانیوں'' تک محدود کریں گے، کم از کم ''موالی'' میں عرب موالی شامل نہیں کئے جائیں گے کیوں کہ اس طرح مسئلہ مزید الجھاؤ کا شکار ہوگا۔اس باب میں جب کہ عرب اور موالی کا علمی موازنہ درکار ہے،لہٰذا موالی میں ایرانیوں کے علاوہ دیگر عجمی بھی شامل ہوسکتے ہیں لیکن چونکہ یونانیوں کے علوم رومیوں کی طرف منتقل ہوکر تقریباً مردہ ہوچکے تھے یا ایران کی طرف منتقل ہوچکے تھے اس لئے اگر ایرانیوں کی علمی حالت کا جائزہ پیش کیا جائے تو گویا اس میں رومیوں تک پہنچنے والے یونانی علوم کا احاطہ بھی ہوجائے گا۔

ایرانیوں کا تاریخی دور ہخامنشیوں سے شروع ہوتا ہے۔ہخامنشی دور (۵۵۰ ق۔م تا ۳۳۰ ق م) کے کتبے جو داریوش اعظم (۵۲۱ ق م ۴۸۵ ق م) اور اس کے جانشینوں کے حکم سے کوہ بے ستون اور پرسی پالس (تخت جمشید) میں کندہ کئے گئے،قدیم فارسی کا نمونہ ہیں، یہ ہخامنشی دور کا تحریری سرمایہ تھا جن میں آھورامزدا (خالق کائنات) کی مدح وثنا کی گئی ہے،اپنی فتوحات کو اس کی مہربانی کا نتیجہ بتایا گیا ہے اور آئندہ کے لئے اسی سے مدد مانگی ہے۔ان کتبوں میں برائیوں سے بچنے اور سیدھے راستے پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔بعض کتبوں میں ان مفتوحہ ممالک کا ذکر آیا ہے جہاں حکومت ایران کے قوانین نافذ ہوئے یا جہاں سے حکومت ایران کو خراج وصول ہوتے

Marfat.com

رہے۔ بعض کتبوں میں شاہی تعمیرات کی کیفیت، سامان تعمیر کی مختلف ممالک سے درآمد اور کاریگروں کے حق الخدمت کا ذکر ہے۔(۳۶)

اشکانیوں کے دور(۲۵۰ ق م تا ۲۲۵ ق م) میں ہخامنشی دور کی فارسیٔ قدیم کی جگہ زبان پہلوی پورے ملک میں رائج ہوئی اس طویل عہد میں زردشت کی کتاب اوستا کے علاوہ اور کسی کتاب کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ اصل اوستا تو ہخامنشی عہد کے آخر میں سکندر کے حملے(۳۳۰ ق م) میں ضائع ہوگئی تھی۔ اشکانی دور میں موبدوں نے زبانی یادداشتوں کی مدد سے اوستا از سرنو مرتب کی جو پانچ جلدوں ۱۔ یَسْنا، ۲۔ وسپرد، ۳۔ وندیداد، ۴۔ یشت اور ۵۔ خردہ اوستا میں ہے۔(۳۷)

ساسانیوں سے ایران کی تاریخ کا تیسرا دور(۲۲۶ء تا ۶۵۳ء) شروع ہوتا ہے جو کئی اعتبار سے شاندار ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی بھی ہے، ساسانیوں نے اشکانیوں کے طوائف الملوکی کو ختم کر کے ایک مستحکم حکومت قائم کی اور اشکانی تہذیب کے رہے سہے یونانی اثرات کو مٹا کر قدیم ایرانی روایات کو دوبارہ زندہ کیا ساسانیوں نے مادی اعتبار سے ترقیاں کیں، تعمیرات اور علوم وفنون کے حوالے سے یہ دور بہت اہم ہے۔

ساسانی دور میں کئی مذہبی کتابیں لکھی گئیں۔ دو خاصی مشہور ہیں۔ ۱۔ دین کرت (یعنی اعمالِ دین) یہ زرتشتی عقائد احکام و اوامر، آداب و رسوم اور زرتشت سے متعلق قصوں پر مشتمل ہے۔ ۲۔ بُندہشن (یعنی آفرینش) اس میں آفرینشِ کائنات، اہرمن کی روگردانی اور وصف مخلوقات کا بیان ہے۔(۳۸)

ایرانیوں کے پیغمبر ''مانی'' سے سات کتابیں منسوب ہیں جو ایک نئے رسم الخط میں ہیں جن کا بانی، خود مانی تھا یہ خط سریانی اور فارسی کے بین بین تھا۔ ان کتابوں میں سے اب کوئی بھی موجود نہیں البتہ ان کے اقتباسات مسلم مورخین کی کتابوں اور پہلوی تصانیف میں مل جاتے ہیں۔(۳۹)

ان کی دیگر مذہبی کتابوں میں ''خسرو کاوتان وریتک'' (اشراف کی تعلیمات سے متعلق) اور کلیہ و دمنہ بھی اہم ہیں، آخر الذکر کتاب میں جانوروں کی زبان سے سیاسیات پر اظہار

Marfat.com

خیال کیا گیا ہے۔ اصل کتاب سنسکرت میں تھی جس کا حکیم برزویہ نے سنسکرت سے پہلوی میں ترجمہ کیا۔

غیر دینی کتابوں میں ''کارنامک ارتخشتر پاپکان'' اور ''یاتکار زریَران'' جسے شاہنامۂ گشتاسپ بھی کہتے ہیں، خاص طور پر اہم ہیں۔ ساسانی عہد میں پہلوی کی ترانوے کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں سیاسی دینی واخلاقی موضوعات پر اور گیارہ غیر دینی موضوعات پر لکھی گئیں۔ نوشیروان (۵۳۱ءتا۵۷۹ء) کے زمانے میں متعدد کتابیں یونانی اور سنسکرت سے پہلوی میں ترجمہ ہوئیں جو ایرانیوں کی دانش میں اضافہ کرنے کا موجب بنیں۔ (۴۰)

اسلامی دور سے قبل ہخامنشیوں، اور اشکانیوں اور ساسانیوں کی شہنشاہی کے زمانے میں مدارس اور تربیتی ادارے زیادہ تر دولت مندوں اور اونچے طبقے کے لوگوں تک محدود رہتے تھے ان درسگاہوں اور تربیت گاہوں میں عموماً آئین، لکھنا پڑھنا، حساب، وزن اور مقداریں، تاریخ، ادب، اسپ سواری شکار، چوگان (پولو) اور مختلف اسلحہ کا استعمال شامل تھا۔ اعلیٰ تعلیم مثلاً دبیری، طب اور نجوم کے لئے مخصوص نصاب رائج تھے۔ ساسانیوں کی سلطنت کے زمانے میں خوزستان میں جندی شاپور کی درسگاہ صدیوں تک دنیا کے اہم تعلیمی مراکز میں شمار ہوتی رہی۔ یہ یونیورسٹی تیسری صدی ہجری کے آخر تک قائم تھی۔ خصوصاً جب نسطوری فرقے کے لوگ جندی شاپور آ کر آباد ہوئے تو یہاں علمی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔

نسطوری ایک مسیحی فرقہ تھا جسے ۴۲۸ء میں قسطنطنیہ کے بطریق نسطوریوس نے قائم کیا۔ بعد میں انہیں زندیق قرار دے کر ایران کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ ایران میں اس وقت ساسانیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے نسطوریوں کا استقبال کیا۔ انہی نسطوری علما کی وجہ سے ایران کا شہر جندی شاپور علوم کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔

جندی شاپور، ایران کے موجودہ شہر اہواز کے قریب واقع تھا۔ اس کی تاریخ بہت پرانی ہے، جو زمانہ قبل از تاریخ تک پہنچتی ہے اس وقت اس کو ''جنتا شاپیرتا'' (GENTA SHAPIRTA) یعنی ''حسین باغ'' کہا جاتا تھا۔ (۴۱) تیسری صدی عیسوی کے اواخر میں

Marfat.com

دوسرے ساسانی بادشاہ، شاہ پور اول نے بازنطینی شہنشاہ والریان (VALERIAN) کو شکست دینے اور انطاکیہ (ANTIOCH) کو فتح کر لینے کے بعد دوبارہ اس شہر کی بنیاد رکھی۔ ایرانی بادشاہ کی خواہش تھی کہ جندی شاپور کو علمی مرکز کی حیثیت سے انطاکیہ سے بالاتر بنادے اسی لئے اس کا نام ''وہیاز اندیو شاپور'' (EHAZ ADNEVI SHAHPUR) جس کا مطلب ہے ''شاپور، انطاکیہ سے بہتر ہے'' بعد میں یہ شہر ''جندی شاپور'' کے نام سے مشہور ہوا۔ شاپور دوئم نے یہاں ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جس میں ایک بیمارستان (HOSPITAL) بھی قائم کیا گیا، جلد ہی یہ شہر علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔

جب جسٹینین (JUSTINIAN) نے ۵۲۹ء میں ایتھنز میں فلسفے کے مکاتب بند کر دیئے تو یونانی اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے ایتھنز کو خیر باد کہہ کر جندی شاپور کا ہی رخ کیا۔ (۴۲) یہ مشہور ساسانی بادشاہ کسریٰ نوشیروان (CHOSROES) کا زمانہ (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) تھا اسی نے افلاطون کے فلسفۂ جدید کے حاملین کو پناہ دی تھی جس نے جندی شاپور کو اپنے زمانے کا اہم علمی مرکز بنادیا تھا۔

اسلام اور علمی تحریک:۔

جب اسلام آیا تو علوم وفنون کی جو سرگرمی نظر آئی اس سے نہ صرف عرب بلکہ معلوم دنیا بھی پہلے پہل آشنا ہوئی۔ اسلام خود جہالت کی ضد ہے، یہ ایک ایسا دین ہے جس میں حصول علم کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے جو شناخت سب سے زیادہ پسند کی وہ ''معلم'' کی شناخت تھی۔ قرآن میں لفظ ''علم'' مختلف مشتق صورتوں میں ۷۷۸ مرتبہ آیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعاً مشکل نہیں کہ اسلام میں علم کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، جس بنیاد پر انسان کو فرشتوں پر تقدم عطا کیا گیا وہ ''علم الاشیاء'' ہی تھا۔ پہلی وحی بھی ''اقراء'' سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے اسلامی تعلیمات کا وہ مجموعہ جو ارشادات الٰہی پر مبنی ہے اسے ''قرآن'' یعنی پڑھا جانے والا قرار دیا گیا۔ قرآن میں بار بار انسان کو تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔ آیات الٰہی جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں قرآن میں ان کے مشاہدہ اور تجزیہ پر زور دیا گیا ہے چنانچہ بحر و

Marfat.com

براور ارض وسموات کے حقائق کے مطالعہ اور تحقیق کی بار بار تاکید آئی ہے۔قرآن کے بعد احادیث میں بھی حصول علم کی شدید تاکید آئی ہے۔اس ضمن میں سینکڑوں احادیث مروی ہیں (۴۳) جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، تاہم ان تعلیمات نے یہ بات صراحتاً بیان کر دی کہ اسلام میں حصول علم اور تعلیم و تعلّم سے بڑا کوئی اور وظیفہ نہیں۔علم کی طلب کو عین عبادت بتانا۔علماء کو انبیاء کا وارث قرار دینا اور علم کو دین کا ستون بتا کر مسلمان مرد و عورت، آزاد و غلام سب کو حصول علم کی طرف راغب کرنا، صرف راغب ہی نہیں کرنا بلکہ اسے ہر فرد پر فرض قرار دینا، صرف اور صرف اسلام کی اولیت اور خصوصیت ہے۔

قرآن و حدیث کی ان تعلیمات نے دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک کو جنم دیا جس نے مسلمانوں کو صدیوں، دنیائے علوم و فنون کا بے تاج بادشاہ بنائے رکھا۔جہاں تک پہلی صدی ہجری کا تعلق ہے تو اس صدی میں مسلمانوں کے دو ہی شوق نمایاں نظر آتے ہیں، جہاد اور حصول علم۔ایک لمبی فہرست ان مسلمانوں کی ہے جو صاحب السیف بھی تھے اور صاحب القلم بھی۔یہ درست ہے کہ ابتدائی طور پر مسلمان علوم القرآن و حدیث سے ہی وابستہ رہے، لیکن نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ اسی قرآن و حدیث کے علم نے علوم طبیعی کے دروازے مسلمانوں پر کھول دیئے۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا رویہ انتہائی عملی رہا، انہوں نے صرف وعظ و تلقین سے ہی کام نہیں لیا بلکہ عملی اقدامات کئے، مثلاً رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو زید بن ثابت انصاری کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ یہودیوں سے لکھت پڑھت میں آسانی رہے۔(۴۴) جنگ بدر کے موقع پر ان اسیران جنگ کا فدیہ، جو زر فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے، یہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔(۴۵) اس طرح مدینے میں کئی مدرسے کھل گئے، ہر مدرسہ کا استاد جنگ بدر کا قیدی تھا، جس کے پاس مدینے کے دس بچوں کا حلقۂ درس ہوتا۔

اس کے علاوہ کچھ نجی مدرسے بھی کھل گئے تھے جنہیں ''کتاب'' (نجی مکتب) کہا جاتا تھا۔مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں میں بھی حصول علم کی تحریک جنم لے چکی تھی لہٰذا بعض خواتین کی

Marfat.com

فرمائش پر رسول اللہ ﷺ نے ہفتے میں ایک دن خواتین کی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ زیر نظر عہد کی سب سے بڑی درسگاہ مسجد نبوی تھی، جہاں کے معلم خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ اصحاب صفہ، مستقل طلباء کی صورت میں وہیں قیام پذیر رہتے ان کا واحد شوق حصول علم تھا۔ صفہ میں جو تعلیم ہوتی تھی وہ اسلام کی ابتدائی تعلیم تھی۔ ان کا اہم موضوع قرآن تھا اس کے علاوہ وہ کتابت بھی سیکھتے تھے۔ نازل شدہ آیات قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث حفظ کرتے اور فقہی مسائل سے آگاہی بھی حاصل کرتے۔

مسجد نبوی عہد رسالت کا واحد مدرسہ نہ تھا بلکہ بلاذری اس دور میں نو مساجد کا پتا دیتا ہے، جو صرف مساجد ہی نہ تھیں بلکہ مدرسے بھی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض اوقات تعلیمی وفود بھی روانہ کیے۔ اس طرز کا پہلا علمی وفد آپؐ نے اس وقت بھیجا تھا جب ابھی آپؐ نے ہجرت نہیں کی تھی اور مکہ ہی میں تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے بارہ افراد جب مدینہ واپس گئے تو انہوں نے وہاں سے ایک خط رسول اللہ ﷺ کو بھجوایا کہ ہمارے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجیں جو یہاں قرآن پڑھائے اور دین کی تعلیم دے۔ اس مقصد کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، کو معلم بنا کر بھیجا جن کی کوششوں سے انصار کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ (۴۶) اہل مدینہ آپ کے کام کی مناسبت سے آپ کو المقرئ (پڑھانے والا، استاد) کہا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ رسول اللہؐ نے بیعت عقبہ میں مسلمان ہونے والے اہل مدینہ کو اس وقت تک نازل شدہ قرآن کا ایک تحریری نسخہ بھی دیا تھا جسے انصار اپنے محلے کی مسجد میں باواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ (۴۷)

ہجرت کے بعد ۴ھ میں ایسے دو تعلیمی وفود کا پتا چلتا ہے جنہیں رسول اللہؐ نے بعض قبائل کی خواہش پر روانہ کیا۔ اس سال کی ابتداء میں رسول اللہؐ نے ایک چھ رکنی تعلیمی وفد مرثد بن ابی مرثد غنوی کی سرکردگی میں بنو عضل وقارہ کی درخواست پر ان کی طرف روانہ کیا۔ (۴۸) لیکن مقام رجیع پر ان کے ساتھ سخت دھوکہ کیا گیا اور چار کو وہیں اور دو کو مکہ لے جا کر شہید کر دیا گیا۔ (۴۹)

اسی سال ماہ صفر میں ایک خاصا بڑا تعلیمی وفد منذر بن عمرو انصاری کی سرکردگی میں اہل

Marfat.com

نجد کو قرآن کی تعلیمات دینے کے لئے بھیجا۔ ایک روایت کے مطابق اس میں چالیس اور ایک دوسری روایت کے مطابق اس وفد میں ستر افراد شامل تھے، اسی وفد میں عامر بن فہیرہ، مولیٰ ابوبکر صدیق ؓ بھی شامل تھے۔(۵۰) لیکن بئر معونہ کے مقام پر اس وفد کے تمام شرکاء کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔(۵۱) صرف ایک صحابی بچ سکے۔

یہ مسلمانوں کے دو انتہائی بڑے نقصانات تھے۔ کیونکہ یہ سب صحابہؓ اس وقت تک کے نازل شدہ قرآن کے بیشتر حصے کے حافظ تھے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے تعلیمی وفود روانہ کرنے کا سلسلہ فوراً بند کر دیا تاہم اسلام کے شوکت کے زمانے میں (یعنی فتح مکہ کے بعد) اس بات کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ مختلف قبائل اپنے وفود مدینہ بھیجیں، رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں اور دین اسلام کی بنیادی تعلیمات حاصل کریں۔ چنانچہ ۹ ھ میں عرب کے طول و عرض سے وفود مدینہ حاضر ہوئے۔ وفود اس کثرت سے آئے کہ یہ سال ''عام الوفود'' کہلانے لگا۔ ان وفود کو سرکاری مہمان کی حیثیت دی جاتی، ان کے قیام و طعام کا بندوبست کیا جاتا، قرآن کی تعلیم دی جاتی، اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا جاتا، اور اس دوران وہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بھی مشاہدہ کرتے۔ صرف آنے والے بدوی قبائل ہی نہیں سیکھتے تھے بلکہ قیاس ہے کہ اہل مدینہ بھی ان سے خصوصاً زبان کا علم حاصل کرتے ہوں گے۔(۵۲)

نومسلموں اور مفتوحہ علاقوں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ خیال رکھا اور عملی اقدامات کئے، چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے اہل مکہ کو حلال و حرام کی تعلیم دینے اور قرآن کی تعلیم عام کرنے کے لئے حضرت معاذ بن جبل (۵۳) کو مکہ میں چھوڑا تھا جو سب سے زیادہ حلال و حرام کا علم رکھتے تھے۔ جب یمن میں ہر جگہ اسلام پھیل گیا تو انہی معاذ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یمن بھیجا گیا تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔(۵۴) اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کے مقدمات فیصل کریں۔ وہ یمن کے علاوہ الجند میں رسول اللہ ﷺ کے مبلغ رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حکمت عملی کو بعد میں خلفائے راشدین نے جاری رکھا۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے عظیم تر فتوحات کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ عہد عثمانیؓ تک مسلسل جاری رہا۔ ان فتوحات کے نتیجے میں عراق، ایران، خراسان، سجستان، شام اور المغرب کے وسیع علاقے مملکت اسلامیہ میں شامل ہوئے اور بہت سے غیر عرب اسلام لا کر عربوں کے ساتھ حلف و ولاء میں داخل ہوئے یوں موالی کی ایک کثیر تعداد مملکت اسلامیہ کی رعایا بنی جن کو قرآنی تعلیمات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ حضرت عمرؓ نے بحیثیت خلیفہ اس کا خصوصی انتظام کیا۔ مفتوحہ علاقوں اور نئے آباد ہونے والے شہروں میں رسول اللہ ﷺ کے ان اصحابؓ کو بھیجا جو عالم قرآن تھے تاکہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات دیں، چنانچہ یزید بن ابوسفیان کی درخواست پر آپ نے معاذ ابن جبل، عبادہ بن صامت انصاری (۵۵) اور ابودرداء انصاری (۵۶) کو شام کے صوبوں حمص، دمشق اور فلسطین بھیجا ان تینوں اصحاب رسولؐ کی حیثیت قاضی اور معلم کی تھی۔ (۵۷) اور یہی شام کے دینی مدرسہ کے موسس و بانی تھے۔

عراق کی فتوحات کے بعد جب کوفہ اور بصرہ کے نئے شہر آباد کئے گئے تو اسی مقصد کے تحت حضرت عمرؓ نے وہاں حضرت عبداللہ ابن مسعود (۵۸) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری (۵۹) کو روانہ کیا، حضرت عمرؓ نے جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو کوفہ بھجوایا تو اہل کوفہ کو لکھا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے ابن مسعود کے سلسلے میں تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے لہٰذا تم لوگ ان سے علم حاصل کرو''۔ (۶۰) حضرت قرظہ بن کعب بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں قرآن کی تعلیم کے لئے عراق روانہ کیا گیا تھا۔ (۶۱) جن لوگوں کو اہل بصرہ کی تعلیم کے لئے بصرہ روانہ کیا گیا ان میں ایک حضرت عمران بن حصینؓ (۶۲) تھے جو صحابہؓ کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے تھے۔ (۶۳)

حضرت عمرؓ جب کسی کو کسی علاقہ کا گورنر یا عامل بنا کر بھیجتے تھے تو ان کے فرائض منصبی میں یہ شامل ہوتا کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ (۶۴) بحیثیت خلیفہ وہ خود بھی اس فرض سے غافل نہ رہتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات اہل العالیہ (یعنی بالائی مدینہ کے حارہ (محلہ) کے لوگوں) کو بلاتے اور انہیں خود اسلامی عقائد و عبادات کی تعلیم دیتے اس طرح کہ کوئی اہم مسئلہ رہ

Marfat.com

جاتا۔(۶۵)

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت نے مسلمانوں اور نومسلموں کی تعلیم کا جو بندوبست کیا وہ زیادہ تر تفسیر، حدیث، فقہ اور سیرۃ پر مشتمل تھا تاہم شاعری، انساب اور ایام العرب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ عقیل بن ابی طالب، جو کہ ماہر نسّاب تھے، مسجد نبوی میں انساب اور ایام العرب کا درس دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ جاہلیت کی عربی شاعری کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے تاکہ قرآن فہمی میں آسانی ہو۔ اس دور میں بھی مدرسے الگ نہیں تھے۔ تعلیم عموماً مسجدوں میں ہی دی جاتی تھی۔ حضرات عمرؓ اور عثمانؓ کے دور خلافت میں موذنوں، آئمہ مساجد اور معلمین کے باقاعدہ ماہانہ وظائف جاری کئے گئے۔ یہاں تک کہ قرآن سیکھنے والے بعض طلبہ کے لئے بھی وظائف مقرر کئے گئے تاکہ وہ ذوق وشوق سے قرآن کی طرف متوجہ ہوں۔(۶۶)

خلافت راشدہ کے بعد جب اموی خلافت کا دور آیا تب بھی علوم وفنون کی سرپرستی اور ترویج کا یہی عالم تھا، بلکہ خلافت راشدہ کی حد تک علوم کا محور قرآن تھا اور علماء کی زیادہ تر دلچسپی علوم القرآن تک رہی، جبکہ اموی عہد میں علوم کا دائرہ وسیع ہوا اور علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی اور تراجم کا کام بھی شروع ہوا۔ علم طب، کیمیا، تاریخ، صرف ونحو، شعر ولغت کی طرف بھی توجہ دی گئی۔

اس نکتے کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ پہلی صدی ہجری کے حالات علوم وفنون کی ترقی کے لئے کوئی بہت مثالی نہیں تھے۔ اسی صدی میں نوزائیدہ اسلامی ریاست کو ارتداد کی تحریکوں سے نبٹنا پڑا، فتوحات کا ایک طویل سلسلہ چلا اور مسلمان کم از کم تین مرتبہ بڑی خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوئے۔ ان حادثات وواقعات کے باوجود اس صدی میں علمی حرکت نظر آتی ہے۔ جس میں خلفاء راشدین وبنوامیہ کا بھی معتدبہ حصہ تھا۔

ولید بن عبدالملک کے دور میں فتوحات کی تیسری لہر آئی جس کی وجہ سے مملکت اسلامیہ وسعت کے اعتبار سے اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئی۔ لہٰذا مفتوحہ ممالک میں قرآنی علوم سے نومسلموں کو کماحقہ آگاہ کرنے کے لئے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بھی علماء اور فقہا کو مختلف علاقوں کی طرف

Marfat.com

روانہ کیا اور اب چونکہ موالی بھی کثرت سے علوم کی دنیا میں نظر آ رہے تھے لہٰذا مفتی، واعظ اور معلمین کے تقرر میں حضرت عمرؓ نے بھی عرب و موالی میں کبھی کوئی تخصیص نہیں کی۔ چنانچہ نافع مولیٰ (۶۷) عبداللہ ابن عمر جو کہ مدینہ کے فقیہہ تھے، ان کو مصر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو علم الحدیث کی تعلیم دیں، اس حیثیت سے نافع نے کافی عرصہ مصر میں قیام کیا۔

اسی طرح اہل بصرہ کے لئے انہوں نے حضرت حسن بصری کو (جو کہ مولیٰ تھے) کافی قرار دیا۔ لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے تمام ممالک اسلامیہ میں واعظ و مفتی مقرر کئے چنانچہ حلاج ابو کثیر اموی کو، جو ان کے باپ کے مولیٰ تھے، اسکندریہ کا واعظ مقرر کیا۔

پہلی صدی ہجری کے مسلمان خلفاء، خواہ ان کا تعلق خلافت راشدہ سے ہو یا خلافت امویہ سے، سب کے سب عرب تھے اور علوم و فنون کے دلدادہ تھے۔ پہلے اموی خلیفہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دن بھر خلافت کے کاموں میں مشغول رہنے کے بعد رات کو عبید بن شریہ سے قصص عرب سنتے تھے اور ان کی تقریباً تہائی رات عرب فرمانروا اور ان کے سیاسی و فوجی حالات سے متعلق واقعات سننے میں بسر ہو جاتی تھی۔ ان کے پسندیدہ موضوعات عربوں اور غیر عربوں کے قدیم تعلقات، ان کے بادشاہوں، ان کی سلطنتوں، جنگوں اور نظم مملکت کے حالات تھے (۶۸) اس سلسلے میں حضرت معاویہؓ نے عبید بن شریہ جرہمی کو صنعاء (یمن) سے بلوایا تھا اور انہی کی خواہش پر اس نے تاریخ پر اپنی کتاب ''کتاب الملوک واخبار الماضیین'' لکھی۔ اس کی ایک اور کتاب ''کتاب الامثال'' تھی۔ (۶۹) حضرت معاویہؓ ہی کی خواہش پر ایک عیسائی عالم ابن آثال نے طب کی کچھ کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ (۷۰)

خالد ابن یزید بن معاویہ ایک فاضل آدمی تھا اور علوم سے اہتمام اور تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس کے دل میں کیمیا کے خیال نے کروٹ لی تو ان یونانی فلاسفہ کے ایک گروہ کو بلا بھیجا جو مصر میں اقامت پذیر تھا اور عربوں میں فصیح اللسان مانا جاتا تھا، انہیں کیمیا کے موضوع پر مشتمل کتب کو یونانی اور قبطی زبان سے عربی کے قالب میں ڈھالنے پر مامور کیا (۷۱) اس نے ایک دار الترجمہ قائم کیا تھا جس میں ایک پادری اہرن نامی نگرانی پر مامور تھا۔ ابن الندیم ان تراجم کو عہد اسلامی

Marfat.com

کے اولین تراجم مانتا ہے۔اس اعتبار سے خالد وہ پہلا شخص ہے جس کے لئے طب، نجوم اور کیمیا کے موضوعات سے متعلق کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ وہ خود بھی مصنف تھا ابن الندیم نے الفہرست میں اس کی چار کتابوں کے نام دیئے ہیں یعنی

۱۔ کتاب الحرارات

۲۔ کتاب الصحیفته الکبیر

۳۔ کتاب الصحیفته الصغیر

۴۔ کتاب وصیته الیٰ ابنه فی الصنعة (۷۲)

مروان بن حکم کی خواہش پر ماسرجویہ یہودی نے اہرن کی قرابادین کو عربی میں منتقل کیا۔(۷۳)

عبدالملک بن مروان کے عہد میں عربی زبان کا رواج بڑھا مگر یہ علمی سے زیادہ انتظامی اقدام تھا اس نے بیشتر دیوان عربی زبان میں منتقل کئے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی خدمات علم حدیث کے سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔انہوں نے جب دیکھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ علماء کا گروہ روز بروز مٹتا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ علوم شرعیہ کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے تو انہوں نے مکہ، مدینہ سمیت دیگر صوبوں کے گورنروں کو یہ حکم بھیجا کہ احادیث نبویہ کی تلاش کر کے انہیں محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے۔حضرت عمرؒ ثانی نے سعد بن ابراہیم (۷۴) سے جو مدینہ کے قاضی اور بہت بڑے محدث تھے کثیر احادیث لکھوائیں اور یہ نوشتے تمام ممالک محروسہ میں بھیجے۔اسی طرح ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم انصاری کو بھی جو اس زمانے کے عظیم محدث امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے، خاص طور پر احادیث کو جمع کرنے کا حکم بھیجا یہ دونوں حضرات عرب تھے۔(۷۵)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فن مغازی کی طرف بھی خاص توجہ دی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے۔عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (م ۱۳۱ھ) کو جو اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے، حکم دیا گیا کہ جامع دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی کا درس دیں۔ یہ

Marfat.com

بھی عرب تھے۔

اسی زمانے میں امام زہری (۷۶) نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق سیرۃ ومغازی پر کتاب لکھی۔(۷۷)

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں حاملین علم زیادہ تر عرب تھے اموی عہد میں ہمیں موالی بھی علوم وفنون کی ترویج میں قابل ذکر حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔اس سلسلے میں مورخین کی مختلف آراء ہیں۔

(i) ابن خلدون کا خیال ہے کہ علم کی تعلیم دینا ایک صنعت ہے اور صنعتیں شہروں میں پروان چڑھتی ہیں۔(۷۸) لہٰذا علم سے موالی کا تعلق زیادہ گہرا ہوا کہ ان کا پس منظر شہری تھا جبکہ عرب جوان مفتوحہ علاقوں میں بسے اہل البادیہ تھے اور صنعتوں سے دور تھے۔ابن خلدون کہتا ہے:

''علم وفن سے عربوں کو کوئی علاقہ نہ تھا کیونکہ علوم وفنون ایسے ملکات کا نام ہے جو تعلیم کے محتاج ہوتے ہیں۔لہٰذا یہ بھی ''صنعت'' ہی کے حکم میں ہوتے ہیں اور عرب جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صنعت سے بہت دور تھے اسی وجہ سے علوم وفنون ہمیشہ شہری رہے ہیں اور عرب علوم وفنون کے بازاروں سے ہمیشہ دور رہے۔شہری اس زمانے میں عجمی ہی تھے یا آزاد شدہ غلام جو دراصل عجمی تھے۔یہی وجہ ہے کہ حاملین علم، اسلام میں بھی زیادہ تر عجمی ہی رہے یا وہ لوگ رہے جن کی تربیت عجم میں ہوئی تھی اور جن کی زبان خالص عربی نہیں رہی تھی اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کی حفاظت اور تدوین کے لئے سب سے پہلے عجمی ہی اٹھے''۔(۷۹)

یہ ایک جانبدارانہ اور یکطرفہ تجزیہ ہے کیونکہ سارے ہی عرب اہل البادیہ نہیں تھے۔جیسا کہ اسی باب کے ابتدائی صفحات میں بیان کیا گیا کہ عرب جو شہروں میں آباد تھے، ان کے علوم وفنون کی ترقیاں کسی طور بھی دیگر ہمعصر متمدن تہذیبوں سے کم نہیں تھیں البتہ وسطی عرب کے رہنے والوں کا اس ترقی میں کافی کم اور اہل البادیہ کا اس ترقی میں کوئی حصہ نہیں تھا۔اب سارے عربوں کو اہل البادیہ پر قیاس کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔عربوں میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔معاشرے میں ایسے افراد کی بڑی عزت ہوتی تھی اس کی

Marfat.com

دلیل یہ ہے کہ اہل مدینہ ان افراد کو ''کامل'' کے لقب سے پکارتے تھے جن کو تیرا کی، تیراندازی اور لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ پھر جب اسلام آیا اور اس نے علم کو فوق الکل اہمیت دی تب تو مسلمان خواہ حضری ہوں یا بدوی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ احمد امین المصری کا یہ کہنا درست ہے کہ ''ابن خلدون نے اپنے اس نظریہ (اوپر بیان کئے گئے نظریہ) میں کسی قدر غلو سے کام لیا ہے اور عربوں سے ان کا وہ حصہ بھی چھین لیا جو علمی مشارکت میں ان کو حاصل تھا''۔ (۸۰)

صرف ابن خلدون نے نہیں بلکہ کئی مورخین نے ایسا کیا ہے کہ عربوں سے ان کا جائز حق بھی چھین لیا ہے ہوسکتا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ اموی عہد کی تاریخ، عباسی عہد میں لکھی گئی جبکہ سیاست و معاشرت پر موالی چھائے ہوئے تھے اور عباسی حکومت زیادہ تر ایک عجمی یا خراسانی حکومت تھی اس ماحول میں عربوں یا امویوں کی جانبدارانہ تصویر کشی عین ممکن تھی چنانچہ اس قسم کے بعض واقعات جو عقد الفرید وغیرہ میں ملتے ہیں تعصب پر مبنی معلوم ہوتے ہیں مثلاً عقد الفرید میں ہے کہ

> ''ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ مجھ سے عیسیٰ بن موسیٰ نے پوچھا اور یہ بڑا دیندار اور متعصب تھا، کہ بصرہ کا فقیہہ کون ہے۔ میں نے کہا حسن ابن ابی الحسن، عیسیٰ نے پوچھا کہ پھر اس کے بعد کون ہے۔ میں نے کہا محمد ابن سیرین، پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ میں نے کہا دونوں موالی ہیں۔ پھر پوچھا کہ اچھا مکہ مکرمہ کا فقیہہ کون ہے۔ میں نے کہا عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید ابن جبیر اور سلیمان ابن یسار، کہنے لگا یہ سب کون ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ سب موالی ہیں۔ کہنے لگا کہ اچھا مدینہ منورہ کے فقہاء کون ہیں۔ میں نے کہا کہ زید بن اسلم، محمد بن المنکدر اور نافع بن ابی نجیح، کہنے لگا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ سب بھی موالی ہیں۔ میرے یہ کہنے پر عیسیٰ بن موسیٰ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر کہنے لگا اچھا اہل قباء میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے۔ میں نے کہا کہ ربیعۃ الرائے اور ابن

Marfat.com

ابی الزناد، کہنے لگا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دونوں بھی موالی ہیں تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر کہنے لگا کہ اچھا یمن کا فقیہہ کون ہے۔ میں نے کہا طاؤس، ابن طاؤس اور ابن منبہ کہنے لگا یہ تینوں کون ہیں۔ میں نے کہا یہ سب موالی ہیں تو عیسیٰ کی گردن کی رگیں پھول گئیں اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا اچھا خراسان کا فقیہہ کون ہے۔ میں نے کہا کہ عطاء بن عبداللہ خراسانی کہنے لگا یہ عطا کون بزرگ ہیں۔ میں نے کہا یہ بھی مولیٰ ہیں تو اس کے چہرے کی سرخی اور تیز بلکہ سیاہ ہو گئی حتیٰ کہ مجھے اس کے چہرے سے ڈر لگنے لگا۔ پھر کہنے لگا اچھا شام کا فقیہہ کون ہے۔ میں نے کہا مکحول، بولا کہ یہ مکحول کون ہے۔ میں نے کہا یہ بھی ایک غلام ہے اس کے بعد تو اس کا سانس چڑھ گیا اور اوپر ہی آنے لگا اس کے بعد بولا کہ اچھا کوفہ کا فقیہہ کون ہے۔ بخدا اب اگر مجھے اپنی جان کا خطرہ نہ ہوتا تو میں حکم بن عتبہ اور حماد ابن ابی سلیمان کا نام لیتا لیکن میں نے دیکھا کہ اب وہ بدی پر آمادہ تھا۔ تو میں نے کہا کہ ابراہیم نخعی اور شعبی، کہنے لگا یہ دونوں کون ہیں۔ میں نے کہا کہ دونوں عرب تھے تو عیسیٰ ابن موسیٰ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ (۸۱)

یہ روایت جتنی مشہور ہے اتنی ہی غلط بھی ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ، پہلے عباسی خلفیہ السفاح (۱۳۲ھ تا ۱۳۷ھ) کا بھتیجا اور ابو جعفر المنصور کے بعد ولی عہد سلطنت تھا۔ منصور کی (۱۳۷ھ تا ۱۵۸ھ) کی طرف سے وہ کوفہ کا والی تھا (۱۳۷ھ تا ۱۴۷ھ)، آخری سال میں اسے ولی عہدی اور کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا گیا، ظاہر ہے کہ العقد الفرید کی مندرجہ بالا روایت کا تعلق ۱۳۷ھ تا ۱۴۷ھ سے ہو گا، اب جن فقہا کے نام گنوائے گئے ہیں کہ اس زمانہ میں اپنے اپنے شہروں کے امام فقہ تھے، ان کے سنین وفات یہ تھے:

۱۔ حضرت حسن بصری، متوفی ۱۱۰ھ

Marfat.com

۲۔ حضرت محمد ابن سیرین، متوفی ۱۱۰ھ

۳۔ حضرت عطاء بن ابی رباح، متوفی ۱۱۴ھ

۴۔ حضرت مجاہد، متوفی ۱۰۲ھ

۵۔ حضرت سعید بن جبیر، متوفی ۹۴ھ

۶۔ حضرت سلیمان ابن یسار، متوفی ۱۰۷ھ

۷۔ حضرت زید بن اسلم، متوفی ۱۳۶ھ

۸۔ حضرت محمد بن منکدر، متوفی ۱۳۰ھ

۹۔ حضرت نافع، متوفی ۱۱۷ھ

۱۰۔ حضرت ربیعۃ الرائے، متوفی ۱۳۶ھ

۱۱۔ حضرت طاؤس، متوفی ۱۰۶ھ

۱۲۔ حضرت ابن منبہ، متوفی ۱۱۰ھ

۱۳۔ حضرت عطاء خراسانی، متوفی ۱۳۵ھ

۱۴۔ حضرت مکحول دمشقی، متوفی ۱۱۲ھ

۱۵۔ حضرت حماد بن ابی سلمان، متوفی ۱۲۰ھ

۱۶۔ حضرت ابراہیم نخعی، متوفی ۹۵ھ

۱۷۔ حضرت عامر شعبی، متوفی ۱۰۴ھ

اس تفصیل سے ''العقد الفرید'' کی اس روایت کی بے اصلی ثابت ہوتی ہے۔

اسی کے قریب قریب وہ بیان ہے جو یاقوت کی معجم میں مادہ ''خراسان'' میں بیان ہوا ہے کہ عبدالرحمن ابن زید ابن اسلم کہتے ہیں کہ جب ''عبادلہ اربعہ'' یعنی عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمرو بن العاص کا انتقال ہوگیا تو فقہ تمام شہروں میں موالی کے قبضہ میں آگئی۔ چنانچہ اہل مکہ کے فقیہہ عطاء بن رباح تھے، اہل یمن کے فقیہہ طاؤس تھے اور اہل یمامہ کے فقیہہ یحیٰی ابن کثیر تھے اور اہل بصرہ کے فقیہہ حسن بصری تھے اور اہل کوفہ کے فقیہہ نخعی

Marfat.com

تھے اور اہل شام کے فقیہہ مکحول تھے اور اہل خراسان کے فقیہہ عطاء خراسانی تھے سوائے مدینہ منورہ کے کہ خدا نے اس کو ایک قریشی فقیہہ کے ساتھ ممتاز فرمایا تھا۔ چنانچہ اہل مدینہ کے فقیہہ جن کے مقابلہ پر کوئی بھی نہیں آ سکتا تھا سعید ابن المسیب تھے۔ (۸۲) اس روایت میں نخعی کو مولیٰ کہا گیا ہے حالانکہ ابراہیم نخعی عرب تھے۔

یہ واقعات خلافت بنو عباس کے ابتدائی دور کے ہیں، گو کہ یہ دور ہمارے موضوع کی حد میں نہیں آتا، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس قسم کے واقعات مبنی بر تعصب ہوتے ہیں۔ بتانے والے نے ہر شہر میں سے اپنی پسند کے نام گنوا دیئے جبکہ انہی موالی علماء کے ہم عصر عرب علماء وفقہا بھی ان شہروں میں موجود تھے جن کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اس قسم کے متعصبانہ بیانات سے کسی دور کی علمی یا سماجی تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں حاملین علم زیادہ تر عرب تھے موالی کی شرکت بہت کم نظر آتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عہد زیر نظر کا علم، جو علم القرآن تھا، عربی زبان میں تھا جو موالی کے لئے ایک اجنبی زبان تھی، یہ درست ہے کہ انہوں نے اس زبان کو سیکھا اور اختیار کیا مگر ظاہر ہے کہ اس میں کافی وقت لگ گیا۔ یہ دور اسلام میں موالی کی پہلی نسل کا دور تھا۔ موالی کی دوسری نسل سے انہیں علمی تفوق حاصل ہوا، جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

چنانچہ عہد رسالت میں جو جامعین قرآن تھے مثلاً حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوالدرداء وغیرہ یہ سب عرب تھے سوائے سالم کے جو کہ اصطخر کے باشندے تھے اور ایرانی تھے۔ اگر سلمان فارسی کو بھی اس میں شامل کر لیں تو موالی کی تعداد دو ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

ان کے علاوہ حضرت عقبہ بن عامر، ام المومنین ام سلمہ، ام المومنین حفصہ بنت عمر، ام المومنین عائشہ بنت ابوبکر، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت مجمع بن جاریہ، حضرت قیس بن ابی صعصعہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت قیس بن السکن اور حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث وغیرہ نے عہد رسالت میں جمع قرآن مجید یا کتابت قرآن کی سعادت حاصل کی، یہ سب عرب تھے۔

بئر معونہ کے واقعہ میں جو چالیس یا ستر صحابہؓ شہید ہوئے وہ سب اس وقت تک کے نازل شدہ قرآن کے بڑے حصے کے حفاظ تھے اور وہ سب عرب تھے۔ سوائے عامر بن فہیرہ کے جو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مولیٰ تھے۔ یا حکم بن کیسان کے جو بنومخزوم کے مولیٰ تھے۔

خلافت راشدہ کے زمانے میں جتنے معلمین مفتوحہ اور نو آباد شہروں میں بھیجے گئے وہ سب عرب تھے۔ جن کی تفصیل اسی باب میں گزر چکی ہے۔

اسی طرح پہلی صدی ہجری میں مختلف موضوعات پر جو علم مدون ہو کر سامنے آیا وہ بیشتر عربوں کا تھا۔ مثلاً علم الانساب کے سلسلے میں پہلی مدون کتاب ایک عرب ہی نے لکھی۔ یہ زیاد ابن ابیہ تھا۔ ابن الندیم کے مطابق زیاد نے "کتاب المثالب" (مثالب کے معنی معائب ونقائص کے ہیں) عربوں کی ہجو میں لکھی تھی اس کتاب میں زیاد نے عربوں کے انساب پر طعن کیا تھا کیونکہ عرب کے لوگ اس کے نسب پر طعن کرتے تھے۔ (۸۳)

سیرۃ ومغازی کے سلسلے میں جو علم مدون ہو کر پہلی صدی ہجری میں سامنے آیا وہ زیادہ تر عربوں کا تھا۔ ایک وہب بن منبہ (۸۴) کو چھوڑ کر جنہوں نے مغازی پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، سیرۃ ومغازی پر بیشتر کتب اس صدی میں، عربوں نے لکھیں مثلاً ان میں ایک عروہ بن زبیر ہیں (۲۳ھ تا ۹۴ھ) جو مدینہ منورہ کے فقہا اور محدثین میں کافی شہرت رکھتے تھے انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہؐ کی سیرت پر ایک کتاب تصنیف کی تھی نیز فقہ پر بھی ان کی تحریریں تھیں جو ضائع ہو گئیں۔ (۸۵) انہی کے ہمعصر حضرت عثمانؓ ابن عفان کے بیٹے ابان (۲۲ھ تا ۱۰۵ھ) تھے، انہوں نے بھی ایک کتاب سیرۃ الرسولؐ پر لکھی تھی، جسے ان کے ایک شاگرد عبدالرحمٰن ابن مغیرہ

Marfat.com

(متوفی پیشتر از ۱۲۵ھ) نے قلم بند کیا تھا۔

اسی طرح جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ابن شہاب زہری (۵۱ھ تا ۱۲۴ھ) نے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے کہنے پر ایک کتاب مغازی پر جمع کی تھی، تاہم اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تصانیف تھیں، اسی طرح موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) نے بھی مغازی پر ایک کتاب لکھی تھی اور یہ سب حضرات عرب تھے

خصوصاً مدینہ میں علم عربوں کے پاس رہا۔ موالی کی شرکت کم نظر آتی ہے۔ طبقہ صحابہؓ ہو یا تابعین یا تبع تابعین، بیشتر بڑے بڑے علماء عرب تھے۔ مدینہ کے مدرسے کے اہم ترین اساتذہ مثلاً حضرات عمرؓ علیؓ، زید بن ثابتؓ، عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ وغیرہ تھے۔ ان اصحاب کے بکثرت شاگرد ہوئے جن میں صغار صحابہؓ اور تابعین سبھی شامل تھے۔ ان صحابہؓ کرام کے فیضان صحبت سے بہت سے علمائے تابعین فیض یاب ہوئے جن میں مشہور ترین سعید ابن میسب (۸۶) عروہ بن زبیر، ابن شہاب زہری تھے اور یہ سب عرب تھے۔

ایک اور واقعہ سے بھی مدینہ پر عرب فقہا کی بالادستی کا پتہ چلتا ہے یہ کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے والی ہو کر آئے تو دس فقہائے مدینہ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی ان میں یہ لوگ شامل تھے۔ عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث، ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ، سلیمان ابن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عبداللہ ابن عمر، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن زید بن ثابت، اس میں سلیمان (۸۷) ابن یسار کے علاوہ، کہ مولیٰ تھے۔ سب عرب تھے، البتہ قاسم بن محمد بن ابی بکر اور سالم بن عبداللہ کی مائیں ام ولد تھیں۔

المختصر اس ضمن میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ اسلام کے دور اول یا دور صحابہؓ میں علم کے جامع زیادہ تر عرب تھے۔ صحابہؓ کے بعد جب تابعین کا دور آیا تو ہمیں حاملین علم میں عربوں کے شانہ بشانہ موالی بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم زید بن ثابت (۸۸) کے شاگردوں کی تفصیل میں جائیں تو ایک طرف عبداللہ ابن عباس (۸۹)، ابوعبدالرحمٰن السلمی (۹۰)، خارجہ ابن زید (۹۱)، انس بن مالک (۹۲)، مروان بن حکم (۹۳)، عبداللہ ابن عمر (۹۴) اور عروہ بن زبیر نظر آتے ہیں

Marfat.com

جو سب عرب تھے تو دوسری طرف طاؤس ابن کیسان (۹۵) اور عطاء ابن یسار (۹۶) کے نام بھی نظر آتے ہیں جو کہ موالی تھے۔

پھر عبداللہ ابن عباس کے شاگردوں کی فہرست پر اگر ایک نظر ڈالیں تو ایک طرف عروہ بن زبیر، ابوالشعثاء (۹۷)، ابورجاء عطاردی (۹۸)، قاسم بن محمد بن ابی بکر، امام شعبی (۹۹)، علی بن حسین اور ابن ابی ملیکہ (۱۰۰) جیسے فقہا کے نام نظر آتے ہیں اور یہ سب کے سب عرب تھے، تو وہیں دوسری طرف عکرمہ (۱۰۱) مجاہد ابن جبیر (۱۰۲) طاؤس ابن کیسان، عطاء بن ابی رباح (۱۰۳)، سعید ابن جبیر (۱۰۴)، ابوالعالیہ (۱۰۵)، عطاء بن یسار (۱۰۶)، محمد ابن سیر بن (۱۰۷) ادر حسن بصری (۱۰۸) کے نام نظر آتے ہیں اور یہ سب کے سب آزاد کردہ غلام (موالی) تھے۔

مملکت کے دیگر اہم شہروں کا بھی یہی حال تھا۔علوم دینیہ کے علاوہ دیگر علوم میں بھی عربوں کا قابل ذکر حصہ زیر نظر صدی میں نظر آتا ہے۔ جسے ابن خلدون سمیت کئی مورخین نے نظرانداز کر دیا ہے۔ مثلاً علم نحو کے بانی ابوالاسود دوئلی (۱۰۹) بھی ایک عرب تھے۔ جنہوں نے علم نحو سے متعلق ایک رسالہ لکھا تھا۔ یہ بصری تھے، تابعی تھے اور پہلے شخص تھے جنہوں نے علم نحو کی بنیاد ڈالی اور ان کے بعد ان کے بیٹے نے اس علم کو آگے بڑھایا۔ اس بات کو صریحاً نظرانداز کرتے ہوئے ابن خلدون کہتے ہیں۔

''علم نحو کا بانی سیبویہ تھا۔ اس کے بعد الزجاج (م ۳۱۱ھ) کا مقام تھا ان دونوں کے بعد علم نحو میں سب سے بلند مرتبہ الفارسی کا تھا۔ یہ تینوں نحوی نسلی اعتبار سے عجمی تھے''۔ (۱۱۰)

جب اسلام بلاد عربیہ سے نکل کر دیار عجم میں پھیلا تو جہاں عجمیوں کو قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی فہم وادراک میں دقت پیش آئی وہاں عربی زبان بھی عرب وعجم کے اختلاط سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا ''کون ہے جو مجھے قرآن پڑھائے''۔ ایک شخص نے اسے سورۃ التوبہ پڑھائی اور اس کی تیسری آیت کے اس جملے

''ان اللہ بریء من المشرکین و رسولہ''

(اللہ مشرکین سے بیزار ہے اور اس کا رسولؐ بھی)

Marfat.com

میں لفظ رسولُہ کو لام پر پیش پڑھنے کے بجائے زیر دے کر رسولِہ پڑھ ڈالا، جس کے معنی یہ ہو گئے کہ اللہ بیزار ہے مشرکین سے اور اپنے رسول سے یہ سن کر اعرابی نے کہا "کیا اللہ اپنے رسول سے بیزار ہو گیا۔ اگر اللہ اپنے رسولؐ سے بیزار ہو گیا تو میں بھی اس سے بیزار ہو گیا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعے کا پتہ چلا تو آپ نے اعرابی کو بلا کر ماجرا پوچھا اس نے واقعہ بیان کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ عام حکم دے دیا کہ بجز عالم لغت کے کوئی اور قرآن مجید نہ پڑھایا کرے، ساتھ ہی انہوں نے ابوالاسود الدوئلی کو علم العربیہ کے کچھ قواعد وضوابط بنانے کا حکم دیا۔ ابوسعید حسن بن عبداللہ السیرافی نے اخبار النحویین میں ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کا یہ قول ذکر کیا ہے "لوگ ابوالاسود کے پاس عربیت سیکھنے آیا کرتے تھے سب سے پہلے جس نے عربی قواعد وضع کئے وہ ابوالاسود الدوئلی ہیں۔"

تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موالی نے جلد ہی فاتحین کی زبان سیکھ کر اسلامی علوم حاصل کر لئے اور دوسری صدی ہجری میں زیادہ تر علوم انہی موالی کے پاس تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زیادہ تر بدعتی فرقے بھی موالی ہی سے پھوٹے۔

علوم وفنون کی طرف موالی کے اس رجحان کے چند اسباب تھے۔

(i) پہلا سبب تو یہ تھا کہ ان موالی کا، خواہ وہ ایرانی موالی ہوں یا شامی اور مصری موالی ان کا اپنا ایک قابل ذکر علمی پس منظر تھا۔ ان کے پاس اپنے علوم اور ان علوم پر مبنی کچھ نہ کچھ مدون کتابیں موجود تھیں۔ اسلامی حکومت کا صوبہ بننے سے قبل ان کے شہر عصری علوم وفنون کے اہم مراکز تھے مثلاً اسکندریہ (۱۱۱)، انطاکیہ (۱۱۲) اور نصیبین (۱۱۳) کے شہر تیسری صدی عیسوی کے اہم علمی مراکز تھے۔ عراق بھی قدیم تہذیبوں کا مرکز رہا تھا۔ اس متمدن ملک کے پاس قابل ذکر علمی خزائن موجود تھے چنانچہ یہ بالکل فطری بات تھی کہ فتوحات کے ہنگاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے پچھلے علمی مشاغل کو دوبارہ زندہ کرتے۔ سریانی جو یونانی علوم کے ماہر تھے۔ پہلے ہی سے سرزمین عراق میں پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے مدارس بھی تھے جہاں یونانی علوم کی درس و تدریس ہوتی تھی۔ پھر عراق ایک زرخیز ملک تھا جہاں خوشحالی اور فارغ البالی تھی چنانچہ وہاں کے

Marfat.com

باشندے علمی مشاغل کی طرف توجہ دے سکتے تھے۔

جہاں تک ایران کا تعلق ہے اس کا تفصیلی حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اسی طرح اہل ہند کے یہاں مدون مضامین اور مجلد کتابیں موجود تھیں، جنہیں کسی ایک عالم کا کارنامہ نہ بھی کہا جا سکے مگر پھر بھی وہ ان میں وراثتاً چلی آئی تھیں۔ یہی حال یونان روم کا تھا، جو فلسفہ، منطق اور دیگر علوم طبیعہ کے حامل تھے۔

تیسری صدی عیسوی سے قبل تک یونانی ہی علمی زبان مانی جاتی تھی، رفتہ رفتہ ''سریانی'' زبان نے یونانی کی جگہ علمی زبان کی حیثیت اختیار کر لی، مصر کا شہر اسکندریہ یونانی علوم کا بہت بڑا مرکز رہ چکا تھا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عجمیوں کا اپنا ایک علمی پس منظر تھا۔ اہم سیاسی تبدیلیوں اور عسکری اقدامات کی وجہ سے ان کی علمی سرگرمیوں میں تعطل ضرور آیا مگر جب وہ ایک نئی مملکت کے شہری بنے اور ایک نیا دین اختیار کیا، وہ دین جو علم وفن کا سرپرست تھا، تو حالات کے پرسکون ہوتے ہی وہ علوم وفنون کی سرگرمیوں میں دوبارہ مصروف ہو گئے۔ چونکہ اب ان کی علمی ترجیحات بدل گئی تھیں، پہلے اگر ان کے لئے فلسفہ اور طب اہم تھے تو اب قرآن اور حدیث اہم ہو گئے، یہ نئے علوم ایک اجنبی زبان (عربی) میں تھے جو ان کے فاتحوں کی زبان تھی اور یہاں ان کے استاد، ان کے ہم وطن نہیں بلکہ عرب تھے، تاہم ان عجمیوں میں سے جنہوں نے اسلام کو بطیب خاطر قبول کیا تھا، ان تمام تبدیلیوں کو بھی قبول کر لیا اور عربوں کے ساتھ ساتھ حصول علم میں مصروف ہو گئے۔ اصل میں جب کوفہ اور بصرہ کے نئے شہر آباد کئے گئے تو بدوی عربوں کی بڑی تعداد نے جنگی خدمات انجام دینے کے لئے ان شہروں کی طرف رخ کیا۔ ان بدوی عربوں کو علوم سے کوئی قابل ذکر علاقہ نہیں تھا لہٰذا ان شہروں میں آباد ہونے کے بعد بھی وہ اپنے انداز کی سابقہ بدویانہ زندگی گزارتے رہے جبکہ مقامی موالی، جن کا ایک علمی پس منظر تھا اسلامی علوم کی تحصیل کی طرف متوجہ ہو گئے، اکثر عرب جوان شہروں میں آبسے تھے غیر مہذب تھے، یہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتہ تھے اور نہ ہی اسلام ان کی قلب ماہیت کر سکا تھا، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے موالی کو حقارت سے دیکھا اور اپنے سے کمتر سمجھا۔

Marfat.com

(ii) دوسرا سبب مثالی سازگار ماحول اور حالات تھے۔ ظاہر ہے اگر علمی پس منظر ہوتا مگر حالات و ماحول سازگار نہ ہوتے تب بھی مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکتے۔ ان موالی نے جو نیا مذہب قبول کیا اس میں علم کو قابل ذکر اہمیت حاصل تھی۔ عالم کی عزت و توقیر بعض حالات میں عابد اور شہید سے بھی زیادہ تھی۔ پھر وہ غیر عرب جو جنگوں میں گرفتار ہوئے اور عربوں میں تقسیم ہوئے، ان عرب آقاؤں نے انہیں حصول علم میں مدد دی بلکہ بعض اوقات سختی بھی کی جیسا کہ ہم عکرمہ کے حالات میں دیکھتے ہیں۔ یہ خود بربر تھے، عبداللہ ابن عباس کے مولیٰ تھے اور حصول علم سے جی چراتے تھے، اکثر حلقہ درس سے غائب رہتے اس لئے عبداللہ ابن عباس، قرآن و حدیث کی تعلیم دینے کے لئے ان کے پیروں میں زنجیر ڈال دیتے تھے۔ (۱۱۴) لہٰذا یہی عکرمہ تھے کہ جب علم حاصل کر لیا تو ''حبر امت'' کہلائے اور ایک خلقت نے ان سے اکتساب علم کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے اپنے غلاموں کی تعلیم و تربیت پر اپنی اولاد کی طرح توجہ دی، اس خصوصی توجہ نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں موالی کو مرتبہ علمیت پر فائز کیا۔ اس کی ایک روشن مثال نافع مولیٰ عبداللہ ابن عمر کی ہے۔ انہوں نے اپنے آقا کے علاوہ دیگر اصحاب رسول سے قرآن و حدیث کا بیشتر علم حاصل کر لیا تھا۔ چنانچہ محدثین، شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر کی سند کو ''سلسلۃ الذہب'' (سونے کی لڑی) شمار کرتے تھے۔

امام نافع مولیٰ عبداللہ ابن عمر کو عبداللہ ابن جعفر، ان کی علمیت کی وجہ سے حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے ابن عمر کو ایک بھاری رقم دینے پر آمادہ تھے۔ (تیس ہزار درہم) لیکن ابن عمر نے ''علم'' کی خرید و فروخت کو نامناسب سمجھتے ہوئے حضرت نافع کو آزاد کر دیا۔ (۱۱۵)

عموماً جب غلام اپنے آقا سے اکتساب علم کر لیتا تو اس کو شرف و عزت دینے کے لئے آزاد کر دیا جاتا۔ انہی عکرمہ کو عبداللہ ابن عباس کے انتقال پر ان کے بیٹے علی نے خالد ابن یزید ابن معاویہ کے ہاتھ چار ہزار دینار میں فروخت کرنے کا عہد کر لیا، اس پر عکرمہ علی کے پاس آئے اور کہا ''آپ نے بڑا اچھا کام کیا کہ اپنے والد کے علم کو محض چار ہزار دینار کے عوض بیچ ڈالا'' سن کر علی نے خالد سے اس بیع کو توڑ کر عکرمہ کو آزاد کر دیا۔ (۱۱۶)

Marfat.com

آزادی کے بعد ان کے شرف و وقار میں مزید اضافہ کرنے کے لئے بعض صحابہؓ و تابعین ان کی رکاب تھام کر چلتے اور انہیں اپنی مسند خاص پر جگہ دیتے۔ ابوالعالیہ مولیٰ بنو تمیم کا بیان ہے کہ عبداللہ ابن عباس مجھے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے تھے جبکہ معززین قریش نیچے بیٹھے ہوتے تھے۔ پھر فرماتے ''علم شرفاء کی شرافت کو اس طرح بڑھاتا اور ایک غلام کو تخت پر اس طرح بٹھاتا ہے''۔ (۱۱۷)

اسی طرح مجاہد ابن جبیر مولیٰ بنو مخزوم کہتے ہیں کہ میں سوار ہوتا تو اکثر حضرت عبداللہ ابن عمر میری رکاب تھامتے۔ (۱۱۸)

بعض مورخین، جن میں حسن ابراہیم حسن بھی شامل ہیں، کا خیال یہ ہے کہ موالی علم کی تحصیل کی طرف اس لئے زیادہ منہمک ہوگئے کیونکہ بنوامیہ کی عربی حکومت میں انہیں کوئی سیاسی مقام نہیں دیا گیا۔

دراصل سیاسی و عسکری معاملات میں حد درجہ اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے، جس زمانے میں ایران، عراق اور شام و مصر کی فتوحات جاری تھیں، اعتماد کی فضا قائم نہیں ہوئی تھی، رفتہ رفتہ اموی عہد میں جب اعتماد بحال ہونے لگا تو سیاسی عہدوں پر موالی بھی نظر آنے لگے، Case Study کے طور پر اموی عہد میں حجابت اور کتابت کے عہدوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

حجابت:۔

حجابت کا عہدہ انتہائی ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ کے دور میں متعارف ہوا اور اس عہدے پر ہمیشہ موالی ہی فائز کئے جاتے تھے۔ بعض حالات میں ان حاجبوں نے انتہائی موثر اور اہم سیاسی کردار بھی ادا کیا۔ امیر معاویہؓ کے حاجب ان کے مولیٰ صفوان تھے۔ ابن خلدون کے مطابق سعد مولیٰ معاویہ تھے۔ (۱۱۹) یزید بن معاویہ کے حاجب خالد تھے جو انہی کے مولیٰ تھے۔ معاویہ بن یزید کے حاجب کا نام صفوان تھا جو معاویہ ثانی کا مولیٰ تھا۔ مروان بن حکم کا حاجب ابوسہیل اسود تھا جو مروان کا مولیٰ تھا۔ (بعض کے بقول مروان کا حاجب ابومنہال تھا جو مروان کا مولیٰ تھا۔) خلیفہ عبدالملک بن مروان کا حاجب یوسف تھا جو عبدالملک کا مولیٰ تھا۔ (ابوالزعیزعہ نے بھی حجابت کا کام کیا۔) ولید بن عبدالملک کا حاجب یزید تھا جو ولید کا مولیٰ تھا۔ سلیمان بن عبدالملک کا حاجب ابوعبیدہ سلمان کا مولیٰ تھا۔ بعض کے کہنے کے مطابق مسلم

Marfat.com

حاجب تھا، تاہم وہ بھی سلیمان کا مولیٰ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کے حاجب مزاحم تھے جوان کے آزاد کردہ غلام تھے اوران کے مشیر خاص بھی تھے۔ یزید بن عبدالملک کا حاجب سعید تھا جو ولید کا مولیٰ تھا۔ ہشام بن عبدالملک کا حاجب غالب تھا جو ہشام کا مولیٰ تھا۔ مروان ثانی کا حاجب صقلاب، مروان ثانی کا مولیٰ تھا۔

اموی عہد میں حجابت کوئی معمولی عہدہ نہیں تھا، حاجب محض گیٹ کیپر نہیں ہوتا تھا بلکہ سیاسی سوجھ بوجھ، حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والا، خلیفہ وقت کا خاص آدمی ہوتا تھا۔ جو ملنے جلنے والوں پر نہ صرف نظر رکھتا تھا بلکہ بعض حالات میں خلیفہ تک رسائی اسی کی صوابدید پر منحصر ہوتی تھی

عہدہ حجابت

	اموی خلفاء	حاجب	رشتہ ولاء
۱۔	معاویہ بن ابوسفیان	صفوان/سعد	مولیٰ معاویہ
۲۔	یزید بن معاویہ	خالد	مولیٰ یزید
۳۔	معاویہ بن یزید	صفوان	مولیٰ معاویہ ثانی
۴۔	مروان بن حکم	ابوسہیل اسود/ ابومنہال	مولیٰ مروان
۵۔	عبدالملک بن مروان	یوسف	مولیٰ عبدالملک
۶۔	ولید بن عبدالملک	یزید	مولیٰ ولید
۷۔	سلیمان بن عبدالملک	ابوعبیدہ	مولیٰ سلمان
۸۔	عمر بن عبدالعزیز	مزاحم	مولیٰ عمر بن عبدالعزیز
۹۔	یزید بن عبدالملک	سعید	مولیٰ ولید
۱۰۔	ہشام بن عبدالملک	غالب	مولیٰ ہشام
۱۱۔	مروان ثانی	صقلاب	مولیٰ مروان ثانی

Marfat.com

کتابت :۔

کتابت اموی عہد میں دوسرا بڑا انتظامی عہدہ تھا۔ کاتب کو اسٹیٹ سیکرٹری (State Secretory) کہا جاسکتا ہے اور اسی اعتبار سے اس کی اہمیت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اموی خلفاء کے بعض کاتب موالی تھے۔ مثلاً امیر معاویہؓ کے پانچ کتاب میں سے تین موالی تھے جن میں سرجون بن منصور رومی، عبدالرحمٰن ابن دراج اور سلیمان بن سعید شامل تھے۔ اول الذکر دیوان الخراج کے کاتب تھے اور وہ اس منصب پر مروان بن حکم کے دور تک فائز رہے۔ (۱۲۰)

یزید بن معاویہ کے تین کتاب میں سے ایک مولیٰ تھے جو کہ سرجون بن منصور تھے۔ مروان بن حکم کے چار کاتبوں میں سے دو موالی تھے ایک تو ابن سرجون نصرانی اور دوسرے ابو الزعیزعہ، آخر الذکر جو کہ مولیٰ مروان بن حکم تھے، عبدالملک کے دور میں بھی دفتر مراسلات کی کتابت کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ اس کے علاوہ عبدالملک کے دو اور کاتب بھی موالی تھے جن میں عمرو بن الحارث مولیٰ بنی عامر بن لوئی تھے۔ جب عمرو کا انتقال ہوا تو ان کے مولیٰ جناح نے ان کی جگہ لی۔ (۱۲۱) اور اپنی ذمہ داری ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں بھی نبھاتے رہے۔ ولید کے کتاب میں دیوان الخاتم کے کاتب شعیب الصابی بھی ولید کے مولیٰ تھے۔ نفیع بن ذوئب ولید کے کاتب مستغلات تھے۔ یہ بھی ولید کے مولیٰ تھے۔ (۱۲۲)

سلیمان بن عبدالملک کے چار کاتبوں میں سے دو موالی تھے۔ یہ ابن بطریق نصرانی اور نعیم بن سلامہ تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کے چار میں سے دو کتاب موالی تھے۔ ایک لیث بن ابی رقیہ مولیٰ ام الحکم بنت ابی سفیان اور دوسرے اسماعیل بن ابی حکیم مولیٰ زبیر بن العوام تھے۔ (۱۲۳)

ہشام بن عبدالملک کا ایک کاتب سالم تھا جو سعید بن عبدالملک کا مولیٰ تھا۔

اموی عہد میں بعض گورنروں کے کاتب بھی مولیٰ ہوتے تھے مثلاً حجاج بن یوسف کا کاتب عبید بن موہب تھا۔ جو حجاج کا مولیٰ تھا۔ زیاد ابن ابیہ، والی عراق کے کاتب الرسائل عبداللہ بن ابی بکرہ مولیٰ رسول اللہؐ تھے جو زیاد کے ماں جائے بھائی بھی تھے نیز زیاد کے ایک اور کاتب ان کے مولیٰ مرداس بھی تھے۔ (۱۲۴) اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مختلف شعبوں کے مختلف کتاب ہوا کرتے تھے مثلاً دفتر مال وخزانہ کے کاتب، محکمہ فرامین شاہی کے کاتب اور محکمہ مراسلات کے کاتب وغیرہ۔

دراصل اموی دور میں جبکہ سلطنت کے امور چلانے کے لئے کچھ نئے محکمے کھولنے

Marfat.com

پڑے جہاں لکھت پڑھت کی ضرورت تھی وہاں زیادہ تر غیر عرب ہی ملازم رکھے جاتے تھے۔ یہ مسلمان بھی ہوتے تھے اور غیر مسلم بھی کیونکہ حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر عبدالملک بن مروان کے دور تک دیوان مقامی زبانوں ہی میں تھے۔ عراق کا دیوان فارسی زبان میں، مصر کا قبطی زبان میں اور شام کا رومی زبان میں تھا، اور ان دیوانوں کے کتاب تقریباً سب کے سب ذمی یا موالی ہی تھے، تا آنکہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں بیشتر دیوان عربی زبان میں منتقل کر دیئے گئے۔ دواوین کے تراجم کا یہ کام ہشام بن عبدالملک کے دور تک چلتا رہا۔

اموی خلفاء کے بعض انتہائی بااعتماد مشیر، موالی ہوا کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ یزید بن معاویہ اور مروان بن حکم سرجون بن منصور سے اکثر مشاورت کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رجاء بن حیوۃ اور مزاحم پر غیر معمولی اعتماد کرتے تھے اور ہر اہم معاملہ میں خصوصاً اول الذکر سے مشورہ ضرور کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات جو عمر بن عبدالعزیز کے کاتب بھی تھے، موالی تھے۔ عمر بن عبدالعزیز براہ راست بعض اوقات حضرت حسن بصری سے بھی مشورے طلب کرتے تھے۔

بعض قابل موالی انتہائی اہم عسکری عہدوں تک بھی پہنچے، ولید بن عبدالملک کے زمانے میں اندلس کی فتوحات کا قائد طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر کا مولیٰ تھا اور موسیٰ بن نصیر نے اسے طنجہ پر عامل مقرر کیا تھا۔ (۱۲۵) خود موسیٰ بھی مولیٰ تھا تاہم عرب تھا۔ طارق کی تقریباً پوری فوج جس نے اندلس کو فتح کیا، بربر موالی پر مشتمل تھی۔ خلفاء نے اپنی ایک خاص اعتماد کی فوج بھی بنائی تھی۔ یہ طریقہ بھی ابن خلدون کے مطابق امیر معاویہؓ نے شروع کیا تھا۔ اس دستہ جانثاران پر خلفاء عموماً اپنے موالی ہی سردار مقرر کرتے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی فوج جانثاران کے دستہ پر ان کا آزاد کردہ غلام مختار یا بعض روایت کے مطابق ابوالمحاری مالک (حمیر کا آزاد کردہ غلام) تھا۔ (۱۲۶)

امیران عساکر کی فہرست میں موالی اس لئے کم نظر آتے ہیں کہ ان کا عسکری ماضی اتنا شاندار نہیں تھا، ان کے مقابلے میں عرب زیادہ جنگجو، بہادر اور جری تھے لہٰذا وہ زیادہ بہتر امیر لشکر ثابت ہو سکتے تھے۔ ایران و روما کے فوجی زوال پذیر سلطنتوں کے فوجی تھے جبکہ عربوں کو ایک نئے دین کی طاقت نے مزید قوت بخش دی تھی، وہ ایک ایسی ابھرتی ہوئی قوت تھے جن کا مقابلہ کسی بکھرتی ہوئی تہذیب کے بس کی بات نہیں تھی۔

Marfat.com

عہدہ کتابت

	خلفاء	کتاب	عرب یا مولیٰ
۱۔	امیر معاویہؓ	عبید بن اوس الغسانی	عرب
		سرجون بن منصور رومی	مولیٰ (محکمہ مال کے کاتب)
		عبدالرحمٰن ابن دراج	مولیٰ امیر معاویہؓ
		سلیمان ابن سعید	مولیٰ امیر معاویہؓ
		عبداللہ ابن نصر بن حجاج	عرب
۲۔	یزید بن معاویہ	عبید بن اوس الغسانی	عرب
		زمل بن عمرو العذری	عرب
		سرجون بن منصور	مولیٰ
۳۔	مروان بن حکم	عبید بن اوس الغسانی	عرب
		ابن سرجون نصرانی	مولیٰ
		ابوثابت سلمان بن سعد	عرب
		ابوالزعیزعہ	مولیٰ
۴۔	عبدالملک بن مروان	قبیصہ بن ذوئب	عرب
		ابوالزعیزعہ	مولیٰ (دفتر مراسلات کے کاتب)
		عمرو بن الحارث	مولیٰ
		ابن سرجون	مولیٰ

Marfat.com

۵۔	ولید بن عبدالملک	عبداللہ ابن ہلال ثقفی	عرب
		صالح بن عبدالرحمٰن	مولیٰ
		قعقاع بن خلید العبسی	عرب
		ابوثابت سلمان ابن سعد	عرب (کاتب دفتر مال وخزانہ)
		شعیب العمانی	کاتب فرامین شاہی
		جناح	مولیٰ (دفتر مراسلات)
		نفیع بن ذوئب	مولیٰ (کاتب محکمہ بٹائی)
۶۔	سلمان بن عبدالملک	عبدالعزیز بن حارث	عرب
		سلیمان ابن نعیم	عرب
		ابن البطرق نصرانی	مولیٰ
		نعیم ابن سلامہ	مولیٰ (محکمہ فرامین شاہی کے کاتب)
۷۔	عمر بن عبدالعزیز	لیث بن ابی رقیہ	مولیٰ
		رجاء بن حیوۃ	مولیٰ
		اسماعیل بن ابی حکیم	مولیٰ زبیر بن العوام (محکمہ مال وخزانہ)
۸۔	ہشام بن عبدالملک	سالم	مولیٰ سعید بن عبدالملک

گویا چوبیس کتاب میں سے چودہ موالی تھے اور دس عرب۔

Marfat.com

ان حقائق کی روشنی میں جناب حسن ابراہیم حسن کا یہ بیان ''اموی عہد میں فوجی خدمات کے عوض عربوں کی طرح موالی کے وظائف مقرر نہ کئے گئے، جنگ کے وقت انہیں سوار ہوکر لڑنے کی اجازت نہ تھی، یہ شرف صرف عربوں کو حاصل تھا، ان امتیازات کے علاوہ اور بہت سی امتیازی حدیں قائم کر رکھی تھیں''۔(۱۲۷) کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ کوئی استثنائی مثال تو ہو سکتی ہے مگر عمومی مزاج نہیں تھا۔ کیونکہ یہ بات بہر حال تاریخی طور پر ماننے والی نہیں کہ طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر اور ان کی بربر موالی پر مشتمل فوج اندلس کی جنگ پیدل لڑی تھی۔ موالی کو پاپیادہ کرنے کی ایک مثال، اس وقت ضرور سامنے آئی تھی جب مختار ثقفی کی فوجیں، شامی فوجوں سے نبرد آزما تھیں، اس وقت ایک دستہ فوج میں بعض متعصب عربوں کی مداخلت کی وجہ سے موالی کو گھوڑوں سے اتار لیا گیا تھا، مگر یہ ایک جنگ کے دوران فوج کے ایک دستہ کا حال تھا۔ ورنہ مختار ہی کے زمانے میں نہ صرف اس کی اور ابراہیم بن اشتر کی فوج میں موالی بکثرت شریک تھے اور اس ایک دفعہ کے علاوہ وہ ہمیشہ ہی سوار ہو کر لڑے۔ اب کسی ایک استثنائی واقعہ کو لے کر اسے پورے عہد پر منطبق کرنا بذات خود تعصب ہے۔ اس سے تحقیق کا حق ادا نہیں ہوتا۔

حجابت، کتابت، مشاورت کے علاوہ اموی عہد میں بعض اہم انتظامی عہدوں پر بھی موالی نظر آتے ہیں۔ وردان، جو کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے مولیٰ تھے، ان کی طرف سے مصر کے معاملات کے نگران تھے، وہ عمرو بن العاص کی غیر موجودگی میں ان کے نائب ہوتے اور ان کی موجودگی میں بھی ان کے دست راست اور مشیر خاص ہوتے۔ جیسا کہ باب چہارم میں تفصیلاً بیان کیا گیا کہ ان کی مرضی کے خلاف امیر معاویہؓ، جو کہ خلیفہ وقت تھے، مصریوں کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے۔

امیر معاویہؓ ہی کے عہد خلافت میں ابو مہاجر مولیٰ حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری پورے افریقہ کے والی (گورنر) رہے۔ امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد کو مصر و افریقہ کا والی بنایا تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے اپنے مولیٰ ابو المہاجر کو افریقہ کا والی بنایا وہ اس عہدے پر ۵۰ھ تا ۶۰ھ فائز رہے۔(۱۲۸)

Marfat.com

اسی طرح حجاج بن یوسف جب زبیر بن العوام کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تو تازہ کمک جو کہ پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھی، طارق ابن عمرو، کی سرکردگی میں بھیجی تھی اور یہ طارق، حضرت عثمانؓ ابن عفان کا مولیٰ تھا۔ یہ شعبان ۷۲ھ کا واقعہ ہے۔(۱۲۹) یہی طارق، عبدالملک کی جانب سے (۷۲ھ میں) مدینہ کا گورنر تھا، وہ پانچ ماہ تک اس عہدے پر فائز رہا۔(۱۳۰) اس کے بعد یہ عہدہ حجاج کو دے دیا گیا۔

عبداللہ ابن زبیر نے جب اپنے بھائی حضرت مصعب ابن زبیر کو بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کے امور و معاملات کے نگران بھی ایک مولیٰ کیسان ابوفروہ تھے۔(یہ حضرت عثمانؓ کے مولیٰ تھے) جب حضرت مصعب قتل ہو گئے تو ان کے ساتھ جو کچھ مال تھا، اور جس کی مالیت دس ہزار درہم تھی لے کر مدینہ چلے آئے۔(۱۳۱)

عمر بن عبدالعزیز کے مختصر عہد خلافت میں موالی کی کئی سیاسی وانتظامی تقرریاں نظر آتی ہیں۔ ایک مثال ابوالزناد کی ہے جو مولیٰ تھے اور جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افسر خراج (عراق کا) مقرر کیا تھا۔(۱۳۲)

اسی طرح حضرت عمرؓ ثانی نے میمون بن مہران مولیٰ بنی نضر بن معاویہ (م ۱۱۷ھ) کو الجزیرہ کا والی مقرر کیا تھا۔(۱۳۳) ان کے بیٹے عمرو بن میمون بن مہران (م ۱۴۵ھ) بھی دیوان کے حاکم تھے۔ نیز اسمٰعیل بن عبداللہ جو کہ بنی مخزوم کے مولیٰ تھے، انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افریقہ کا حاکم بنایا۔ اسی طرح مصر میں جن تین حضرات کو (حضرت عمرؓ ثانی کے دور میں) فتویٰ دینے کا اختیار دیا گیا تھا ان میں سے ایک جعفر ابن ربیعہ تھے، دوسرے یزید ابن حبیب (۱۳۴) تھے اور تیسرے عبداللہ ابن ابی جعفر، ان میں اول الذکر عرب باقی دونوں موالی تھے۔

اموی عہد میں صرف ایک عہدہ قضاۃ ایسا تھا جس پر ہمیشہ عربوں کا تقرر کیا گیا جس کی طرف بعض مورخین نے اشارہ کیا ہے کہ اس عہد (اموی عہد) کا مشہور قاعدہ یہ تھا کہ ''لا یقضی بین الناس الاعربی'' (۱۳۵) چنانچہ اموی عہد کے جو مشہور قضاۃ تھے مثلاً فضالہ بن عبید انصاری، ابو ادریس خولانی، عبداللہ بن قیس بن عبد مناف، ابوبکر بن حزم، محمد بن حزم، سلیمان بن حبیب المحاربی

Marfat.com

اور عبداللہ بن سعد الایلی وغیرہ سب کے سب عرب تھے۔ تاہم بعض صوبوں کے قاضی موالی بھی ہوئے۔ مثلاً حجاج بن یوسف نے کوفہ کا قاضی سعید ابن جبیر کو بنایا تھا، لیکن بعض عمائدین کے اعتراض پر ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے ابو بردہ بن ابوموسیٰ (۱۳۶) کو عہدہ قضاء پر فائز کیا تاہم یہ پابندی لگادی کہ کوئی فیصلہ سعید ابن جبیر کے مشورے کے بغیر نہ کریں۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے امام میمون بن مہران (مولیٰ) کو الجزیرہ کے منصب قضاء پر بھی متعین کیا تھا۔ (۱۳۷) نیز وہب بن منبہ جو ایرانی الاصل تھے یمن کے قاضی تھے۔ (۱۳۸)

تاہم اس میں شک نہیں کہ عہد اموی میں زیادہ تر قاضی عرب تھے۔ اس کا سبب موالی کے لئے کسی قسم کا جذبہ اہانت وحقارت نہیں تھا بلکہ اس کا ایک انتہائی معقول سبب یہ تھا کہ ان عربوں کے باپ دادا مسلمان تھے، جن میں سے بعض کو شرف صحابیت بھی نصیب تھا اور دین اسلام اور اس کے تقاضوں کو کماحقہ سمجھتے تھے، ان عربوں کو بچپن سے ہی اسلامی ماحول ملا تھا، ان کی تربیت مسلمان گھروں میں مسلمان والدین نے کی تھی۔ جبکہ موالی میں سے بیشتر نومسلم تھے، یہ خود بھی ابھی علوم دینیہ سے آگاہی حاصل کرنے کے مقام پر تھے، ان میں سے بیشتر کے آباء واجداد کا کوئی اسلامی ماضی نہیں تھا۔ دین اسلام، اس کے تقاضوں اور اس کی اسپرٹ پر جو دسترس ان عربوں کو حاصل تھی، موالی کو ایک صدی بعد حاصل ہو سکی، لہٰذا ایک صدی بعد ہم انہیں بلا تکلف عہدہ قضاء پر فائز دیکھتے ہیں۔

اسی بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت نے موالی پر انتظامی، عسکری اور سیاسی معاملات پر تو بھروسہ کیا اور انہیں اس نوعیت کے عہدوں پر فائز کیا کیونکہ موالی، انتظامی اور سیاسی معاملات میں، ایک بہتر ماضی کے حامل تھے اور ان کا سیاسی تجربہ اور سیاسی ماضی، عربوں کے سیاسی تجربات اور سیاسی ماضی سے بہرحال بہتر تھا۔ جبکہ عہدہ قضاء کے لئے اسلامی حکومت نے موالی یعنی نومسلموں پر بھروسہ کرنے کے بجائے اصحاب رسول اللہؐ اور تابعین اور ان کی اولاد پر بھروسہ کیا کیونکہ ان کا دینی ماضی، عجمیوں اور موالی کے دینی ماضی سے یقیناً بہتر تھا۔

زیر نظر صدی میں باوجود اس کے کہ عرب استاد تھے اور موالی شاگرد۔ ترویج علوم میں

Marfat.com

دونوں شانہ بشانہ نظر آتے ہیں۔ پھر اسلام ایک ایسا دین تھا جو ہر مرد و زن، آزاد و غلام کے لئے حصول علم کے یکساں مواقع فراہم کرتا تھا نیز اسلامی رواداری اور اخوت و مساوات کی فضا کی وجہ سے بھی وہ موالی جو علوم وفنون کے میدان میں آگے نکلے انتہائی عزت و وقار کے حامل ہوئے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(باب ہفتم)

۱۔ حمورابی کا زمانہ ۲۳۴۲ ق۔م تا ۲۲۸۸ ق۔م ہے، مورخین کا قیاس ہے کہ حمورابی حضرت ابراہیم کا ہمعصر تھا۔ بابل کے ایک مینارہ پر اس کے قوانین کندہ ملے ہیں جو توراۃ کے احکام سے بہت مشابہہ ہیں ممکن ہے یہ احکام حضرت ابراہیم کی شریعت کے ہوں جن کو حمورابی نے سنا اور قبول کیا۔ (تاریخ ارض القرآن، جلد ا،ص ۱۴۹)

۲۔ فنیقیہ یا فینیقی عرب تھے جو شام و فلسطین کے سواحل بحر ابیض (بحر روم) پر آباد تھے۔ توراۃ میں ان کو آرامی کہا گیا ہے۔ ان کے دارالحکومت کا نام تائر تھا۔ یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور ایشیا سے یورپ کا سفر کرنے والی قوم سمجھی جاتی ہے اور یہی قوم ہے جس نے ایک طرف افریقہ میں قرطاجنہ جیسے مرکز علم وفن کو جنم دیا تو دوسری طرف یونانیوں کو تہذیب سکھائی۔ یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان سمجھا جاتا ہے اور یونان کا تمام تر تمدن وعلوم وخط فنیقیہ سے ماخوذ ہے اور یہیں سے اس کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے۔ عرب تاجر قدیم زمانے میں یونان تک پہنچ چکے تھے اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نو آبادی بھی قائم کر لی تھی۔ یہ بات سید سلیمان ندوی نے پلینی (مشہور جغرافیہ نویس) اور ایک یونانی مصنف اسٹرابو کے حوالے سے لکھی ہے (ارض القرآن، جلد ا،ص ۱۶۶)

۳۔ عاد، ارم بن سام بن نوح کی نسل سے تھے۔ یہ دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی ایک عظیم الشان قوم تھی، ایشیا اور افریقہ کا کثیر حصہ اس کے زور وقوت کا تماشگاہ تھا۔ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کے دست صنعت کا نتیجہ تھیں۔ اس قوم میں حضرت ہود کو مبعوث کیا گیا (قرآن: سورہ اعراف وسورہ ھود) لیکن ان کی سرکشی میں کمی نہ آئی۔ یہ قوم اپنے غرور، ظلم و جور اور شرک کی بناء پر ہلاک کر دی گئی۔ حضرت ہودؑ نے مع اپنے پیروکاروں کے عاد کے

Marfat.com

عذاب سے نجات پائی اور وہ عذاب سے پہلے ہی عاد کی آبادی سے نکل کر حجاز چلے گئے۔ یہ عاد ثانیہ یا عاد عرب کہلائے جو حضر موت سے سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک کے علاقوں پر قابض ہو گئے تھے

۴۔ عربوں کی تاریخ میں دو لقمان گذرے ہیں، ایک لقمان عاد، جو کہ نیک فطرت بادشاہ تھا، دوسرے حکیم لقمان جس کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

۵۔ سیرۃ ابن ہشام اور اسد الغابہ میں ہے کہ سوید بن صامت جب حج کرنے کے لئے مدینہ سے مکے آئے اور رسول اللہ ؐ کو حاجیوں کے درمیان تبلیغ کرتے سنا تو کہا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اسی طرح کی ایک چیز صحیفہ لقمان میرے پاس بھی موجود ہے۔ آپ کی فرمائش پر اس نے صحیفے کا کچھ حصہ آپ ؐ کو سنایا۔ آپ ؐ نے فرمایا یہ بہت اچھا کلام ہے مگر ہمارے پاس اس سے بھی بہتر کلام ہے چنانچہ آپ ؐ نے اسے قرآن سنایا اور اس نے اعتراف کیا کہ بلاشبہ یہ صحیفہ لقمان سے بہتر ہے۔ سوید بن صامت مدینے میں اپنی لیاقت، بہادری، شعر و سخن اور حسب و نسب کی بناء پر "کامل" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ مدینہ واپسی کے کچھ عرصہ بعد جنگ بعاث میں مارا گیا۔

۶۔ تاریخ ارض القرآن، جلد ۱، ص ۱۸۳ (کتاب مذکور کے بیان کے مطابق عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں ہود کا نام بھی مذکور ہے۔ عام ثانیہ کا یہ کتبہ ۱۸ ھ میں ملا تھا)

۷۔ ثمود، شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی جو جزیرہ نمائے عرب کی شمالی اور مغربی پٹی پر قابض تھے جس کا نام اس زمانے میں وادی القریٰ تھا۔ ان کا دارالحکومت حجر تھا جسے اب مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شہر اس قدیم شاہراہ پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ عاد ثانیہ کی طرح ثمود کو بھی فن تعمیر میں کمال حاصل تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کے عمارات و مقابر تیار کرنا اس قوم کا خاص فن تھا، یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں (جنہیں میں خود بھی دیکھ چکی ہوں۔ میرا یہ مطالعاتی سفر جون ۱۹۹۷ء میں ہوا) اس قوم کا زمانہ ۱۸۰۰ ق۔م تا ۱۶۰۰ ق۔م ہے۔

Marfat.com

۸۔ اہل معین کا زمانہ سبا سے متقدم ہے اور سبا کا زمانہ بلاشک وشبہ ۸۰۰ ق۔م یا ۹۰۰ ق۔م سے شروع ہوتا ہے۔ معین کے کھنڈرات اب تک باقی ہیں۔

۹۔ ''ملکہ (سبا) نے خط پا کر درباریوں سے کہا کہ میرے نام ایک نامہ مقدس آیا ہے یہ نامہ سلمان کے پاس سے آیا ہے''۔ (قرآن، سورہ نمل: ۲۹۔۳۰)

۱۰۔ ابن الندیم، کتاب الفہرست، ص ۱۵

۱۱۔ سدمآرب کا تذکرہ اسی مقالے کے دوسرے باب میں کیا جا چکا ہے۔ قصر غمدان بیس منزلہ محل تھا جس کی بالائی منزل کے کمروں میں شیشے استعمال کئے گئے تھے۔ قصر غمدان کو فن ہیئت کا شاہکار مانا گیا ہے۔

۱۲۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ۲، ص

۱۳۔ ایرانی حکومت نے ہرمز اول کے عہد میں کئی نو آبادیاں قائم کی تھیں جو رومی اسیران جنگ پر مشتمل تھیں، ان قیدیوں میں سے بہت سے ایسے تھے جو یونانی ثقافت کے حامل اور ہیئت، طب اور دیگر فنون میں ایرانیوں پر فوقیت رکھتے تھے بعض مورخین کا خیال ہے کہ حیرہ میں نصرانیت کا سرچشمہ بھی یہی لوگ تھے۔ (فجر الاسلام، ص ۱۸)

۱۴۔ فجر الاسلام، ص ۱۸

۱۵۔ ابن قتیبہ 'عیون الاخبار' جلد ۴، ص ۱۰۳، (مکے کے قریب رہنے والی قبیلہ ہذیل کی مشہور فاحشہ ظلمہ جب بچی تھی تو ایک مدرسے جاتی تھی جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرے۔ اس واقعہ سے پروفیسر حمید اللہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قریش کے رشتہ دار قبیلہ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے جو خواہ کتنی ہی ابتدائی نوعیت کے ہوں وہاں لڑکوں کے علاوہ لڑکیاں بھی پڑھنے جاتی تھیں، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، ص ۱۸۷)

۱۶۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۲۰۷

۱۷۔ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۹۷

Marfat.com

۱۸۔ فجر اسلام، ص ۱۶۲

۱۹۔ قس بن ساعدۃ الایادی، امیہ بن ابی الصلت، اور عدی بن زید وغیرہ کے اشعار میں دینی تعلیمات کا غلبہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ رہبانیت کا درس، غور وفکر کی دعوت اور حوادث ارضی و سماوی سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے تھے۔ ان عرب نصاریٰ نے عربی زبان میں بہت سے ایسے الفاظ وتراکیب داخل کر دی تھیں جنہیں اس سے قبل عرب نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ اہل لغت بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن ابی الصلت ہی نے عربوں کو 'باسمک اللھم' کہنا سکھایا تھا اور قس بن ساعدۃ الایادی پہلا شخص تھا جس نے ''امابعد'' پہلے پہل بولا تھا۔

۲۰۔ عرب کے تیرہ مقامات پر بڑے بڑے میلے لگتے تھے، دومتہ الجندل، مشقر، صحار، دبا، شجرہ، عدن، صنعاء، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، منیٰ، خیبر اور یمامہ سب سے پہلے دومتہ الجندل میں میلہ لگتا، یہ علاقہ شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے، ربیع الاول میں لگنے والے اس میلے میں عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی بازار لگاتے تھے۔ دومتہ الجندل سے میلہ اکھڑ کر مشقر و بحرین میں آ کر جمتا تھا، یہ میلہ پورے جمادی الاولیٰ کے مہینے میں رہتا تھا۔ یہ ایران کے قریب تھا اس لئے یہاں ایرانی تاجر بھی آتے تھے۔ اکیسویں رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہوتے۔ رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دباء میں بازار لگتا تھا، یہاں ہندوستان، سندھ، چین اور افریقہ سے تاجر آتے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر تمام سوداگر شجرہ میں جمع ہوتے تھے جو بحر عرب کے ساحل پر حضر موت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے، نصف شعبان سے یہاں میلہ شروع ہوتا تھا۔ شجرہ کے بعد یکم سے ۲۰ رمضان تک عدن میں بازار لگتا تھا، سلاطین یمن اس بازار کا انتظام کرتے۔ عدن کے بعد صنعاء کے میلے کا زمانہ آتا تھا، صنعاء یمن کا پایۂ تخت تھا۔ اواخر رمضان تک یہاں چہل پہل رہتی تھی یہاں سے کچھ لوگ لوٹ کر حضر موت چلے جاتے تھے وہاں بھی میلہ لگتا تھا، البتہ زیادہ تر لوگ عکاظ آتے تھے۔ عکاظ کا مشہور بازار

Marfat.com

عرفات کے قریب لگتا تھا یہ میلہ ذیقعدہ کے نصف آخر میں شروع ہوتا اور ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر چھٹ جاتا اور سب لوگ ذوالمجاز کے بازار میں اٹھ آنے، یہ میلہ عین مکہ میں لگتا تھا اور ۹/ذی الحجہ تک جمتا، بعدازاں لوگ حج کر کے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔ پھر نئے سال سے نیا پھیرا شروع ہو جاتا۔ (امام مرزوقی، کتاب الامکنہ والازمنہ، جلد۲،ص ۱۶۵ ۔۱۶۱)

۲۱۔ حمیداللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۱۸۷

۲۲۔ مرزوقی، کتاب الامکنہ والازمنہ، جلد۲، ص۱۶۱ تا ۱۶۶

۲۳۔ سبع معلقات، جنہیں ''سموط'' بھی کہتے ہیں ان کے متعلق غالب رائے یہ ہے کہ یہ وہ سات قصائد تھے جو عربوں میں منتخب اور پسندیدہ تھے جنہیں آب زر سے وصلیوں پر لکھوا کر اظہار مقبولیت اور دائمی شہرت کے لئے کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا تھا چنانچہ ان میں سے بعض فتح مکہ کے دن تک وہاں لٹکے ہوئے تھے اور کچھ اس آگ کی نذر ہو گئے تھے جو اسلام سے قبل خانہ کعبہ میں لگی تھی۔ ان سات قصیدوں کے کہنے والے شعراء، امرؤالقیس، زہیر بن ابی سلمیٰ، طرفتہ بن العبد، لبید بن ربیعہ، عنترہ بن شداد، عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ ہیں۔ ابن کثیر آخرالذکر دو ناموں کی جگہ نابغہ ذبیانی اور علقمہ بن عبدہ کا نام لکھتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد۲، ص)

۲۴۔ البلاذری، فتوح البلدان، ص ۷ ۔۴۵۶، الفہرست، ابن الندیم، ص۱۴، ابن خلدون کا بیان ہے کہ جس شخص نے اہل حیرہ سے سب سے پہلے کتابت سیکھی وہ سفیان بن امیہ یا حرب بن امیہ تھا جس نے اسلم بن سدرہ سے کتابت سیکھی۔ ابن خلدون کا خیال ہے کہ حجازیوں نے لکھنا، اہل حیرہ سے سیکھا اور اہل حیرہ نے تبابعہ اور حمیر سے۔ (مقدمہ، جلد۲، ص) ابن الندیم کا بیان ہے کہ اہل حیرۃ نے اہل انبار سے عربی رسم الخط سیکھا (الفہرست، ص۱۴)

۲۵۔ البلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۵۷ تا ۴۵۸

Marfat.com

۲۶۔ البلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۵۷ تا ۴۵۸

۲۷۔ الفہرست، ص ۱۵

۲۸۔ ہاشم، عبدشمس، مطلب اور نُفیل، یہ چاروں عبدمناف بن قصّی کے بیٹے تھے۔ تاریخ میں ہاشم اور مطلب کے خاندان کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے اور مصارف خمس میں بنو مطلب، بنو ہاشم کے ساتھ محسوب ہوتے تھے۔

۲۹۔ عامر بن فہیرہ مولی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی کنیت ابوعمرو تھی وہ طفیل بن عبداللہ بن سنجرہ (ابن سعد کے مطابق طفیل بن حارث) کے غلام تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ وہ سیاہ فام تھے، رسول اللہؐ کے دارالارقم میں داخل ہونے اور دعوت عام دینے سے پہلے اسلام لائے، ہجرت مدینہ کے سفر میں رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رفیق سفر تھے۔ بدر او احد میں شریک ہوئے۔ ۴ھ میں بئر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے، ان کو عامر بن طفیل نے شہید کیا اس وقت ان کی عمر چالیس برس تھی، شہادت کے بعد ان کی لاش نہیں ملی۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ملائکہ نے دفن کیا۔ (طبقات الکبریٰ، جلد۳، ص ۲۳۰، الاستیعاب، جلد۲، ص ۲۹۶، ۷۹۷)

۳۰۔ الاستیعاب، جلد۱، ص ۶۹ (ابن کثیر کے مطابق سراقہ بن جعشم کو پروانہ آزادی لکھ کر دینے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے) (البدایہ والنہایہ، جلد۷، ص ۱۵۱)

۳۱۔ طبقات الکبریٰ، جلد۱، ص ۲۶۵۔ وبعدہ

۳۲۔ البدایہ والنہایہ، جلد، ص (ابن کثیر نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ امیہ بن ابی الصلت ابوسفیان اور چند دیگر لوگوں کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں شام جا رہا تھا تو امیہ منزل بہ منزل ٹھہر کر اپنے سامان سفر میں سے ایک کتاب نکالتا اور اپنے ہم سفر ساتھیوں کو پڑھ کر سناتا جاتا تھا)

۳۳۔ ابن ابی صیبعہ، طبقات الاطباء، جلد۱، ص ۱۱۳

۳۴۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد۶، ص ۱۰۲۴

۳۵۔ مقاتل کی روایت ہے کہ نضر بن حارث تجارت کے لئے فارس جایا کرتا تھا اور وہاں سے

Marfat.com

عجمیوں کی کتابیں اور قصے خرید لاتا اور وہ قریش کو سناتا اور ان سے کہتا ان محمد یحدثکم حدیث عاد و ثمود و انا احدثکم حدیث رستم و اسفندیار یعنی محمدؐ تم سے عاد و ثمود کے قصے بیان کرتے ہیں اور میں تمہیں رستم و اسفندیار کے (زیادہ دلچسپ) واقعات سناتا ہوں۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۱۸، ص ۱۲۶)

۳۶۔ A LITRARY HISTORY OF PERSIA، جلد ۱، ص ۹۳

۳۷۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۳ ص ۶۷۲ (مادہ ''ایران'' مقالہ نگار مقبول بیگ بدخشانی)

۳۸۔ دوسرے ساسانی فرمانروا شاپور اول (۲۴۰ء تا ۲۷۲ء) کے زمانے میں مانی کا ظہور ہوا۔ یہ ۲۱۵ یا ۲۱۶ء میں بابل میں پیدا ہوا، وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا، اس کی ماں اشکانی خاندان کی ایک شاہزادی تھی اور باپ، جس کا نام ابن الندیم کی فہرست کے مطابق ''فوتق'' تھا، عیسائیوں کے فرقۂ مغتسلہ سے تعلق رکھتا تھا، مانی کی ابتدائی تعلیم انہی عقائد کے مطابق ہوئی، مانی نے ۲۴ سال کی عمر میں شاپور کی تاج پوشی کے دن اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ شاپور نے بھی یہ مذہب قبول کرلیا جس کی وجہ سے مانویت تیزی سے ایران میں پھیلنے لگی۔ مذہب زرتشت کے مذہبی قائدین کو اس صورت حال سے تشویش تھی بالآخر انہوں نے شاپور کی اجازت سے دربار کے اندر مانی سے مناظرہ کیا اور اسے شکست دی، اپنے پیغمبر کی شکست سے بددل ہو کر شاہ پور نے مانی کے قتل کا حکم دے دیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلا اور کشمیر اور تبت کا دورہ کرتا ہوا چینی ترکستان پہنچا جہاں اس کے مذہب کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

شاپور کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا ہرمز تخت نشین ہوا تو مانی کو ایران آنے کی دعوت دی گئی، مانی ایران، واپس آیا تو اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا گیا، دو سال بعد ہرمز کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی بہرام تخت نشین ہوا۔ مانی نے بہرام کے سامنے اپنے عقائد پیش کئے۔ بہرام نے مانی اور موبدوں (زرتشتی مذہبی قائدین) کے درمیان دوبارہ مناظرہ کرایا جس میں مانی کو پھر شکست ہوئی۔ اس بار مانی کو گرفتار کر کے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ اس کی کھال

Marfat.com

کھینچی گئی اور اس میں بھس بھر کر جندی شاپور کے دروازے پر لٹکا دی گئی۔ جس کی نسبت سے یہ اب تک ''دروازۂ مانی'' کے نام سے موسوم ہے ۲۷۵ء میں جب کہ وہ قتل کیا گیا اس کی عمر ساٹھ سال تھی اس کے بعد اس کے پیروؤں پر مصیبت آئی اور ہزاروں کی تعداد میں بڑی بے رحمی سے مارے گئے۔ (نگار سجاد ظہیر، مطالعۂ تہذیب، ص ۹۲، ص ۹۳، کراچی، ۱۹۹۳ء طبع اول)

۳۹۔ ظہیر، نگار سجاد، مطالعہ تہذیب، ص ۹۴، کراچی ۱۹۹۳۔

۴۰۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مادہ ''ایران''، مقالہ نگار، مقبول بیگ بدخشانی، جلد ۳ ص ۶۷۳

۴۱۔ نصر، سید حسین، Science and civilization in Islam، ص ۱۸۸، سہیل اکیڈمی، لاہور، طبع ثانی ۱۹۸۷ء

۴۲۔ تھامس آرنلڈ، اور الفریڈ گیام، The Legacy Of Islam، ص ۳۱۳، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، ۱۹۵۳ء

۴۳۔ اس ضمن میں کتب احادیث (خصوصاً صحاح ستہ) دیکھی جا سکتی ہیں۔ جن میں عموماً ''باب العلم'' کے تحت متعدد حدیثوں کا بیان موجود ہے۔ صحاح ستہ میں علم، علماء، تعلیم، تعلّم کی اہمیت وفضیلت پر وافر مواد موجود ہے۔ احادیث کے اکثر مجموعوں میں ''علم'' کو ابتدائی چند ابواب میں جگہ دی گئی ہے چنانچہ ''صحیح بخاری'' میں ''بدء الوحی' اور ''کتاب الایمان'' کے بعد ''کتاب العلم'' لائی گئی ہے۔ وعلیٰ ہذہ القیاس

۴۴۔ الاستیعاب، جلد ۲، ص ۵۳۸، الاصابہ، جلد ۳، ص ۲۳

۴۵۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۲، ص ۲۲، کتاب الاموال، ص ۱۱۶ (ایک محدث نے اس واقعہ کو 'جواز المعلم المشرک' کے عنوان کے تحت لکھا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر مسلموں سے علم سیکھنا مسلمانوں کے لئے قطعی جائز ہے۔ خطبات بہاولپور، ص ۳۱۴)

۴۶۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۱۱۷

۴۷۔ ابن سعد نے مدینہ کی سب سے پہلی مسجد، مسجد زریق کو قرار دیا ہے جہاں سب سے پہلے

Marfat.com

قرآن پڑھا گیا۔ (طبقات الکبریٰ)

۴۸۔ اس تعلیمی وفد میں یہ معلمین شامل تھے۔ مرثد بن ابی مرثد غنوی (حلیف حمزہ بن عبدالمطلب) خالد بن بکیر (حلیف بنی عدی بن کعب،) عاصم بن ثابت بن ابی الافلح (اخا بنی عمرو بن عوف،) خبیب بن عدی (اخا بنی جحجی بن کلفہ بن عمرو بن عوف،) زید بن دثنہ (اخا بنی بیاضہ بن عامر،) عبداللہ بن طارق (حلیف بنی ظفر،) طبری، جلد۲، ص ۵۳۸

۴۹۔ طبری، جلد۲، ص ۵۳۹، مسعودی، التبنہ والاشراف، ص ۴۷

۵۰۔ صفتہ الصفوۃ، جلد۱، ص ۱۷۰، طبری، جلد۲، ص ۵۴۶

۵۱۔ صفر ۴ھ میں بنی عامر بن صعصعہ کا رئیس ابو براء عامر بن مالک بن جعفر مدینہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ وہ اسلام تو نہ لایا مگر رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ اپنے اصحابؓ میں سے بعض کو اہل نجد کے پاس بھیجیں تا کہ یہ ان کو اس دین کی دعوت دیں۔ رسول اللہؐ نے جب اس اندیشے کا اظہار کیا کہ کہیں اہل نجد انہیں تنگ نہ کریں تو ابو براء نے اپنی حفاظت کا یقین دلایا، اس پیش بندی کے بعد آپؐ نے اپنے بہترین چالیس صحابہؓ کو ابو براء کے ساتھ روانہ کر دیا۔ تاہم انہیں بئر معونہ کے مقام پر دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ (طبری، جلد۲، ص ۵۴۵، طبقات الکبریٰ، جلد۴، ص ۳۷)

۵۲۔ زید بن ثابت کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے فارسی زبان اسی طرح سیکھی تھی (خطبات بہاولپور، ص ۳۰۹)

۵۳۔ معاذ ابن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری الخزرجی کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ مدینہ کے رہنے والے تھے، عالم شباب میں مسلمان ہوئے، بیعت عقبہ میں حاضر تھے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ میں مواخاۃ قائم کی گئی، یہ بات اس لئے قرین قیاس نہیں کہ جعفر اس وقت حبشہ میں تھے اور فتح خیبر کے سال مدینہ آئے تھے۔ حضرت معاذؓ نے بیس سال کی عمر میں غزوہ بدر

Marfat.com

میں شرکت کی اور دیگر مشاہد میں بھی حاضر رہے۔ قرآن کے مستند قاری اور جید عالم تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ کا یہ قول ملتا ہے "چار حضرات یعنی ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابوحذیفہ سے قرآن سیکھو"۔ حضرت معاذ رسول اللہؐ کے انتقال کے وقت یمن میں تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے وہاں کا والی بنایا تھا۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت عمرؓ کے مشیر رہے، حضرت عمرؓ ان کے علم وفضل کی وجہ سے ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے ایک بار یہاں تک کہا کہ "اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔ حضرت معاذ شام کی مہمات میں حضرت ابوعبیدہ کے ساتھ رہے۔ حمص کی جامع مسجد میں ان کا حلقہ درس تھا جہاں بہت سے معمر صحابہؓ بھی حاضر ہوتے۔ ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں ۳۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۹ تا ۲۱، طبقات الکبریٰ، جلد ۲، ص ۳۴۶، الاصابہ، جلد ۷، ص ۱۰۶ تا ۱۰۷، الاستیعاب، جلد ۳، ص ۱۴۰۲ تا ۱۴۰۷، جوامع السیرۃ، ص ۳۰)

۵۴۔ طبری، جلد ۳، ص ۳۱۸

۵۵۔ عبادہ بن صامت کا تعلق عوف بن خزرج کے خاندان سے تھا۔ ان کی کنیت ابوالولید تھی، ان کی والدہ قرۃ العین بنت عبادہ بن نضلہ ابن مالک بن عجلان تھیں۔ عبادہ بیعت عقبہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ میں شریک تھے، انہیں بنوخزرج کا نقیب بھی بنایا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبادہ اور حضرت ابومرثد غنوی کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ عبادہ، غزوہ بدر اور اس کے بعد تمام مشاہد میں شریک رہے۔ امیر معاویہؓ کی خلافت کے دوران، شام میں انتقال کیا ان کی قبر بیت المقدس میں ہے (۔طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۶۲۱، الاستیعاب، جلد ۲، ص ۸۰۸۔ سیر اعلام النبلاء، جلد ۲، ص ۱ تا ۵)

۵۶۔ آپ کی کنیت ابوالدرداء، عویمر بن زید نام اور نسب یوں ہے، ابوالدرداء عویمر بن زید الانصاری الخزرجی، والد کے نام میں اختلاف ہے بعض نے عبداللہ اور بعض نے ثعلبہ بتائی ہے۔ آپ کو "حکیم الامت" کہا جاتا تھا۔ جنگ بدر کے بعد اسلام لائے۔ جنگ احد میں

Marfat.com

شریک تھے، آپ نے قرآن حکیم براہ راست رسول اللہؐ سے حفظ کیا تھا۔ اہل شام کے عالم اور دمشق کے فقیہہ اور قاضی بھی تھے۔ جامع دمشق میں ان کا حلقہ درس تھا، درس میں سامعین کا ہجوم ہوتا، ایک وقت میں ان سامعین کی تعداد سولہ سو تک پہنچی۔ جب کبھی حضرت معاویہؓ کو باہر جانے کی ضرورت ہوتی تو وہ کبھی کبھی حضرت ابوالدرداء کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ ۳۲ھ/۶۵۲ء کے لگ بھگ دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۲۴ تا ۲۵، الاستیعاب، جلد ۴، ص ۱۶۴۶ تا ۱۶۴۸، الاصابہ، جلد ۵، ص ۴۶)

۵۷۔ طبقات الکبریٰ، جلد ۲، ص ۳۵۷، الاستیعاب، جلد ۴، ص ۶۴۶

۵۸۔ عبداللہ ابن مسعودؓ ہذلی تھے، بنی زہرہ بن کلاب کے حلیف، ابوعبدالرحمٰن کنیت تھی، رسول اللہ ﷺ کے دارالارقم میں داخل ہونے سے قبل اسلام لائے۔ دونوں ہجرتیں کیں، بدر، احد، خندق اور تمام مشاہد میں شریک تھے۔ حمص چلے گئے تھے، تاآنکہ حضرت عمرؓ نے انہیں معلم اور وزیر بنا کر کوفہ بھیجا۔ کوفہ میں مسجد کے پاس ان کا گھر تھا پھر عثمانؓ خلافت کے زمانے میں مدینہ آ گئے۔ وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ جید عالم اور بہترین معلم قرآن تھے۔ حدیث بیان کرنے میں بے حد محتاط اور روایت کے سلسلہ میں تشدد سے کام لیتے تھے (طبقات الکبریٰ، جلد ۳، ص ۱۵۰ تا ۱۵۹ تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۳ تا ۱۶)

۵۹۔ آپ کی کنیت ابوموسیٰ اور نام عبداللہ تھا۔ پورا نسب یوں ہے ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار الاشعری، آپ نے رسول اللہؐ کی طرف ہجرت کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب کی معیت میں فتح خیبر کے وقت خیبر پہنچے۔ رسول اللہؐ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کے دو الگ الگ صوبوں میں امیر مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے کوفہ اور بصرہ کے بھی گورنر رہے آپ سے علم حدیث حاصل کرنے والوں میں طارق بن شہاب، سعید ابن مسیب، اسود، ابووائل، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ربعی بن ابن خراش

Marfat.com

اور ابو عثمان کے علاوہ دیگر لوگ شامل ہیں، آپ بصرہ کے صف اول کے فقہا میں ایک تھے۔صفوان کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ کے عہد میں ان چار حضرات یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰؓ کے سوا کوئی فتویٰ نہیں دیتا تھا۔۴۴ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص۲۳، ۲۴، الاصابہ، جلد۴، ص۱۱۹ تا ۱۲۰)

۶۰۔ طبقات الکبریٰ، جلد۳، ص۱۵۷، الاستیعاب، جلد۳، ص۹۹۲، تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص۱۴

۶۱۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص۳۰، ۴۶

۶۲۔ عمران بن حصین کی کنیت ابو نجید تھی۔عرب کے مشہور قبیلہ بنو خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔آپ بصرہ کے قاضی بھی رہے۔زہریلے پھوڑوں کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے۔کتب حدیث میں ان کی روایات بڑی تعداد میں مذکور ہیں آپ کا شمار بڑے زیرک اور فاضل صحابہؓ میں ہوتا تھا۔جنگ صفین سے کنارہ کش رہے تھے۔۵۲ھ میں حضرت معاویہؓ کی خلافت کے دوران انتقال کیا (۔طبقات الکبریٰ، جلد۴، ص ۲۸۷ تا ۲۹۱، تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص۲۹، ۳۰

۶۳۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص۲۹

۶۴۔ تاریخ طبری، جلد۴، ص۲۰۴

۶۵۔ طبقات الکبریٰ، جلد۳، ص۲۸۹

۶۶۔ کتاب الاموال، ص۲۴۳

۶۷۔ حضرت نافع کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر کا مولیٰ ہونے کی وجہ سے عدوی کہلاتے ہیں۔نیشا پور کے رہنے والے تھے۔ابن عمر کو جنگوں میں ملے تھے ان کی زبان میں لکنت تھی۔مدینہ میں سکونت رکھتے تھے۔اپنے آقا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت ابولبابہؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے علم حدیث حاصل کیا۔آپ سے ایوب، عبیداللہ ابن عمر، ابن عون، ابن جریج، امام اوزاعی، امام مالک، عقیل بن خالد، لیث بن سعد اور دوسرے بہت

Marfat.com

سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ یہی نافع تھے جن کو حضرت عبداللہ ابن جعفر ہزاروں درہم کے عوض حاصل کرنا چاہتے تھے مگر حضرت عبداللہ ابن عمر نے انہیں آزاد کر دیا بیچا نہیں۔ نافع کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ا، ص ۹۹ تا ۱۰۰، المعارف، ص ۲۰۳)

۶۸۔ A Literary History of the Arabs نکلسن، ص ۵۔۱۹۴

۶۹۔ ابن الندیم، الفہرست، ص ۱۱۸

عبید بن شریہ جرہمی حضرت معاویہؓ کے عہد میں گزرا ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بھی پایا تھا مگر ان سے ملاقات نہیں کی، عبید کا انتقال عبدالملک کے دور خلافت میں ہوا۔

۷۰۔ نکلسن، ص ۵۔۱۹۴

۷۱۔ الفہرست، ص ۳۰۰ (خالد ابن یزید کے لئے کتب کیمیا کے ترجمے کرنے کے لئے ''اصطفن قدیم'' کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ الفہرست، ص ۳۰۲)

۷۲۔ ایضاً ص ۴۳۴، (ابن الندیم خالد بن یزید کے لئے خطیب، شاعر، فصیح اور صاحب الرائے کے الفاظ استعمال کرتا ہے)

۷۳۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، یورپ پر اسلام کے احسان، ص ۱۳۷

۷۴۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ص ۳۶، مصر

۷۵۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۱۴/ا، ص ۱۷۷

۷۶۔ امام ابن شہاب زہری کی کنیت ابوبکر، نام محمد بن مسلم اور لقب ''اعلم الحفاظ'' تھا، قریش کے مشہور قبیلہ بنو زہرہ کی طرف منسوب اور مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے، حضرت عبداللہ ابن عمر، سہل بن سعد، انس بن مالک محمود بن ربیع، سعید ابن مسیب، ابو امامہ بن سہل اور اس طبقہ کے دوسرے صحابہؓ اور کبار تابعین سے علم حدیث حاصل کیا۔ انہوں نے طلب علم میں حد درجہ مساعی کی۔ حافظہ بہترین تھا (۔تذکرۃ الحفاظ، جلد ا، ص ۱۰۸ تا ۱۱۳)

۷۷۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۱۴/ا، ص ۱۷۷

Marfat.com

۷۸۔ مقدمہ ابن خلدون، جلد۲، ص ۳۲۳

۷۹۔ ایضاً، ص ۲۲۷ تا ۲۲۸

۸۰۔ فجر اسلام، ص ۱۵۳

۸۱۔ عقد الفرید، جلد۳، ص ۴۱۵ تا ۴۱۶

۸۲۔ یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، جزء الثانی ص ۳۵۴، دار احیا التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۸۳۔ الفہرست، ص ۱۱۷

۸۴۔ وہب بن منبہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی، یمن کے باشندے تھے، ۳۴ھ میں پیدا ہوئے ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا وسیع ذخیرہ تھا۔ انہوں نے زیادہ تر توجہ اسی طرف مبذول رکھی اور کامیاب رہے، ان کی احادیث ان کے بھائی ہمام کے واسطہ سے صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ ہمام کے پاس تحریر شدہ احادیث کا ایک مشہور مجموعہ تھا جو ان سے مروایت کرتے ہیں اور صحاح ستہ میں اس کا بیشتر حصہ نقل ہو چکا ہے۔ وہب کے والد فارس کے شہر ہرات کے رہنے والے تھے۔ کسریٰ، شہنشاہ ایران نے انہیں یمن فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسلام قبول کیا۔ صنعاء شہر میں عہدہ قضاء پر مامور رہے۔ ۱۱۴ھ میں انتقال کیا۔ (طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۵۴۳، المعارف، ص ۲۰۲، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۰۰ تا ۱۰۱)

۸۵۔ عروہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ قریش کے مشہور خاندان بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ سیرۃ النبی کے بڑے عالم، نامور محقق اور حافظ تھے۔ آپ کے درس حدیث میں طلباء کا اژدھام ہوتا تھا۔ انہوں نے یوم حرہ میں اپنی بہت سی کتب جو فقہ سے تعلق رکھتی تھیں جلا دی تھیں۔ بعد میں اپنے اس اقدام پر افسوس کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۹۴ھ میں ہوا، اس سال کو فقہا کی کثرت وفات کی وجہ سے ''سنہ الفقہا'' کہا جاتا ہے۔ (طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۷۸، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۶۲)

Marfat.com

۸۶۔ سعید ابن مسیب ابن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ، حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوسرے سال میں پیدا ہوئے۔ان کے اساتذہ میں حضرت زید بن ثابت، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرؓ شامل تھے۔ نیز وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی جاتے تھے۔ان کی اکثر روایات کی سند حضرت ابوہریرہؓ سے ہے جن کے وہ داماد تھے۔ابن مسیب کی علمیت کا یہ عالم تھا کہ وہ فتوے دیا کرتے تھے درآں حالیکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ زندہ تھے۔خود ان کا دعویٰ تھا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فتاویٰ کا ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا۔وہ ''فقیہہ الفقہا'' اور ''عالم العلماء'' کہلائے گئے۔کئی اموی خلفاء کا زمانہ پایا لیکن کسی کو خاطر میں نہ لائے۔ایام حرہ میں مسجد نبوی میں نمازوں کی ادائیگی کرتے، یزید کی بیعت نہ کی۔ان کی وفات مدینہ میں ۹۴ھ میں ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں ہوئی۔(طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۱۹ تا ۱۳۹، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۵۴ تا ۵۶)

۸۷۔ سلیمان کے والد یسار، ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث کے غلام تھے۔ان کے چار بیٹے عطاء بن یسار، مسلم بن یسار، سلیمان بن یسار اور عبدالملک بن یسار سب کے سب فقیہہ تھے۔سلیمان ابن یسار نے میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ سے مکاتبت کر لی تھی۔لہٰذا ان کے مولیٰ تھے، ان کی کنیت ابوتراب تھی، بنی حدیلہ میں رہتے تھے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی جانب سے جو اس زمانے میں ولید بن عبدالملک کی طرف سے والئ مدینہ تھے، بازار مدینہ کے نگراں تھے۔ثقہ، بزرگ و بلند مرتبہ فقیہہ اور کثیر الحدیث تھے۔۷۳ برس کی عمر میں ۱۰۳ھ یا ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔(طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۷۴، المعارف، ص ۶۱، صفۃ الصفوۃ جلد ۲، ص ۴۵، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۱)

۸۸۔ زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک بن نجار الانصاری الخزرجی، رسول اللہؐ کے نامور صحابی اور کاتب وحی تھے۔ان کی عمر چھ سال تھی

Marfat.com

جب ہجرت سے پانچ سال قبل ان کے والد جنگ بعاث میں مارے گئے۔ان کی والدہ النوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی تھیں۔رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو زید تیرہ برس کے نوجوان تھے، رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر یہود مدینہ سے فن خط وکتابت (عبرانی) سیکھا۔قرآن کے جید حافظ اور علم الفرائض کے ماہر تھے۔ان کا اہم کام جمع وتدوین قرآن کا ہے جو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں انجام دیا۔حضرت عمرؓ کے دور میں مدینہ منورہ کے قاضی بھی رہے، حضرت عمرؓ نے ان کی باقاعدہ تنخواہ مقرر کی۔سنہ وفات میں اختلاف ہے۔۴۵ھ یا ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں وفات پائی۔ان کے معاصر ان کی تیز فہمی، ذکاوت اور علم وفضل کی تعریف کرتے ہیں۔ان کے علم وفضل کی بناء پر انہیں حبر امت کہا جاتا تھا (۔طبقات الکبریٰ، جلد۲،ص ۳۵۷، ،ابن حجر العسقلانی، الاصابہ، جلد۳،ص ۲۲ تا ۲۳، تذکرۃ الحفاظ، جلد۱،ص ۳۰ تا ۳۲)

۸۹۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس کی عمر وفات رسول اللہ ﷺ کے وقت تیرہ برس تھی۔انہوں نے زیادہ تر علم حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے حاصل کیا۔وہ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانے سے اپنی وفات تک مفتی رہے۔حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں انہیں بصرہ کا والی مقرر کیا تھا۔وہاں ان کا حلقہ درس بھی تھا، آخیر زمانے میں مکہ مکرمہ چلے گئے، وہاں آپ مسجد حرام میں بیٹھ جاتے اور تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔طبقات الکبریٰ میں ہے کہ وہ ایک دن صرف فقہ کا ایک دن تفسیر کا، ایک دن مغازی کا، ایک دن شعر وادب کا اور ایک روز تاریخ عرب کا درس دیا کرتے تھے۔۶۸ھ میں طائف میں انتقال ہوا۔(طبقات الکبریٰ، جلد۲،ص ۳۶۵، تذکرۃ الحفاظ، جلد۱،ص ۴۰ تا ۴۱، الاصابہ، جلد۴،ص ۹۰ تا ۹۴)

۹۰۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی کا نام عبداللہ ابن حبیب ہے، کوفہ کے مشہور معلم قرآن اور عالم دین تھے، انہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ ابن مسعود سے قرآن کا علم حاصل کیا۔حضرت عمرؓ سے علم الحدیث حاصل کیا۔حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں علوم القرآن

Marfat.com

کے لئے مسند درس سنبھالی اور اپنی وفات تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ ان کا انتقال ۷۳ھ یا اس کے کچھ بعد میں ہوا جبکہ عراق پر بشر بن مروان گورنر تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۶۳)

۹۱۔ زید ابن ثابت کے بیٹے تھے ان کی والدہ ام سعد جمیلہ بنت سعد، بنی حارث بن خزرج میں سے تھیں۔ خارجہ ابن زید مدینہ کے مشہور فقیہہ تھے۔ کبار علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں ہوئی۔ (طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۲۶۵، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۱)

۹۲۔ انس بن مالک انصاری کی کنیت ابوحمزہ اور لقب خادم رسول اللہؐ ہے۔ ان کی والدہ ام سلیم بنت ملحان تھیں۔ انصار کے مشہور قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ہجرت سے لے کر وفات رسول اللہؐ تک آپؐ کی خدمت کی۔ اس طویل صحبت کے نتیجہ میں علم الحدیث میں کمال حاصل کیا۔ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، ابی بن کعبؓ اور دیگر صحابہؓ سے بھی استفادہ کیا۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ۹۰ھ تا ۹۳ھ کسی وقت انتقال کیا۔ صحابہؓ میں سب سے آخر میں انتقال کیا (۔ المعارف، ص ۱۳۳، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۴۴ تا ۴۸)

۹۳۔ علم [illegible] ان کو امور سیاست میں شہرت ملی، یزید بن معاویہ کے بعد خلیفہ ہوئے، ۶۵ھ میں انتقال کیا

۹۴۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ ابن عمر حدیث کے زبردست عالم تھے تاہم فقہ میں اتنا مرتبہ نہ تھا۔ غزوہ خندق اور بیعت الرضوان میں شریک ہوئے۔ جنگ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر خلافت کے لئے آپ کا نام زیر غور آیا۔ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ حدیث بیان کرتے اپنی رائے یا قیاس کا اظہار نہ کرتے ۷۴ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۳۷ تا ۴۰، الاصابہ، جلد ۴، ص ۱۰۷ تا ۱۰۹)

۹۵۔ طاؤس ابن کیسان، بجیر حمیری کے مولیٰ تھے، ان کی ماں بنوحمیر کی مولاۃ تھیں۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ آپ یمن کے شہر جند کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حضرت زید ابن

Marfat.com

ثابت، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت زیدؓ ابن ارقم، حضرت عبداللہؓ ابن عباس اور بے شمار صحابہؓ سے علم حاصل کیا۔ محمد ابن یوسف (حجاج بن یوسف کے بھائی نے) انہیں بعض علاقوں کا محصل بنایا تھا۔ ۱۰۶ھ میں مکہ میں انتقال کیا۔ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ طاؤس اہل یمن کے شیخ اور ان کے مفتی تھے۔ (طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۵۴۲، المعارف، ص ۲۰۱، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۰)

۹۶۔ عطاء کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان کے والد یسار، ام المومنین حضرت میمونہؓ ہلالیہ کے مولیٰ تھے۔ مدینے کے مشہور فقیہہ تھے۔ یہ حضرات زیدؓ بن ثابت، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر متعدد صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ عالم، محدث اور فقیہہ تھے۔ ۱۰۳ھ میں وفات پائی (طبقات الکبریٰ، جلد ۵، ص ۱۷۳، المعارف، ص ۲۰۲، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۰)

۹۷۔ آپ کا نام جابر بن زید تھا۔ عرب کے مشہور قبیلہ بنوازد کی طرف منسوب ہیں۔ آپ چوٹی کے عالم اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص شاگرد تھے۔ آپ سے ایک جماعت نے حدیث کا علم حاصل کیا، اہل بصرہ کے مفتی تھے۔ ۹۳ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۷۲)۔

۹۸۔ حضرت ابو رجاء عطاردی کا نام عمران بن ملحان ہے۔ مخضرم ہیں (یعنی آپ نے اسلام اور جاہلیت کے دونوں دور دیکھے) تابعین میں آپ کا شمار کبار علماء میں ہوتا ہے۔ آپ فتح مکہ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔ لیکن رسول اللہ کو نہ دیکھ سکے۔ کافی عرصہ بعد مدینہ آئے اور حضرات عمرؓ، علیؓ، عمران بن حصینؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہؓ سے علم حدیث کا سماع کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے قرآن پڑھا اور عبداللہ ابن عباس کو سنایا۔ ثقہ، باشعور اور عالم باعمل تھے۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۰۷ھ کے لگ بھگ وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۶۶)

۹۹۔ ابو عمرو شعبی ہمدانی کا نام عامر بن شرحبیل ہے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ شعب ہمدان

Marfat.com

سے تعلق رکھتے تھے، آپ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ جنگ جلولاء کے اسیران جنگ میں سے تھیں، جلولاء فارس کی ایک بستی ہے (المعارف، ص ۱۹۹) آپ فقہ حدیث میں امامت کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ حفظ واتقان میں بے نظیر تھے۔ اور مختلف علوم میں بحر ناپیدا کنار۔ انہوں نے حضرات علیؓ، عمران بن حصینؓ، جریر بن عبداللہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ، عبداللہ ابن عمرؓ عدی بن حاتمؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، فاطمہ بنت قیسؓ اور دیگر صحابہؓ سے روایت کیا۔ خود کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہؐ کے پانچ سو صحابہؓ سے ملاقات کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ کوفہ میں آپ کے حلقہ درس میں بہت اژدھام ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف کے خلاف ابن اشعث کی بغاوت میں شریک رہے تاہم بعد میں حجاج سے امان طلب کی اور اپنے خروج پر شرمندگی کا اظہار کیا۔ حجاج نے انہیں امان دے دی۔ کوفہ کے قاضی بھی رہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۷۹ تا ۸۸)

۱۰۰۔ آپ کی کنیت ابوبکر اور ابو محمد، عبداللہ نام اور عبیداللہ ولدیت ہے۔ قریش کے مشہور قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے مکہ میں رہائش رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی خلافت میں مکہ کے قاضی تھے، آپ حرم پاک کے موذن بھی رہے۔ فقہ حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ کا قول حجت سمجھا جاتا ہے۔ بڑے قادر الکلام، فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ عبداللہ ابن زبیر نے اپنے عہد خلافت میں انہیں طائف کا بھی قاضی بنایا تھا۔ وہاں عبداللہ ابن عباس کی مدد سے پیچیدہ مسائل حل کیا کرتے تھے۔ ۱۱۷ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۰۱)

۱۰۱۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کے مولیٰ ہونے کی وجہ سے ہاشمی کہلاتے تھے۔ بربر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اتنی علمی استعداد پیدا کر لی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی زندگی ہی میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ مسلسل چالیس سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہ اپنے آقا کے علوم کے جامع

Marfat.com

تھے اور اپنے وقت میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔تاہم خارجی عقیدہ رکھتے تھے۔۱۰۵ھ یا ۱۰۷ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔اسی سال عمر تھی۔(المعارف،ص ۲۰۱، طبقات الکبریٰ، جلد ۵،ص ۲۸۷، جلد ۵،ص ۲۹۳، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱،ص ۹۵)

۱۰۲۔ آپ کی کنیت ابوالحجاج، مجاہد نام اور ولدیت جبر ہے۔قریش کے مشہور قبیلہ بنومخزوم کی طرف نسبت ولاء کی بناء پر مخزومی کہلاتے تھے۔سائب بن ابو سائب مخزومی کے مولیٰ تھے۔حضرات سعد بن ابی وقاص، عائشہ، ابو ہریرہ، ام ہانی، عبداللہ ابن عمر اور ابن عباس سے سماع حدیث کیا۔ایک عرصہ تک حبر امت حضرت عبداللہ ابن عباس کی خدمت میں رہ کر قرآن پڑھا اور اس کی تفسیر سیکھی۔فقیہہ، عالم، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔مجاہد کی وفات مکہ میں ۱۰۳ھ کے لگ بھگ ہوئی۔(المعارف،ص ۱۹۴، طبقات الکبریٰ، جلد ۵،ص ۴۶۶، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱،ص ۹۲)

۱۰۳۔ آپ کی کنیت ابومحمد اور نام عطاء بن اسلم تھا۔یمن کے مشہور شہر جند میں پیدا ہوئے۔یہاں کے غلاموں سے تعلق رکھتے تھے، ماں حبشن تھیں، نام برکہ تھا۔ان کی نشوونما مکہ میں ہوئی حضرات عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، ام سلمہؓ اور دیگر اصحابؓ سے علم حاصل کیا۔بنوفہر کے مولیٰ تھے لہٰذا نسبت ولاء کی وجہ سے قریشی کہلاتے تھے۔انہوں نے ستر حج کئے، مسائل حج کا ان سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔کم صورت تھے، رنگ سیاہ اور منہ پر چیچک کے داغ تھے۔کانے، چپٹی ناک والے، لنجے اور لنگڑے تھے بعد میں اندھے ہوگئے۔تاہم علم، زہد، خدا پرستی میں بے مثال تھے۔اٹھاسی سال کی عمر میں ۱۱۵ھ میں مکہ میں انتقال کیا۔(طبقات الکبریٰ، جلد ۲،ص ۳۸۶، جلد ۵،ص ۴۶۷، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱،ص ۹۸)

۱۰۴۔ سعید ابن جبیر، بنو والب کے آزاد کردہ غلام، کوفہ کے مشہور معلم قرآن اور چوٹی کے علماء میں سے ایک ممتاز فقیہہ تھے۔حضرات ابن عباس، عدی بن حاتم، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن مغفل وغیرہ سے سماع حدیث کیا۔حجاج کے خلاف ابن الاشعث کے خروج میں شامل

Marfat.com

ہونے کی بناء پر حجاج نے انہیں ۹۵ھ میں قتل کرا دیا تھا۔ اس سے قبل وہ حجاج کے مقربین میں شامل تھے اور قاضی کوفہ ابو بردہ کو یہ حجاج کا حکم تھا کہ سعید ابن جبیر کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۷۶)

۱۰۵۔ ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصرہ کے رہنے والے مشہور فقیہہ اور نامور معلم قرآن تھے۔ بنو تمیم کے قبیلہ بنو ریاح کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دیکھا تھا۔ حضرت ابی بن کعب اور دوسرے قاری صحابہؓ سے قرآن پڑھا۔ حضرات عمرؓ، علیؓ، عبداللہؓ، ابن مسعود، حضرت عائشہؓ اور دوسرے ممتاز صحابہؓ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۹۳ھ میں انتقال کیا (۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۶۱)

۱۰۶۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے، ام المومنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام اور مدینہ کے مشہور فقیہہ تھے۔ مدینہ میں وعظ کہا کرتے تھے۔ حضرات زید بن ثابتؓ، ابو ایوب انصاری، عائشہؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابو ہریرہؓ اور دیگر متعدد صحابہؓ سے روایت کرتے تھے۔ قابل اعتماد عالم، جلیل القدر محدث اور ممتاز فقیہہ تھے۔ ۱۰۳ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۰)

۱۰۷ محمد ابن سیرین کی کنیت ابو بکر تھی۔ آپ خادم رسول حضرت انس بن مالک کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی والدہ صفیہ تھیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مولاۃ تھیں۔ جب سیرین کی صفیہ سے شادی ہوئی تو رسول اللہ کی تین ازدواج نے انہیں سجایا، دلہن بنایا اور ان کے حق میں دعا کی۔ نکاح کی تقریب میں اٹھارہ بدری صحابہؓ نے شرکت کی اور ان کے حق میں دعا کی۔ محمد ابن سیرین کی بیوی عربی تھیں (المعارف، ص ۱۹۵) آپ نے حضرات ابو ہریرہ، زید بن ثابت، عمران بن حصین، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، انس بن مالک اور دیگر صحابہؓ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ آپ فقہ حدیث میں امامت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ ثقہ تھے، تعبیر رویاء کے بھی ماہر تھے۔ محمد ابن سیرین فارس میں حضرت انس بن مالک کے کاتب تھے۔ (المعارف، ص ۷۷، ۱۳۴، ۱۹۵، ۱۹۶، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۷۷)

Marfat.com

۱۰۸۔ شیخ الاسلام امام حسن بن ابی الحسن یسار کی کنیت ابو سعید تھی اور وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ان کے والد میسان کے اسیران جنگ میں سے تھے۔حضرت زید بن ثابتؓ کے مولیٰ تھے۔آپ کی والدہ خیرہ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی کنیز تھیں۔آپ نے مدینہ میں پرورش پائی۔حضرت عثمانؓ کی خلافت میں قرآن حفظ کیا۔حضرت عثمانؓ کے دار عثمان میں محصور ہونے کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔بڑے ہو کر جہاد میں سرگرم حصہ لیا۔حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں خراسان کے گورنر ربیع بن زیاد کے کاتب تھے۔آپ نے حضرت عثمانؓ، عمران بن حصین، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمٰن بن سمرہ، سمرہ بن جندب، ابن عباس، ابن عمر، وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا۔آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔آپ بلند پایہ عالم، ثقہ، کثیر العلم اور فصیح البیان تھے۔۸۸ سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔(المعارف، ص ۶۰، ۱۹۵، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱: ص ۷۱)

۱۰۹۔ ابوالاسود دوئلی کا شجرہ یہ تھا۔ابوالاسود ظالم بن عمرو بن سفیان بن عمرو بن جندب بن یعمر بن حلس بن نفاثہ بن عدی بن الدئل (جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۸۵)

۱۱۰۔ ابن خلدون، مقدمہ ص

۱۱۱۔ اسکندریہ (ALEXANDRIA) مصر کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی عہد بطالمہ (PTOLEMIES) میں دنیا کا دوسرا عظیم ترین شہر مانا جاتا تھا۔اس شہر کی بنیاد سکندر نے ۳۳۲ ق۔م میں رکھی تھی۔(دائرۃ معارف الاسلامیہ جلد ۲، ص ۶۵۲، مقالہ ''الاسکندریہ'' مقالہ نگار RHUVON GUEST)

۲۱ھ/۶۴۲ء میں اسکندریہ عربوں کے قبضے میں آیا اس وقت یہ بڑا شاندار شہر تھا اور یونانی علوم کا مرکز مانا جاتا تھا۔ان کے پاس مدون علوم کا بڑا ذخیرہ تھا۔حضرت عمر کے حکم سے اسکندریہ کے بڑے کتب خانے کو جلانے کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہے اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

۱۱۲۔ شمالی شام کے شہر (ANTOCHEIA) کا معرب نام ہے۔یہ شہر دریائے عاصی

Marfat.com

(ORONTES) کے کنارے، بحیرہ روم کے ساحل سے چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کی بنیاد سلیوکس اول (SELEVCUS-I) نے ۳۰۰ ق م میں رکھی تھی۔ رومی سپہ سالار پومپی (POMPEY) نے اس شہر پر ۶۴ ق م میں قبضہ کرلیا تھا جس کے بعد وہ ایشیا میں رومیوں کا سب سے اہم شہر اور سلطنت روما کی ایشیائی ولایات کا صدر مقام بن گیا۔ ایران میں ساسانیوں کے عروج کے ساتھ ساتھ انطاکیہ کا تدریجی زوال ہوا۔ ساسانیوں نے انطاکیہ پر پے در پے حملے کئے۔ شاپور اول نے ۲۵۸ء، بعد ازاں ۲۶۰ء میں انطاکیہ کو مفتوح اور تاراج کیا اور یہاں کے بہت سے باشندوں کو جندی شاہ پور لے گ[illegible] ۲۶[illegible]ء تا ۲۷۲ء تک انطاکیہ تدمر (PALMYRA) کی ملکہ زنوبیہ کے زیر اقتد[illegible]ر رہا۔ پیہم داخلی جھگڑوں اور تباہ کن زلزلوں کے باوجود اس شہر کی خوشحالی قائم رہی، یہاں تک کہ ۵۴۰ء میں ساسانی بادشاہ خسرو اول (انوشرواں) نے اس شہر کا محاصر کرکے اسے تباہ کرڈالا اور اس کے باشندے یہاں سے جبراً ایرانی مملکت منتقل کئے گئے۔ اس کے بعد قیصر روم جسٹینین (JUSTINIAN) نے انطاکیہ کو محدود لیکن زیادہ مضبوط حصار میں از سر نو تعمیر کرایا، یہی حدود ازمنہ وسطیٰ کے پورے دور میں قائم رہیں لیکن ایرانی لشکروں نے اسے پھر ۶۰۲ء اور ۶۱۱ء میں تاراج کیا۔ اور ۱۶ھ/ ۶۳۷ء میں عربوں نے اس پر قبضہ کرلیا، ابتدائی خلفائے اسلام کے عہد میں انطاکیہ عربوں کے سرحدی فوجی نظام "العواصم" کا صدر مقام اور علمی سرگرمیوں کا فعال مرکز تھا۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد ۳، ص ۴۴۴، مادہ "انطاکیہ")

۱۱۳۔ نصیبین عراق عرب کا شہر تھا جو بقول یاقوت حموی نہر ہرماس کی بالائی گذرگاہ پر واقع تھا اس کے ارد گرد بے شمار باغات تھے۔ یہ اتنا قدیم شہر ہے کہ آشوریوں کے زمانے میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ آشوریوں اور اہل بابل کی آخری جنگوں میں اس کا ذکر ۶۱۲ ق م میں آتا ہے۔ سلیوکس اول کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے یہاں یونانیوں کو آباد کیا تھا۔ عیسوی سال کے آغاز تک اس پر یکے بعد دیگرے پارتھیوں، ارمنوں، ارشک، وشنظر وگ خاندان کے بادشاہوں کا قبضہ رہا، پھر یہ شاہان روما کے قبضے میں چلا گیا۔ ساسانی بادشاہ

Marfat.com

اردشیر کے زمانے سے یہ شہر کبھی یونانیوں کے زیر نگین رہا، پانچویں عیسوی میں یہاں نسطوری دارالعلوم منتقل کردیا گیا اور خسرو ثانی کے عہد میں ولی سرجیوس (St., SERGIUS) کا گرجا تعمیر ہوا ۱۸ھ/ ۶۳۹ء میں مسلمان سپہ سالار عیاض بن غنم نے نصیبین پر چڑھائی کی اور معمولی مزاحمت کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کرلی۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ، جلد۲۲ ص ۳۳۸)

۱۱۴۔ طبقات الکبریٰ، جلد۲، ص ۳۸۵، جلد۵، ص ۲۸۷، تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص ۹۶

۱۱۵۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد۱، ص ۹۷

۱۱۶۔ طبقات الکبریٰ، جلد۵، ص ۲۸۷

۱۱۷۔ ایضاً، ص ۶۲

۱۱۸۔ ایضاً، ص ۹۲

۱۱۹۔ تاریخ ابن خلدون، جلد۳، ص ۱۹

۱۲۰۔ جہشیاری، ص ۲۴، ۲۶، ۳۱، ۳۳

۱۲۱۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۲۲۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۲۳۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۲۴۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۲۵۔ الکامل فی التاریخ، جلد۲، ص ۱۳۴

۱۲۶۔ تاریخ ابن خلدون، جلد۳، ص ۱۹

۱۲۷۔ النظم الاسلامیہ، ص ۳۱۷

۱۲۸۔ تاریخ ابن خلدون، جلد۳، ص ۱۱

۱۲۹۔ طبری، جلد۵، ص ۱۲۴

۱۳۰۔ ایضاً، ص ۱۲۷، ۱۳۸

Marfat.com

۱۳۱۔ المعارف، ص ۸۷

۱۳۲۔ ابوالزناد کا نام عبداللہ ابن ذکوان تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کی بیوی رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ کے مولیٰ تھے۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن بھی تھی۔ فقیہہ مدینہ تھے۔ ایک روایت ہے کہ ان سے علم حاصل کرنے کے لئے تین سو تابعین ان کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے۔ حضرت عمرؒ ثانی نے انہیں عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کے ساتھ عراق کا افسر خراج مقرر کیا تھا۔ ان کا انتقال ۱۳۰ھ میں ہوا (کتاب المعارف، ص ۲۰۴، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۳۴)

۱۳۳۔ جہشیاری، ص ۵۴ (میمون بن مہران کی کنیت ابوایوب تھی، عراق کے مشہور شہر رقہ کے رہنے والے تھے، آپ کوفہ کی ایک عورت کے مولیٰ تھے، وہیں پل کر جوان ہوئے بعد میں الجزیرہ کو اپنا وطن بنالیا، اہل جزیرہ کے عالم تھے۔ اسی سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی، تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۸)

۱۳۴۔ یزید بن ابی حبیب کی کنیت ابورجاء تھی۔ بنو ازد کا مولیٰ ہونے کی وجہ سے ازدی کہلاتے تھے۔ مصر کے رہنے والے نامور فقیہہ تھے۔ ملک حبشہ سے تعلق رکھنے والے سیاہ فام تھے۔ ۵۳ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ حلیم الطبع، عقل مند اور اہل مصر کے مفتی تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۱۲۹)

۱۳۵۔ الکامل للمبرد، جلد ۲، ص ۸۱

۱۳۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے، ابو بردہ، لائق اعتماد امام اور نامور فقیہہ تھے اپنے والد ابو موسیٰ اشعری، حضرات علی، زبیر بن العوام، حذیفہ، عبداللہ ابن سلام اور ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت کرتے تھے۔ قاضی شریح کے بعد کوفہ کے قاضی رہے۔ ۱۰۴ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۵)

۱۳۷۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، ص ۹۹

۱۳۸۔ ۱۳۵: ایضاً ص ۱۰۰

Marfat.com

نتائج تحقیق

مولیٰ (جمع موالی) عربی زبان کا ایک کثیر المعنیٰ لفظ ہے۔قرآن مجید میں یہ لفظ اکیس مرتبہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔بعض موقعوں پر قرآن مجید میں یہ لفظ خود اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے جس کے معنی مالکِ حقیقی، آقا، نگران، سرپرست، متولی، کارساز اور رفیق کے ہیں۔ نیز یہ لفظ مجازاً بھی استعمال ہوا ہے۔لفظ مولیٰ قرآن حکیم میں عصبات، قرابتدار اور بنو اعمام کے لیے بھی مذکور ہوا ہے۔البتہ، قرآن میں لفظ مولیٰ کہیں بھی آزاد کردہ غلام کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ درآں حالیکہ عرب جاہلیہ کی شاعری اور احادیث میں یہ لفظ مندرجہ بالا تمام مفاہیم کے علاوہ آزاد کردہ غلاموں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔اہل لغت ایسے کثیر المعنی الفاظ کی درجہ بندی کر کے اس کی تفہیم کو آسان بنا دیتے ہیں۔اہل لغت کی درجہ بندیوں کی روشنی میں موالی کی درج ذیل قسمیں کی جاسکتی ہیں:

۱۔مولیٰ القرابت والولادۃ: موالی کی اس قسم میں ہر وہ رشتہ دار شامل ہوتا تھا جس سے رشتہ داری کی وجہ یا تو ولادت ہوتی تھی یا زوجیت۔

۲۔مولیٰ الحلف والیمین: معاہدہ اور عہد و پیمان کے ذریعہ عقد موالات قائم کرنے والے اشخاص آپس میں ایک دوسرے کے مولیٰ ہوتے تھے۔

۳۔مولیٰ فی الدین: دینی یگانگت کی وجہ سے جو موالات اور دوستی قائم ہو جائے اس کی بناء پر بھی فریقین ایک دوسرے کے مولیٰ ہوتے تھے۔انہیں مولی الموالات بھی کہا جاتا ہے۔

۴۔مولیٰ النعمت: انہیں مولیٰ العتاقہ بھی کہا جاتا ہے۔اس میں آزاد کردہ غلام اور آزاد کنندہ دونوں شامل ہیں۔آزاد کردہ غلام ''مولیٰ من تحت'' اور آزاد کنندہ ''مولیٰ من فوق'' کہلاتا تھا۔

Marfat.com

قبل از اسلام کا عرب معاشرہ تہذیبی اعتبار سے دو دائروں میں تقسیم نظر آتا ہے۔ شمالی اور جنوبی عرب کے باشندے شاندار سیاسی اور تہذیبی زندگی کے حامل تھے جبکہ وسطی عرب کے باشندے سیاسی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے خاصے پسماندہ تھے۔ ان کا طرز حیات قبائلی تھا، وہ شدید سیاسی لامرکزیت کا شکار تھے، ایسی حالت میں کہ ملک میں کوئی سیاسی نظام نہ ہو اور معاشرہ میں لاقانونیت کا چلن ہو، ہر قبیلہ طاقتور ہو کر رہنا چاہے گا۔ اپنی طاقت میں اضافے کے لیے ان کے ہاں مختلف طریقے رائج تھے، جن میں سے ایک ''عقد موالات'' کا طریقہ تھا۔ ان کے یہاں باقاعدہ ''نظام ولاء'' رائج تھا۔ اس پیمان وِلاء سے وابستہ دونوں فریقین کو فائدہ پہنچتا تھا ایک طرف وہ کمزور افراد یا قبائل جو کسی طاقتور قبیلہ سے عقدِ موالات کرتے تھے ان کو جان و مال کی ضمانت مل جاتی تھی جبکہ دوسری طرف طاقتور قبیلہ کو اپنے حامیوں کی ایک جماعت مل جاتی تھی جس سے ان کی شان وشوکت، اور رعب و دبدبہ میں اضافہ ہوتا تھا۔

اس معاشرے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، تو پورے عربی معاشرے کی قلبِ ماہیت ہوگئی قرآن کے فلسفۂ اخلاق نے انہیں ایک بالکل مختلف قوم بنا دیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد پہلا اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا جو اپنی روح اور مزاج کے حوالے سے عہد جاہلیت کے معاشرے سے یکسر مختلف تھا۔ جاہلی عرب معاشرے کی بنیاد نسلی عصبیت، قبائلی تقسیم اور لامرکزیت پر تھی۔ جبکہ اسلامی معاشرہ کی بنیاد مساوات، اخوت اور عدلِ اجتماعی پر تھی۔ قبیلہ اس وقت بھی موجود تھا اور یہ بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ عہدِ رسالت یا عہدِ خلافت راشدہ میں قبائلی منافرت اور قبائلی تفاخر کلیۃً ختم ہو گیا تھا۔ تاہم یہ ضرور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عصبیت کا رخ 'قبیلہ' سے 'دین' کی طرف موڑنے کی کوشش کی تھی جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے تھے۔

عہد خلافت راشدہ میں بڑے پیمانے پر ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں غیر عرب عنصر اسلامی معاشرہ کا حصہ بنا۔ عربوں میں رائج نظام ولاء کی وجہ سے یہ غیر اقوام کے لوگ مختلف عرب قبائل سے عقدِ موالات قائم کر کے اسلامی ریاست کے شہری بن گئے اور موالی کہلائے۔

Marfat.com

یہیں سے عرب اور موالی مسئلہ کا آغاز ہوا۔ مقالۂ زیر نظر کے لئے لفظ 'مولیٰ' کی مزید تحدید کی گئی اور موالی سے ''ایرانی موالی'' ہی مراد لئے گئے۔ عرب اور (ایرانی) موالی کے حوالے سے بہت سے تاریخی نظریات قائم تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ عربوں کے متعصبانہ اور مفاخرانہ رویہ کی وجہ سے عرب موالی کشمکش شروع ہوئی، جبکہ یہ نظریہ اس تحقیق کے نتیجے میں اس طرح قائم نہ رہ سکا اور یہ بات سامنے آئی کہ ایرانی موالی ابتداء سے ہی جارح ثابت ہوئے تھے۔ ان کی جارحیت کا پہلا مظہر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق پر قاتلانہ حملے کی صورت میں سامنے آیا۔ اس کے بعد انہوں نے مختار ثقفی کی تحریک میں شامل ہو کر بنوامیہ کی عرب حکومت سے براہ راست ٹکر لی۔

جناب ایم۔ اے شعبان کا یہ مفروضہ کہ مختار ثقفی کی تحریک میں موالی کی قابل ذکر تعداد شامل نہیں تھی، اس تحقیق کے دوران، قائم نہ رہ سکا اور یہ بات سامنے آئی کہ مختار کی طاقت کا مرکز (Power base) یہ موالی ہی تھے۔ ایرانی موالی کی ان جارحیتوں کے نتیجے میں بنوامیہ کی عرب حکومت نے ان کے خلاف سخت رویہ کا مظاہرہ کیا۔ گویا مورخین جن میں بعض ابتدائی تاریخ نویس مثلاً ابن عبدربہ اور بعض متاخرین مورخین مثلاً حسن ابراہیم حسن، جرجی زیدان وغیرہ نے اب تک ''عرب ردِّعمل'' کو ''عرب عمل'' اور ''موالی عمل'' کو ''موالی ردِّعمل'' لکھا اور ثابت کیا تھا۔ یہ تاریخی نظریہ زیر نظر مقالہ میں بعینہٖ قائم نہیں رہ سکا لہٰذا حجاج بن یوسف کی موالی دشمنی جزوی طور پر غلط ثابت ہوئی۔ یہ خیال کہ حجاج بن یوسف ایک ظالم گورنر تھا اور اس نے موالی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، درست ثابت نہ ہو سکا۔ اس کے برخلاف یہ بات سامنے آئی کہ عبدالرحمٰن ابن محمد ابن اشعث کی بغاوت جو ابتداً حجاج بن یوسف اور اس کے بعد شام کی مروانی حکومت کے خلاف تھی اور جس کے نتیجے میں حجاج کو چند سالوں کے لئے عراق سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ ان ایرانی موالی نے اس بغاوت میں ابن اشعث کا ساتھ دے کر حجاج کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ جس کے ردِّعمل میں حجاج بن یوسف نے ان کے خلاف سخت حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے موالی قوت پر کاری ضرب لگائی انہیں سیاسی اور تہذیبی طور پر کچلا گیا جس کی وجہ سے برسہا برس تک موالی کی کسی جارحیت کا پتا نہیں چلتا۔

Marfat.com

اسی طرح ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن اس تحقیق کے دوران غیر محتاط مصنف ثابت ہوئے۔ موالی کے حوالے سے ان کا یہ بیان کہ حضرت عمر اور حضرت علی بھی موالی سے سخت ناراض تھے اور خلفائے بنوامیہ نے انہیں کی تقلید کی، بے بنیاد پایا گیا۔ سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی کتاب مسلمانوں کا عروج وزوال، میں موالی کے حوالے سے خلفائے بنوامیہ اور حجاج بن یوسف پر جو الزامات لگائے ہیں (دیکھئے اسی مقالہ کے ص ۲۲۱) وہ دورانِ تحقیق درست نہیں پائے گئے۔ دورانِ تحقیق جرجی زیدان کی کتاب ''تاریخ التمدن اسلامی'' میں بعض واقعات بغیر کسی مستند حوالے کے پائے گئے۔ نیز جرجی زیدان پر علامہ شبلی نعمانی نے جو تنقید ''النقد علی التمدن'' لکھی ہے، اسکی روشنی میں احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ جرجی زیدان کے بیانات سے گریز اختیار کیا جائے۔ اس گریز کی وجہ سے حقائق تک پہنچنے میں کافی مدد ملی۔

عرب اور موالی مسئلہ کے حوالے سے یہ خیال کہ بنوامیہ کی عرب حکومت نے بر بنائے عصبیت موالی کو سیاسی اور انتظامی عہدوں سے الگ رکھا کوئی درست خیال ثابت نہ ہو سکا۔ آخری باب میں عام حقائق اور (data collection) کے ذریعے جو منظر نامہ ترتیب پایا اس نے ثابت کیا کہ اموی عہد میں موالی اہم سیاسی عہدوں مثلاً مشاورت، کتابت، حجابت وغیرہ پر مقرر کئے گئے، اور بعض حالات میں ان کی تعداد عربوں سے بڑھ گئی۔ بعض قابل موالی اہم عسکری اور انتظامی عہدوں (یعنی سپہ سالارِ لشکر اور گورنری) تک بھی پہنچے۔ لہٰذا حسن ابراہیم حسن کا یہ بیان کہ موالی تحصیلِ علم کی طرف اس لئے زیادہ منہمک ہو گئے کیونکہ بنوامیہ کی عربی حکومت میں انہیں کوئی سیاسی مقام نہیں دیا گیا، تاریخ کا درست تجزیہ نہیں ہے۔ صرف ایک عہدہ قضا ایسا تھا جس پر ہمیشہ عربوں کا تقرر کیا گیا۔ اس تحقیق کے دوران عہد اموی کا مشہور قاعدہ ''لایقضی بین الناس الا عربی'' کو درست پایا گیا۔ تاہم اس کا سبب موالی کے لئے کسی قسم کا جذبۂ اہانت وحقارت نہیں تھا، بلکہ اس کا انتہائی معقول سبب یہ تھا کہ عربوں کے باپ دادا مسلمان تھے جن میں سے بعض کو شرف صحابیت بھی حاصل تھا۔ یہ دین اسلام اور اس کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھنے والے تھے جبکہ موالی

Marfat.com

نومسلم تھے، ان کے آباء واجداد کا کوئی اسلامی ماضی نہیں تھا۔ یہ موالی ابھی علوم دینیہ سے آگاہی حاصل کرنے کے ابتدائی مدارج میں تھے۔ ان سے قضاء کا انتہائی اہم، نازک اور مشکل کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ تاہم ایک صدی کے بعد جب یہ عربی زبان، صرف ونحو، لغت اور تمام علوم قرآنی کے ماہر ہوگئے تو عباسی عہد میں یہ بلاتکلف عہدۂ قضاء پر بھی فائز کیے گئے۔

اس تحقیق کے دوران علامہ ابن خلدون کا یہ بیان بھی درست ثابت نہ ہوسکا جس کی رو سے انہوں نے موالی کو علم وعرفان کے بلند وبالا مرتبے پر پہنچا دیا اور عربوں سے ان کا وہ حصہ بھی چھین لیا جو جائز اور برحق تھا۔ ابن خلدون کی اس جانبداری کی ڈاکٹر احمد امین المصری نے نشاندہی کی، جسے اس مقالہ کے دوران درست پایا گیا۔

المختصر عرب موالی مسئلہ کے حوالے سے تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت کو عربوں نے دو (۲) سطحوں پر قبول کیا تھا۔ ایک وہ عرب جو سابقون الاوّلون تھے۔ انہیں رسول اللہ کی زیادہ سے زیادہ صحبت نصیب ہوئی۔ لہٰذا ان کی قلب ماہیت ہوگئی یہ گروہ حقیقی معنوں میں اسلام شناس تھا۔ دوسرے وہ عرب تھے جو فتح مکہ کے بعد صرف اس لئے اسلام لائے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسلام اس وقت کی بڑھتی، پھیلتی، سیاسی اور فوجی قوت تھی یہ زیادہ تر اہل البادیہ تھے۔ جن کو قرآن ''اعراب'' کا نام دیتا ہے۔ انہیں رسول اللہ کی صحبت یا تو نصیب ہی نہ ہوئی یا بہت قلیل عرصہ کے لئے نصیب ہوئی۔ نہ تو اس گروہ کی قلب ماہیت ہوسکی نہ ہی یہ اسلام کی حقیقی روح کو سمجھ سکے۔ (اس سلسلہ میں H. A. R. GIBB کا تجزیہ بڑا معقول ہے دیکھئے اسی مقالہ کا ص ۷۰)

دوسری طرف کیفیت ایمان کے اعتبار سے موالی کو بھی دو (۲) گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ موالی کا ایک گروہ وہ تھا جس کا ایمان خالص تھا، انہوں نے قلب کی مکمل آمادگی سے اسلام قبول کیا، اور اسلام کی روح کو اس طرح انگیز کیا کہ ان کی قلب ماہیت ہوگئی جب کہ ان کا ایک طبقہ وہ تھا جنہوں نے مجبوراً اسلام قبول کیا کیونکہ وہ اس عہد کی بڑھتی ہوئی سیاسی اور فوجی طاقت تھی، عرب مسلمانوں سے ان کا عناد بعض حالات میں اسلام دشمنی پر منتج ہوتا۔

Marfat.com

ما سلام کو مختلف سطحوں پر قبول کرنے کی وجہ سے اموی عہد کے مختلف النوع معاشرہ میں دو طرح کے رویّے ملتے ہیں۔ ایک رویّہ سماجی مساوات کا تھا، اور دوسرا رویّہ عصبیت وزعم کا۔ پہلے رویّہ کا مظاہرہ کرنے والے عرب بھی تھے اور موالی بھی، اسی طرح دوسرے رویّہ کا مظاہرہ کرنے والے عرب بھی تھے اور موالی بھی۔ وہ عرب وموالی جنہوں نے اسلام کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ قبول کیا تھا، سماجی مساوات اور عدلِ اجتماعی کے قائل تھے۔ جو عین اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا۔ دوسری طرف وہ عرب وموالی تھے جنہوں نے اسلام کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ قبول ہی نہیں کیا تھا۔ لہٰذا ان سے عصبیت وجاہلیت کے مظاہرے ہوتے رہتے تھے۔ پورے اموی عہد میں یہ دونوں سماجی رویّے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ (اس بارے میں احمد امین المصری کا تجزیہ، جو انہوں نے ''فجر الاسلام'' میں کیا ہے بڑا وقیع اور قابل قبول ہے۔ دیکھئے اسی مقالہ کے صفحات ۲۲۲ تا ۲۲۶) ایسی صورت حال میں عرب اور موالی میں سے کسی ایک کے رویّے کو موردِ الزام ٹھہرانا، اور دوسرے کے رویہ کو اسکا ردِّ عمل قرار دینا، سرے سے ہی غلط ثابت ہو جاتا ہے، اور درست صورت یہ سامنے آتی ہے کہ بعض حالات میں عربوں کی عصبیت نے موالی کو ناراض کیا اور بعض حالات میں موالی عصبیت نے عربوں کو عدم تحفظ میں مبتلا کیا۔ پورے اموی عہد میں یہی صورت حال رہی۔ یہاں تک کہ موالی عنصر کے ردِّ عمل نے شدّت اختیار کرتے ہوئے 'شعوبیت' کی شکل اختیار کر لی، جو عباسی عہد کا غالب رجحان تھا۔

Marfat.com

ممتحن حضرات کی آراء

۱۔	ڈاکٹر سید سلمان ندوی	۳۱۷
۲۔	ڈاکٹر عبدالحق انصاری	۳۲۳

Marfat.com

EXAMINER'S REPORT

BASR/623/Ar.

Name of the candidate. NIGAR SAJJAD ZAHEER

Title of the Thesis/Dissertation:

پہلی صدی ہجری کے اسلامی معاشرہ میں موالی کی سماجی حیثیت وعلمی مرتبہ

Submitted for the award of Ph. D. degree.

I have examined the above-noted thesis and offer the following comments:-

comments:

1. The candidate has successfuly fulfilled the aims and objectives of the study as explained in the introduction.
2. The candidate has fully used relavant original and secondary sources. However, I have indicated some additional relevant materials which she should read before publishing it in book form.
3. The dissertation is well written and well arranged. It demanstrates the candidate's competence in research methods and techniques.

I would like to congratulate the candidate for successfully tackling one of the most difficult and controversial topics in Islamic history.

The dissertation does indicate Dr. Salim's incisive

Marfat.com

guidance.

4. However, on the attached pages I have given comments in urdu(۱) which should be passed on to the candidate for her attention and if possible for incorporation in the dissertation before the final copy is made.

In veiw of the above:-

The thesis merits the award of Ph. D. degree.

دستخط: S. Salman Nadvi

S. Salman Nadvi (Prof.)
Dept. of Islamic Studies
University of Durban-Westville
Private Bag x54001
Durban 4000. South Africa.

Dated. 2 April 1999.

(۱) ڈاکٹر صاحب کی آراء آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

Marfat.com

ملاحظات

طالبہ: نگار سجاد ظہیر

مقالہ: پہلی صدی ہجری کے اسلامی معاشرہ میں موالی کی سماجی حیثیت و علمی مرتبہ

(۱) ص ۳ مقدمہ = ہجری تاریخ کے لئے ''بمطابق'' لکھا گیا ہے۔ اس کو مطابق بغیر ''ب'' کے لکھا جائے۔

(۲) کتابیات میں عام طور سے کتابوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ مگر ان کتابوں کی کتنی جلدیں ہیں وہ نہیں لکھی گئی ہیں۔ کتابوں کے مکمل نام نہیں دیئے گئے ہیں۔ ☆ مشہور ناموں پر اکتفا کیا ہے۔ ص ۴۰۹ پر سیرت النبی کے مصنف کا نام شبلی نعمانی ہے، سید سلیمان ندوی کا نام بھی چاہئے جو ۵ جلدوں کے مصنف بھی ہیں اور دو کے ایڈیٹر ہیں۔

(۳) کتابیات میں حسب ذیل کتابوں کو بھی دیکھا جائے۔

(الف) جاحظ: فخر السودان والجواری والغلمان علی البیضان یہ بہت دلچسپ رسالہ ہے مقالہ نگار کے مقالہ سے ہی متعلق ہے۔ ☆☆

(ب) مارماڈیوک پکتھال Marmaduk Pickthal اسلامک کلچر حیدر آباد جولائی ۱۹۳۱ کے شمارہ میں مقالہ Arabs and Non-Arabs and the Translation of the Qur'an بھی قابل توجہ ہے۔

(ت) سید سلیمان ندوی = عرب و ہند کے تعلقات۔

(۴) ص ۲۹۵ - ۲۸۳ = حجاج کے بارے میں مقالہ نگار کا تجزیہ بالعموم صحیح ہے۔ لیکن پھر بھی ص ۲۹۵ سطر ۶ پر حجاج کی ''موالی دشمنی'' کا ذکر ہے۔ جزیہ کے ساتھ نومسلموں سے خراج

Marfat.com

بھی لینا یہ موالی دشمنی تھی یا خلیفہ اور حکومت سے اندھی وفاداری تھی اور حکومتی خزانہ کو بھرنا تھا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تک یہ شکایت پہنچی کہ جزیہ بند کرنے پر، خزانہ خالی ہو جائے گا اور یہ کہ جزیہ سے بچنے کے لیے لوگ مسلمان ہوتے ہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ رسول بنا کر بھیجے گئے مُحصّل نہیں، بنوامیہ کے زمانہ میں جزیہ وخراج کا بیک وقت حصول بہرحال غیر شرعی وغیر اسلامی تھا جیسا کہ مقالہ نگار نے خود بھی لکھا ہے۔☆☆☆

(۵) عربی مآخذ میں ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ اور محمد النفس الزکیہ کے درمیان حق خلافت پر بہت دلچسپ اور زوردار مراسلت درج ہے، النفس الزکیہ نے ابوجعفر منصور کو غلام زادہ یا موالی زادہ ہونے کا طعنہ دیا تھا اس پر ابوجعفر نے دلچسپ جواب دیا تھا، اس مراسلت کا پورا متن قابل توجہ ہے۔☆☆☆☆

(۶) اگر مقالہ کے ابواب کو خلافت راشدہ بنوامیہ اور بنوعباس کے ابتدائی دور تک علیحدہ علیحدہ تقسیم کر کے موالی پر لکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔

(۷) اگر مقالہ کو کتابی شکل میں منتقل کرنا ہے تو ان کمیوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

مقالہ بہرحال محنت سے تیار کیا گیا ہے مقالہ نگار اس کامیاب مقالہ پر قابل مبارک باد ہیں۔

سید سلمان ندوی

---X--X--X---

<u>معروضات:</u>

☆ : پورے مقالہ میں حوالہ جات کے لیے ایک معیاری طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق کسی بھی کتاب کا حوالہ پہلی مرتبہ مکمل دیا جاتا ہے، دوسری بار یا اس کے بعد اس کو کتاب یا مصنف کے نام سے مختصراً لکھا جاتا ہے۔ یہ حواشی کا نقص نہیں بلکہ معیاری طریقہ کی پیروی ہے۔ (ن س ظ)

☆☆ : جاحظ کا یہ رسالہ، دوران تحقیق (اگست ۱۹۹۶ء میں پڑھ لیا گیا تھا، جو مسودہ دیکھا گیا وہ

Marfat.com

برل، لائیڈن سے ۱۹۰۳ء میں ''ثلاث رسائل'' (لابی عثمان بن بحر الجاحظ البصری) کے عنوان سے شائع ہوا، اس کتاب میں یہ تین رسائل شامل ہیں۔

۱۔ رسالہ فی مناقب الترک وعامہ جند الخلافہ (ص ۱ تا ۵۶)

۲۔ کتاب فخر السودان علی البیضان (ص ۵۷ تا ۸۵)

۳۔ کتاب التربیع والتدبیر (ص ۸۶ تا ۱۵۷)

اس میں سے ثانی الذکر مقالہ موضوع سے متعلق تھا لہٰذا اس سے استفادہ کیا گیا، غلطی سے اس کتاب کا نام کتابیات میں شامل ہونے سے رہ گیا۔ یہ نسخہ جامعہ کراچی کی محمود حسین لائبریری میں موجود ہے۔ جاحظ کے اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی:

> ''جب دو یا دو سے زائد تہذیبیں باہم ٹکراتی ہیں تو وہ آپس میں مسابقت پر اتر آتی ہیں، ہر تہذیب اپنے اوصاف و کمالات کو بیان کر کے دیگر تہذیبوں پر برتری کا دعویٰ کرتی ہے۔ اسلامی تاریخ کی دوسری صدی ہجری، اسی مفاخرت اور دعووں کی صدی ہے، جہاں ایک طرف شعراء و ادباء عربوں کی فضیلت، شرف و بزرگی اور اعلیٰ روتوں پر رطب اللسان نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ایرانی اور تورانی (ترک) اپنے اپنے مناقب اور قومی صفات کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس صدی کے لٹریچر کا ایک غالب حصہ فخر و مباہات سے پُر نظر آتا ہے۔
>
> اس سے قبل کی صدی، یعنی پہلی صدی ہجری غیر عرب اقوام کے لیے جھٹکے اور اضمحلال کی صدی تھی جب عربوں کی فوجی اور سیاسی قوت نے انہیں مغلوب کیا، یہ غیر عرب جب اس جھٹکے سے سنبھلے تو انہوں نے عربوں کی فضیلت سے انکار کیا اور ہر میدان میں ان کا مقابلہ کیا، خواہ یہ میدان شعر و ادب کا ہو، زبان و لغت کا یا معیشت و سیاست کا۔''

(ن س ظ)

Marfat.com

☆☆☆ : اس بارے میں مسلمان فقہا کی دوگروہوں کی آراء بیان کردی گئی ہیں دونوں درست اور مروّج تھیں، دونوں شرعی اور اسلامی تھیں، ندوی صاحب شائد میرا موقف سمجھ نہیں سکے، مزید وضاحت کے لیے دیکھئے مقالۂ زیرنظر باب ششم۔

(ن س ظ)

☆☆☆☆ : یہ مراسلت دلچسپ ضرور ہے لیکن میرے موضوع سے خارج ہے۔ میرا مقالہ پہلی صدی ہجری تک محدود ہے جب کہ اس مراسلت کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے۔

(ن س ظ)

Marfat.com

مقالہ

پہلی صدی ہجری کے اسلامی معاشرے میں موالی کی سماجی حیثیت و علمی مرتبہ

پر رپورٹ

یہ مقالہ اپنے موضوع پر ایک جامع مقالہ ہے اور محنت سے لکھا گیا ہے۔ اس کی تیاری میں تمام بنیادی مراجع استعمال کیے گئے ہیں۔ اس فہرست میں قرآن وتفسیر، حدیث ورجال، تاریخ وسیرت، انساب واعلام، لغت وادب، عقائد وکلام کی کتابیں شامل ہیں۔ ثانوی مراجع بھی استعمال کیے گئے ہیں جن میں عربی کے علاوہ اردو اور انگریزی کی کتابیں داخل ہیں۔

بحث کے دوران واقعات کی تحقیق کی حتی الامکان پوری کوشش کی گئی ہے۔ نتائج کے اخذ اور استدلال میں مطالعہ تاریخ کے مسلمہ اصول پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ رائیں احتیاط سے قائم کی گئی ہیں، سابق اور حاضر کے مورخین واہل علم کے تائیدی بیانات نقل کیے گئے ہیں۔ جن امور میں مقالہ نگار نے دوسروں سے ہٹ کر کوئی رائے قائم کی ہے اس کے حق میں تفصیلی دلائل دیئے ہیں اور مخالف رائے پر معقول تبصرہ کیا ہے۔

مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں لفظ مولی کے مختلف معانی قرآن و حدیث لغت وادب اور تاریخ کی کتابوں کی روشنی میں متعین کیے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں عرب جاہلیت کے معاشرہ کا ایک عمومی تعارف، اس کی تاریخ کا مختصر تذکرہ، قبائلی نظام کی تفصیل، حضری اور بدوی زندگی کا ذکر آیا ہے۔ غلاموں اور باندیوں، اور مختلف اقسام کے موالی، معاشرہ میں ان کے مقام، حقوق واختیارات کا تذکرہ ہے۔

Marfat.com

تیسرے باب میں دور رسالت میں اسلامی معاشرہ کے بنیادی تصورات اور دینی و اخلاقی قدروں، ایمان وعقیدہ، تقویٰ واحسان، عدل وانصاف، مساوات واخوت، صلہ رحمی اور انسانی ہمدردی کا ذکر ہے۔ خاندان اور سماج میں مرد اور عورت کے تعلقات، حقوق واختیارات کے تعلق سے اسلامی معاشرہ جاہلی معاشرہ سے کن چیزوں میں ممتاز تھا اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں ایک فصل عربوں میں غلامی کی تاریخ، اس کے مسائل اور اثرات اور غلامی کے ازالہ یا اس کے اثر کو محدود کرنے کے لیے اسلام نے جو اقدامات کیے، اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ایک اور فصل میں عربی معاشرہ میں موالی کی تاریخ بیان ہوئی ہے اور جاہلی اور اسلامی معاشرہ میں موالی کا کیا مقام تھا اور ان کے حقوق واختیارات کیا تھے، اس کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مغربی مصنف لیوی (Levy) اور مصری مورخ ڈاکٹر حسن ابراہیم کے بعض آرا سے مقالہ نگار نے اپنے اختلاف کا ذکر کیا ہے، اور ان پر اچھی تنقید کی ہے (ص ۱۲۱۔۱۳۴)۔

چوتھے باب میں خلافت راشدہ کے دور پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے اس کی داخلی جنگوں اور بیرونی فتوحات کے نتیجہ میں موالی کی تعداد میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ عثمانی دور کی شورشوں اور علوی دور کی جنگوں میں موالی کا کیا رول رہا، ان کے اور عربوں کے درمیان تعلقات کس طرح کے تھے اس پر مقالہ نگار نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

پانچویں اور چھٹے باب میں اموی دور کے اس حصہ پر گفتگو ہے جو پہلی صدی ھجری کے حدود میں آتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں موالی کی پوزیشن، ان کی نفسیات اور ان کے مسائل، اس عہد کی جنگوں اور اہم واقعات میں ان کا رول زیر بحث آیا ہے۔ موالی کے سلسلے میں حجاج بن یوسف کی پالیسی خاص طور پر کلام کا موضوع رہی ہے۔ اس ضمن میں مشہور مستشرق ولہاوزن کی رائے مقالہ نگار نے نوٹ کی ہے اور اس پر تنقید کی ہے (ص ۳۰۰ ومابعد)

ساتویں اور آخری باب کا عنوان علوم کی تاریخ میں موالی کا حصہ ہے۔ اس باب میں مقالہ نگار نے جزیرۃ العرب میں عاد وثمود کے دور سے ابتداء کر کے پہلی صدی ھجری تک علوم کی ترقی کی تاریخ پر ایک مختصر مگر جامع نوٹ لکھا ہے۔ خلافت راشدہ اور بنوامیہ کے عہد میں مختلف علوم

Marfat.com

میں کیا ترقیاں ہوئیں، ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں موالی کا کردار خاص طور پر زیر بحث آیا ہے۔ یہ باب پڑھنے کے لائق ہے۔

اپنے موضوع پر یہ مقالہ ایک عمدہ اور قابل تحسین کوشش ہے۔ معلومات کی فراہمی، حقائق کی چھان بین، نتائج کے اخذ، راویوں کے قیام واثبات، جائزوں وتبصروں ہر اعتبار سے اطمینان بخش ہے۔ البتہ عربی عبارتوں کے ٹائپ کرنے میں بعض مقامات پر کچھ خامیاں رہ گئی ہیں، اشاعت سے پہلے ان کی اصلاح کرلینی چاہئے۔ مقالہ نگار کی ہر رائے سے اتفاق کرنا ضروری نہیں، لیکن ہمارا احساس ہے کہ مقالہ نگار نے اپنی رائے کے حق میں جو باتیں کہی ہیں وہ یقیناً قابل غور ہیں۔

میں اس مقالے پر مقالہ نگار کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دینے کی پرزور سفارش کرتا ہوں۔

۲۲/۱/۲۰۰۰

Marfat.com

اشاریہ

آ

آبان ۲۶۹

آدم۔ ۶۰، ۶۲، ۶۷

آذربائی جان۔ ۱۵۷، ۱۷۸

آرمینیا۔ ۱۵۶

ا

ابراہیم (علیہ السلام) ۲۴۷

ابراہیم ابن اشتر۔ ۱۷۵، ۱۸۱ تا ۱۸۴

ابراہیم (بن محمد ﷺ)۔ ۸۶

ابراہیم نخعی۔ ۲۶۶، ۲۶۷

ابن آثال۔ ۲۶۲

ابن ابی الزناد۔ ۲۶۵

ابن ابی لیلیٰ۔ ۲۶۵

بن ابی ملیکہ۔ ۲۷۰

ابن اشعث۔ ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۳

ابن بطریق نصرانی۔ ۲۷۹

ابن بکیر۔ ۲۱۴

ابن جریج۔ ۲۲۳

ابن حنفیہ۔ ۱۸۵، ۱۸۷

ابن سرجون نصرانی۔ ۲۷۷، ۲۷۹

ابن شمیط۔ ۱۸۵

ابن شہاب زہری۔ ۲۶۹، ۲۷۰

ابن عمر۔ ۵۰

ابن منبہ۔ ۲۶۵، ۲۶۷

ابن ہرمہ۔ ۳۱

ابوادریس خولانی۔ ۲۸۳

ابوالاسود دوئلی۔ ۲۷۱، ۲۷۲

ابوالبکیر بن عبدیالیل۔ ۳۷، ۱۱۲

ابوالدرداء انصاری۔ ۲۶۰، ۲۶۸

ابوالزعیزعہ۔ ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹

ابوالزناد۔ ۲۳۱، ۲۸۲

ابوالشعثاء۔ ۲۷۰

ابوالعالیہ۔ ۲۷۰، ۲۷۴

ابوالقاسم۔ (دیکھئے ابن حنفیہ)

ابوالمحاری مالک۔ ۲۸۰

ابوایوب انصاری۔ ۹۵، ۲۶۸

ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری۔ ۲۰۰، ۲۸۳

ابوبکر بن حزم۔ ۲۸۳

ابوبکر بن سلیمان۔ ۲۷۰

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ابن حارث۔ ۲۷۰

ابوبکر صدیق۔ ۳۳، ۶۷، ۸۲، ۹۰، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۶،
۱۴۳، ۱۵۲، ۲۰۶، ۲۵۲، ۱۶۲، ۱۶۴، ۲۶۰، ۲۶۸،
۲۶۹۔

ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم انصاری۔ ۲۶۳

ابوبکرہ ثقفی۔ ۶۶

ابوثابت سلمان بن سعد۔ ۲۷۷

ابوجعفر المنصور۔ ۲۶۶

ابوذر غفاری۔ ۶۷، ۸۴، ۱۱۷، ۱۱۸۔

Marfat.com

ابورافع۔۱۰۶

ابورجاء عطاروی۔۲۷۰

ابوزید۔۶۶

ابوسعید المقبری۔۸۵

ابوسعید حسن بن عبداللہ السیرافی۔۲۷۱

ابوسفیان۔۳۷، ۳۹، ۴۸، ۱۰۶، ۱۱۸۔

ابوسلمہ بن عبدالاسد۔۱۱۵

ابوسہیل اسود۔۲۷۵، ۲۷۶۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی۔۲۷۰۔

ابوعبیدہ بن جراح۔۲۰۷، ۱۱۶

ابوعبید ثقفی۔۱۷۴

ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ۔۱۰، ۲۷۱۔

ابوعبیدہ (مولیٰ سلمان) ۲۷۵، ۲۷۶۔

ابوعمرو بن امیہ (ذکوان) ۳۱۔

ابوعمرہ کیسان۔۱۸۱، ۱۸۲۔

ابولؤلؤ فیروز۔۱۶۲۔

ابومسعود انصاری۔۹۵۔

ابومنہال۔۲۷۵، ۲۷۶۔

ابوموسیٰ اشعری۔۸۷، ۲۶۰، ۲۶۸، ۲۸۳

ابومہاجر (مولیٰ مسلمہ بن مخلد) ۲۸۲۔

ابوہریرہ۔۸۳، ۸۴، ۹۶، ۱۲۶، ۲۶۸۔

ابی ابن حمام العبسی۔۹

ابی بن کعب ۶۶، ۲۶۸۔

احابیش۔۶۹۔

احاطۂ سبیع (معرکہ) ۱۸۱ تا ۱۸۳۔

احمد ابن شمیط۔۱۸۴۔

احنف ابن قیس۔۵۷، ۵۸، ۱۸۶، ۱۷۹

ارض کنعان۔۱

ارقم بن ابی ارقم۔۱۰۶، ۲۵۱، ۲۵۲۔

اروی بنت کریز۔۱۱۲

ازد۔۱۱۱

اسامہ بن زید۔۶۵، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷،
۲۳۰۔

استرقاق (غلامی) ۳۲ تا ۳۴، ۴۱۔

استلحاق۔۳۰، ۳۱، ۴۱۔

اسحاق ابن محمد۔۲۱۸۔

اسکندریہ۔۱۵۶، ۲۰۹، ۲۶۲، ۲۷۲۔

اسلم (مولیٰ عمرؓ) ۲۲۴۔

اسمٰعیل۔۲۰۲۔

اسماعیل بن ابی حکیم۔۲۷۸، ۲۷۹۔

اسماعیل ابن سالم۔۲۳۱۔

اسماعیل بن عبداللہ۔۲۳۱، ۲۸۲۔

السفاح۔۲۶۶۔

اشہر حرام۔۲۴۔

اصحاب الشجرہ۔۱۴۶۔

اصحاب صفہ۔۲۵۸۔

اصطخر۔۱۵۶، ۲۶۸۔

اصفہان۔۱۷۸۔

اعراب۔۶۴، ۷۰، ۷۱، ۱۲۲، ۱۲۴ تا ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۴۶،
۱۶۳۔

افریقہ۔۱، ۱۸۰، ۲۳۱، ۲۸۲۔

افلاطون۔۲۵۹۔

Marfat.com

الفلج ۔۹۵۔

الجزیرہ۔۱۵۲، ۱۷۵، ۲۳۱، ۲۸۲، ۲۸۳۔

الفارسی۔ ۲۷۱۔

القدس۔ ۱۶۰۔

المغرب۔ ۲۶۰۔

اُلیس۔ ۲۱۳۔

امام اوزاعی۔ ۲۱۴۔

امام زہری۔ ۲۲۳، ۲۶۳ تا ۲۶۴۔

امام شعبی۔ ۲۷۰۔

ام ایمن۔ ۱۱۲۔

ام حبیبہ۔ ۳۷۔

ام حکیم البیضا۔ ۱۱۲۔

ام حکیم بنت عتبہ۔ ۱۱۳۔

ام سلمہ (ام المؤمنین) ۲۶۸۔

ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط۔ ۱۱۲۔

ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث۔ ۲۶۸

امیر معاویہ (دیکھئے معاویہ بن ابی سفیان)۔

امیہ بن ابی الصلت ۲۵۰، ۲۵۲

امیہ بن عبد شمس ۳۹

اندلس، ۲۸۰، ۲۸۱

انس بن مالک ۸۵، ۲۰۲، ۲۷۰

انصار، ۶، ۳۱، ۶۳، ۶۴، ۶۹، ۹۴، ۱۲۰

انطاکیہ، ۱۶۰، ۲۵۶، ۲۷۲

اوستا ۲۵۴

اوس وخزرج، ۲۳، ۲۹، ۳۷، ۶۴، ۶۶، ۱۱۹، ۱۲۲، ۲۰۳،

اہل معین ۲۲۸

اہواز ۱۵۲، ۲۱۹، ۲۵۵

ایاس بن قبیصہ طائی، ۱۵۹

ایاس بن معاویہ ۲۳۱

ایتھنز ۲۵۶

ایام العرب ۲۳، ۲۶۱

ایران، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۳۷، ۱۰۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۵،
۱۵۷، ۱۵۸، تا ۱۶۵، ۱۸۰، ۲۰۷، ۲۲۰، ۲۵۱، ۲۵۳ تا
۲۵۶، ۲۶۰، ۲۷۲

ایشیائے کوچک ۲۲،

ب

باذان ۱۶۲

بانقیا ۲۱۳

بحرین، ۲۱، ۱۱۰، ۱۶۱، ۲۰۶

برّہ بنت حارث (دیکھئے جویریہ) ۸۱

بشر بن مروان ۱۹۷

بشریٰ بنت قیس ۱۵۵

بصرہ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۹۹،
۲۰۳، ۲۱۸، ۲۳۱، ۲۶۰، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۸۲،

بصریٰ ۲۱، ۲۰۶

بلال بن ابی رباح ۶۷، ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸

بلوچستان۔ ۱۰۹

بنو ابی طالب۔ ۲۵

بنو ازد۔ ۱۴۵، ۱۷۸، ۱۸۴

بنی العنز۔ ۲۲۴

بنو امیہ۔ ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۱۷۹،
۱۸۳، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۳۰۔

Marfat.com

بنو بجیلہ۔۱۷۸
بنو بکر بن وائل۔۱۴۴، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۸۴
بنو تغلب۔۱۴۴، ۱۴۷، ۱۵۰
بنو تمیم۔۱۸۴، ۱۸۶، ۲۵۱
بنو تنوخ۔۱۴۸
بنو تیم۔۶۷
بنو تیم الرباب۔۱۷۸
بنو ثقیف۔۶۷، ۸۲، ۱۱۱، ۱۷۴
بنو جرہم۔۲۸
بنو حمیر۔۲۴۸
بنو حنیفہ۔۱۵۴، ۱۶۱
بنو خثعم۔۱۷۸
بنو خزاعہ۔۱۱۱
بنو خلیج۔۳۱
بنو ربیعہ۔۱۷۸
بنو زہرہ۔۳۷
بنو سہم۔۱۱۳
بنو طے۔۱۰۹، ۱۱۳
بنو عباس۔۲۵
بنو عبد قیس۔۱۸۴
بنو عبد مناف۔۲۵، ۲۶، ۳۶، ۳۹، ۱۰۷
بنو عدی۔۲۲۴
بنو غفار۔۲۵، ۲۶، ۳۶
بنو قریظہ۔۲۹، ۳۷، ۸۹
بنو قضاعہ۔۱۴۷
بنو قیس۔۱۷۸، ۱۸۲، ۲۰۱
بنو قینقاع۔۲۹، ۳۷
بنو کلب۔۷۷، ۱۰۹، ۱۴۷
بنو کنانہ۔۳۶
بنو کندہ۔۱۱۰، ۱۵۴، ۱۷۸
بنو کہلان۔۳۰
بنو لخم۔۱۴۷، ۱۵۹
بنو مخزوم۔۲۵، ۲۶، ۳۰، ۶۷، ۱۰۸، ۱۱۳، ۲۳۱
بنو مطلب۔۲۵۲
بنو نخع۔۱۷۸
بنو نضیر۔۲۹، ۳۷
بنو ہاشم۔۲۵، ۲۶، ۳۶، ۱۶۷، ۲۵۲
بنو ہمدان۔۱۷۸، ۱۷۹
بنو ہوازن۔۸۶، ۱۱۱، ۱۲۳
بنی بیاضہ۔۱۱۳
بنی عامر بن لوئی۔۱۰۸
بنی مخارب۔۱۱۰
بئر معونہ۔۲۵۹، ۲۶۸
بیت المدراس۔۲۵۰
بیعت عقبہ۔۲۵۸

ت

تدبیر۔۳۳، ۸۵
تستر۔۲۱۹
تیماء۔۲۵۰

ث

ثابت بن قیس شماس۔۸۱
ثمود۔۲۴۷، ۲۴۸
ثوبان بن بجدد۔۹۴، ۹۵

Marfat.com

ج

جابر بن عبداللہ۔ ۲۰۲

جامع دمشق۔ ۲۶۳

جبلہ بن الایہم۔ ۶۸، ۱۵۶

جذام (بنو) ۱۴۷

جراح بن عبداللہ حکمی۔ ۲۲۸، ۲۲۹

جزیہ۔ ۷۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۳،
۲۰۳ تا ۲۱۷، ۲۲۷، ۲۲۸

جستینین۔ ۲۵۶

جعفر ابن ربیعہ۔ ۲۳۱، ۲۸۲

جعفر بن ابی طالب۔ ۲۵، ۲۵، ۱۱۶

جناح (مولیٰ ولید بن عبدالملک) ۲۷۸، ۲۷۹

جندی شاپور۔ ۹۱، ۱۵۵، ۲۵۵، ۲۵۶

جنگ بعاث۔ ۱۱۹، ۱۲۱

جنگ جسر۔ ۱۷۴

جنگ ذی قار۔ ۱۵۹، ۱۶۰ تا ۱۶۲

جنگ صفین۔ ۱۷۹

جنگ قادسیہ۔ ۱۴۵

جنگ موتہ۔ ۱۱۶

جنگ نہاوند۔ ۱۴۴

جنگ یمامہ۔ ۱۵۵

جویریہ۔ ۱۱۱

چ

چین۔ ۲۵۱

ح

حارث۔ ۲۸

حارث بن ابی ضرار۔ ۸۱

حارث بن عبد کلال۔ ۲۰۶

حارث بن کلدہ ثقفی۔ ۹۲، ۲۵۲

حارث بن ہشام۔ ۱۱۶

حبشہ۔ ۲۲، ۳۲، ۱۰۹

حجاج بن یوسف۔ ۱۷۳، ۱۸۸، ۱۹۷ تا ۲۲۱، ۲۲۶،
۲۲۷، ۲۷۹، ۲۸۲، ۲۸۳

حجاز۔ ۱۸، ۳۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۵۰

حجر بن عدی۔ ۱۷۴

حذیفہ بن یمان۔ ۲۶۸

حرب بن امیہ۔ ۳۹، ۲۵۱

حروراء۔ ۱۸۴

حریث بن جابر الوائلی۔ ۸

حسن ابن علی۔ ۱۷۲، ۱۷۴

حسن بصری۔ ۲۲۳، ۲۳۰، ۲۶۲، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۱،
۲۸۰

حسن بن ابی الحسن۔ ۲۶۵

حسین ابن علی۔ ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۸۲

حصین ابن حمام مرّی۔ ۸

حصین بن نمیر السکونی۔ ۱۸۳

حضر موت۔ ۱۸، ۲۰، ۱۱۰

حفصہ (ام المومنین) ۱۱۴، ۲۶۸

حکم بن ایوب۔ ۲۰۳

حکم بن عتبہ۔ ۲۶۶

حکم بن کیسان۔ ۲۶۹

حکیم ابن حزام۔ ۸۹

Marfat.com

حکیم ابن برزویہ۔۲۵۵
حلاج ابو کثیر اموی۔۲۶۲
حلب۔۱۴۸
حلف۔۲۸، ۴۱
حلف الفضول۔۲۸، ۲۹
حماد بن ابی سلمان۔۲۶۶، ۲۶۷
حمراء۔۱۷۶
حمزہ بن عبدالمطلب۔۲۸، ۳۸، ۶۴
حمص۔۱۴۸، ۲۶۰
حمیر۔۱۷۹
حمورابی۔۲۴۷
حنظلہ ابن الراہب۔۶۶
حنظلہ بن الربیع۔۲۵۱
حنظلہ طائی۔۲۵۰
حنین۔۶۹
حوران۔۲۱، ۲۰۷
حیان بن شریح۔۲۲۸
حیرہ۔۲۱، ۱۴۴، ۱۵۹، ۱۶۱، ۲۱۳، ۲۲۸، ۲۴۹،

خ

خارجہ بن زید بن ثابت۔۲۷۰
خالد ابن ولید۔۱۱۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۳، ۲۰۷
خالد ابن یزید۔۲۶۲، ۲۶۳، ۲۷۴
خباب ابن الارت۔۶۷
خراج۔۲۰۳ تا ۲۱۷
خراسان۔۱۵۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۱۶، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۶۰،
۲۶۵، ۲۶۷
خزیمہ بن ثابت۔۶۶
خسرو پرویز۔۱۵۹، ۱۶۲
خشبیہ۔۱۸۳
خط مسند۔۲۴۸
خلافت راشدہ۔۱۴۳، ۱۶۵، ۲۲۲، ۲۲۹، ۲۳۰
خلیج فارس۔۲۱، ۱۴۴
خلیج۔۳۱، ۳۲
خیبر۔۱۸، ۱۰۹، ۲۰۶، ۲۱۲، ۲۵۰
خیرہ (مولاۃ ام سلمہ) ۲۳۰

د

داریوش اعظم۔۲۵۳
درہ بنت ابی ہند۔۱۱۲
درہ بنت عدی۔۱۱۳
دستور مدینہ۔(دیکھئے میثاق مدینہ)
دمشق۔۱۴۸، ۲۰۷، ۲۶۰
دومۃ الجندل۔۱۰۹
دیر جماجم۔۲۲۰

ذ

ذوالکلاع حمیری۔۳۳، ۹۰

ر

ربیعۃ الرائے۔۲۵، ۲۶، ۲۹، ۱۱۰، ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۲۳،
۲۶۵، ۲۶۷
رتبیل۔۲۱۸
رجاء بن حیوۃ۔۲۷۸، ۲۸۰
رجیع۔۲۵۸
رزیق (مولی علی) ۲۳۰

Marfat.com

رستم۔۱۵۴

رفاعہ بن شداد۔۱۸۸

روم۔۳۴،۱۰۹،۱۲۱،۱۴۹،۱۶۱،۲۵۳، ۲۷۲

رے۔۱۵۶

ریحانہ۔۸۹

ز

زبیر بن العوام۔۱۱۲،۲۵۱،۲۵۲،۲۷۹،۲۸۲

زبیہ۔۲۲۴

زجاج۔۲۷۱

زردشت۔۲۵۴

زرعہ بنت مشرح۔۱۵۵

زمل بن عمرو۔۲۷۷

زہیر۔۷

زیاد بن ابی سفیان (زیاد بن ابیہ) ۱۷۴،۱۷۵،۲۰۳،۲۶۹،۲۷۹

زید بن اسلم۔۲۶۵،۲۶۶

زید بن ثابت۔۶۶،۲۳۰،۲۵۷،۲۶۸،۲۷۰

زید ابن حارثہ۔۶۴،۶۵،۶۶،۶۷،۶۸،۹۴،۱۱۱،۱۱۲، ۱۱۳،۱۱۴،۱۱۶،۱۱۷

زید ابن زید۔۱۱۲

زینب بنت جحش۔۱۱۱،۱۱۲،۱۱۳،۱۱۴،۱۱۷

زینب بنت قسامہ۔۱۱۳

س

سالم بن عبداللہ۔۲۲۵،۲۷۰

سالم (مولیٰ ابوحذیفہ) ۳۸،۶۷،۱۱۲،۱۱۵،۲۳۱، ۲۶۸

سالم (مولیٰ سعید بن عبدالملک) ۲۷۸،۲۷۹

سبع معلقات۔۲۵۱

سجاح تمیمیہ۔۱۶۲

سجستان۔۱۵۶،۱۹۸،۲۶۰

سد مآرب۔۲۴۸

سراقہ بن جعشم۔۲۵۲

سرجون بن منصور۔۲۷۷،۲۷۹،۲۸۰

سعد۔۷،۲۷۶

سعد بن ابراہیم۔۲۶۳

سعد بن ابی وقاص۔۱۴۵،۲۶۸

سعد بن مالک۔۱۵۵

سعد بن مرجانہ۔۸۴

سعد بن مسعود۔۱۷۴

سعد بن معاذ۔۶۶

سعد بن نعمان۔۸۲

سعید (مولیٰ یزید بن عبدالملک) ۲۷۵،۲۷۶

سعید بن العاص۔۱۴۷

سعید ابن المسیّب۔۲۲۳،۲۶۷،۲۷۰

سعید بن جبیر۔۲۰۰،۲۲۳،۲۶۵،۲۶۶،۲۷۰،۲۸۳

سعید بن عاص بن امیہ۔۳۸

سقیفہ بنوساعدہ۔۶۷

سکندر۔۲۵۴

سلامہ (غزالہ) ۲۲۸

سلسلۃ الذہب۔۲۷۴

سلمان (علیہ السلام) ۲۴۸

سلمان فارسی۔۶۶،۶۷،۷۷،۱۰۶،۱۱۶،۱۱۸،۲۶۸

Marfat.com

سلمہ بن الاکوع۔۸۲
سلیمان ابن سعید۔۲۷۷،۲۷۹
سلیمان ابن صرد۔۱۷۵
سلیمان ابن نعیم۔۲۷۸
سلیمان ابن یسار۔۲۶۵،۲۶۶،۲۷۰
سلیمان بن حبیب۔۲۸۳
سلیمان بن عبدالملک۔۲۷۵،۲۷۶،۲۷۸،۲۷۹
سمیتہ۔۹۲
سندھ۔۲۵،۱۰۹
سہل۔۲۳۰
سہل بن ساعدی۔۲۰۲
سہیل بن عمرو۔۱۲۴
سوار القاضی۔۲۲۴،۲۲۵
سیبویہ۔۲۷۱
سیستان۔۱۹۹،۲۱۸
سیف بن عمر۔۱۵۵،۲۰۱

ش

شام۔۲۲،۱۰۹،۱۴۳،۱۴۷،۱۴۸،۱۵۶،۱۵۳،۱۵۶،
۱۵۷،۱۵۸،۱۶۰،۱۶۱،۱۶۴،۱۷۵،۱۷۶،۱۸۷،۲۰۳،
۲۰۷،۲۰۸،۲۰۹،۲۶۰،۲۶۶،۲۶۷،۲۸۰۔
شاہ پور اوّل۔۲۵۶
شبث بن ربعی۔۱۷۹،۱۸۳
شرحبیل بن حسنہ۔۲۵۱
شریح بن عبدکلال۔۲۰۶
شعبی۔۲۶۶
شعوبیت۔۲۲۱، ۳۱۵
شعیب الصابی۔۲۷۹
شعیب العمانی۔۲۷۸
شقران مولی سلامان۔۸

ص

صالح بن عبدالرحمٰن۔۲۷۸
صالح بن طریق۔۲۲۹
صفوان۔۲۷۶،۲۷۷
صفوان بن امیہ۔۱۱۶،۱۲۳
صقلاب۔۲۷۵،۲۷۶
صنعاء۔۱۸،۲۶۲
صہیب بن سنان رومی۔۶۷،۱۱۸

ض

ضمیرہ (وام ضمیرہ) ۹۴

ط

طارق ابن عمرو۔۲۸۲
طارق بن زیاد۔۲۸۰،۲۸۱
طائف۔۱۸،۲۲،۲۹،۸۲،۸۸،۱۷۳،۱۷۴،۲۵۲۔
طاوس ابن طاوس۔۲۶۵
طاوس ابن کیسان۔۲۷۰
طبرستان۔۱۵۶
طرابلس الغرب۔۱۵۶
طلحہ بن عبیداللہ۔۲۶۸
طنجہ۔۲۸۰

ع

عاد۔۲۴۷،۲۴۸
عاصم بن الافلح۔۶۶

Marfat.com

عاصم بن عمر۔۲۶۳

عام الوفود۔۲۵۹

عامر بن ربیعہ۔۱۱۵

عامر بن فہیرہ۔۶۷، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲۶۷۔

عامر شعبی۔۲۶۷

عائشہ بنت ابوبکر۔۸۹، ۱۱۶، ۲۶۸، ۲۷۰

عبادہ بن صامت۔۲۶۰، ۲۶۸

عباس بن عبدالمطلب۔۲۸، ۸۹

عباس بن مرداس۔۹

عبدالحمید بن عبدالرحمٰن۔۲۲۸

عبدالرحمٰن ابن درّاج۔۲۷۷، ۲۷۹

عبدالرحمٰن ابن زید بن اسلم۔۲۶۷

عبدالرحمٰن ابن عوف۔۹۰، ۱۱۲

عبدالرحمٰن ابن محمد ابن اشعث۔۲۱۷ تا ۲۲۱

عبدالرحمٰن ابن محنف۔۱۸۱

عبدالرحمٰن ابن مغیرہ۔۲۶۹

عبدالرحمٰن ابن ندیم۔۲۲۹

عبدلرحمٰن قشیری۔۲۲۹

عبدالعزیز ابن حارث۔۲۷۸

عبداللہ بن ابی بکرہ۔۲۷۹

عبداللہ ابن ابی جعفر۔۸۴، ۲۳۱، ۲۷۴

عبداللہ بن اُبی۔۹۲، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱

عبداللہ بن جارود۔۲۰۳

عبداللہ ابن جحش۔۳۹، ۱۱۳

عبداللہ بن جدعان۔۳۲، ۵۲

عبداللہ بن حارث۔۳۷

عبداللہ بن حذافہ سہمی۔۱۶۲

عبداللہ بن زبیر۔۸۶، ۸۹، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۹۰،
۱۹۷، ۲۶۷، ۲۸۲۔

عبداللہ بن سائب۔۲۶۸

عبداللہ بن سعد الایلی۔۲۸۳

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ۔۲۷۰

عبداللہ ابن عباس۔۱۵۵، ۲۱۴، ۲۳۰، ۲۶۷، ۲۶۸،
۲۷۰، ۲۷۴۔

عبداللہ بن عبداللہ ابن عمر۔۲۷۰

عبداللہ ابن عمر۔۹۰، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۸، ۲۶۲، ۲۶۷،
۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۴۔

عبداللہ ابن عمرو بن العاص۔۲۶۷، ۲۶۸۔

عبداللہ بن قیس۔۲۸۳

عبداللہ ابن مسعود۔۳۷، ۶۷، ۲۶۰، ۲۶۸۔

عبداللہ ابن مطیع۔۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸۔

عبداللہ ابن مقفع۔۲۰۰

عبداللہ بن مکتوم۔۱۰۸

عبداللہ ابن وہب الجشمی۔۱۸۴

عبداللہ ابن ہلال ثقفی۔۲۷۸

عبدالمطلب۔۲۷، ۲۵۱، ۲۵۲۔

عبدالملک بن مروان۔۱۴۸، ۱۷۳، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۶،
۱۸۸، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۶،
۲۶۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۲۔

عبیداللہ ابن جحش۔۳۷، ۳۹۔

عبیداللہ ابن زیاد۔۱۷۴، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۸۴۔

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ۔۲۴۰

Marfat.com

عبید بن شریہ۔۲۶۲
عبید بن موہب۔۲۷۹
عبید بن اوس الغسانی۔۲۷۷
عتاب بن اُسید۔۱۲۴
عتبہ بن ربیعہ۔۱۱۲
عتبہ بن غزوان۔۱۴۵
عثمان بن عفان۔۹۰،۱۴۳،۱۴۶،۱۴۷،۱۵۶،۱۵۷،
۱۶۳،۱۶۴،۱۷۲،۲۰۲،۲۰۷،۲۲۶،۲۲۸،۲۶۱،
۲۶۸،۲۶۹،۲۸۲۔
عدنان۔۲۵،۲۶
عدی بن ارطاۃ۔۲۳۰
عراق۔۱،۲۱،۲۲،۱۰۹،۱۴۳،۱۴۴،۱۴۵،۱۵۲،۱۵۳،
۱۵۷،۱۵۸،۱۷۶،۱۷۸،۱۷۹،۱۸۷تا۲۰۳،۲۰۷،
۲۰۹،۲۱۳،۲۱۶،۲۱۸،۲۱۹،۲۳۱،۲۶۰،۲۷۲،۲۷۹۔
عرفات۔۱۰۵
عروہ بن زبیر۔۲۶۹،۲۷۰
عشر۔۲۱۳،۲۱۴،۲۱۷،۲۲۸۔
عطاء بن ابی رباح۔۲۶۵،۲۶۶،۲۶۷،۲۷۰۔
عطاء بن ابی یسار۔۲۲۳،۲۷۰
عطاء بن عبداللہ خراسانی۔۲۶۶
عطاء خراسانی۔۲۶۷
عقبہ بن عامر۔۲۶۸
عقیل بن ابی طالب۔۲۵،۲۶،۲۶۱۔
عکرمہ۔۲۱۴،۲۷۰،۲۷۳،۲۷۴۔
علی بن ابی طالب۔۲۵،۲۶،۶۴،۹۵،۱۴۴،۱۴۷،
۱۶۳،۱۶۴،۱۶۵،۱۶۸،۱۶۹،۱۸۱،۲۰۷،۲۱۲،
۲۶۸،۲۷۰۔
علی بن حسین (زین العابدین) ۸۴، ۲۲۴، ۲۲۵،
۲۷۰۔
علی بن عبداللہ بن عباس۔۲۷۴
عمار بن یاسر۔۶۷،۱۱۶۔
عمان۔۱۸،۱۰۹،۱۱۰،۱۱۶۔
عمران بن حصین۔۲۶۰
عمر فاروق۔۳۷، ۵۷، ۶۸، ۸۵، ۸۶، ۱۰۷، ۱۱۵،
۱۱۶،۱۴۳،۱۴۴،۱۴۷،۱۴۸،۱۵۰،۱۵۲تا۱۵۷،۱۶۲تا
۱۶۵،۱۸۰،۲۰۷،۲۰۹،۲۱۱،۲۱۲،۲۲۶،۲۳۱،۲۶۰،
۲۶۱،۲۶۸،۲۷۰،۲۷۱،۲۸۰۔
عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف۔۱۹۸
عمر بن عبدالعزیز۔۲۰۴،۲۱۳،۲۱۴،۲۱۶،۲۱۷،۲۲۶تا
۲۳۲،۲۶۱،۲۶۳،۲۶۴،۲۶۹،۲۷۰،۲۷۵،۲۷۶،
۲۷۸،۲۷۹،۲۸۰،۲۸۲۔
عمرو بن ابی سفیان۔۸۲
عمرو بن الحارث۔۲۷۷،۲۷۹
عمرو بن العاص۔۲۰۷،۲۰۸،۱۱۲،۱۵۲،۲۶۸،۲۸۱۔
عمرو بن اہتم۔۵۷
عمرو بن خشارم۔۷
عمرو بن عبد مناف۔۱۰۹
عمرو بن میمون بن مہران۔۲۸۲
عمیر بن خباب۔۱۸۲،۱۸۳۔
عنترہ بن شداد عبسی۔۳۲
عیسیٰ (علیہ السلام) ۱۰۸
عیسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ۔۱۹۷

Marfat.com

عیسیٰ بن موسیٰ۔۲۶۵،۲۶۶
عین التمر۔۱۵۴

غ

غالب (مولیٰ ہشام بن عبدالملک)۲۷۵،۲۷۶۔
غزوہ اُحد۔۱۱۹
غزوہ احزاب۔۱۲۰
غزوہ بدر۔۹۴،۱۱۰،۲۵۸
غزوہ بنو قریظہ۔۸۷
غزوہ بنو مصطلق (غزوہ المریسیع)۸۱، ۸۶، ۱۱۰، ۱۱۱،
۱۱۶،۱۲۰
غزوہ بنی فزارہ۔۸۷
غزوہ بنی نضیر۔۱۲۰
غزوہ تبوک۔۱۲۱،۲۰۶۔
غزوہ حنین۔۸۲،۸۶،۸۷،۱۱۱،۱۲۳۔
غزوہ خندق۔۱۱۶
غزوہ خیبر۔۸۷،۱۰۶
غزوہ کرز بن جابر الفہری۔۱۱۶
غسانیہ۔۲۱،۱۴۷،۲۴۹۔
غسان۔۱۴۷
غلامی (نیز دیکھئے استرقاق)۷۷،۹۶،۱۲۹،۱۳۰۔
غیلان بن سلمیٰ ثقفی۔۲۵۴

ف

فارس۔۲۱۸
فاطمہ (بندہ)۱۱۴
فاطمہ بنت قیس۔۱۱۳
فاطمہ بنت محمد۔۶۲،۶۵
فدک۔۲۵۰
فرات بن عالم۔۱۸۲،۱۸۳
فرعون۔۶۱
فسطاط۔۱۴۹
فضالہ بن عبید انصاری۔۲۸۳
فضل بن عباس۔۸
فلسطین۔۲۰،۱۰۹،۱۵۴،۲۶۰۔
فیئے۔۲۱۲،۲۱۳،
فیروز حصین۔۲۲۰

ق

قاسم بن سلام۔۲۱۴
قاسم بن محمد بن ابی بکر۔۲۳۱،۲۲۵،۲۷۰۔
قاضی شُریح۔۲۲۳
قباء۔۱۱۵،۱۱۶،۲۶۵
قبرص۔۱۵۶
قبیصہ بن ذوئب۔۲۱۴،۲۷۷
قتادہ۔۲۲۳
قحطان۔۲۱،۲۵،۲۶۔
قرطاجنہ۔۲۴۸
قرط بن کعب۔۲۶۰
قریش۔۶،۲۳تا۳۴،۳۶،۳۹،۶۰،۶۳،۸۲،۸۷،
۱۰۷تا۱۱۳،۱۱۸،۱۱۹،۲۲۴،۲۴۹،۲۵۱،۲۵۲۔
قس بن ساعدۃ الایادی۔۲۵۰
قصر غمدان۔۲۱،۲۴۸
قصی بن کلاب۔۲۲،۱۰۹
قعقاع بن خلید عبسی۔۲۷۸

Marfat.com

قم۔۱۷۸

قیس بن ابی صعصعہ۔۲۶۸

قیس بن السکن۔۲۶۸

قیس بن عاصم۔۷۰

ک

کرمان۔۱۹۸

کرفہ۔۱۴۴تا ۱۴۷، ۱۵۳، ۱۷۴تا ۱۸۸، ۱۹۷، ۱۹۸،
۱۹۹، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۸۳۔

کیسان۔۱۰۶

کیسان ابوفروہ۔۲۸۲

کیسان بن عمرہ۔۱۸۴

ل

لقمان۔۲۴۸

لیث بن ابی رقیہ۔۲۷۸، ۲۷۹۔

م

مآب۔۲۰۷

مآرب۔۲۰

ماریہ قبطیہ (ام المومنین)۔۸۶

ماسرجویہ۔۲۶۳

مالک بن انس۔۲۱۴

مامون الرشید۔۲۵۱

مانی۔۲۵۴

مثنی بن حارثہ۔۱۶۲

مجاہد ابن جبیر۔۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۴

مجمع بن جاریہ۔۲۶۸

محمد ابن اشعث۔۱۸۳

محمد ابن المنکدر۔۲۶۵، ۲۶۶

محمد ابن حزم۔۲۸۳

محمد ابن حنفیہ۔۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۸۔

محمد ابن سلام۔۱۱

محمد ابن سیرین۔۸۵، ۲۲۳، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۰۔

محمد ابن یوسف۔۲۲۸

مختار ثقفی۔۱۷۳تا ۱۸۸، ۲۱۰، ۲۱۹، ۲۸۱۔

مختار (مولی امیر معاویہ) ۲۸۰

مدائن۔۱۴۴، ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۷۴۔

مدینہ۔۱۸، ۲۲، ۳۷، ۵۸، ۵۹، ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۶۵،
۶۷، ۸۸، ۹۲، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸،
۱۴۳، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۷۴، ۲۰۶، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۴۹،
۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۵،
۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۸۲۔

مذار۔۱۸۴

مرثد بن ابی مرثد غنوی۔۳۷، ۲۵۸

مرداس (مولی زیاد بن ابیہ) ۲۷۹

مروان بن حکم۔۲۶۳، ۲۷۰، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹،
۲۸۰۔

مروان ثانی۔۲۷۵، ۲۷۶۔

مزاحم۔۲۳۰، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۰۔

مستشرقین۔۸۰، ۱۰۸۔

مسجد ضرار۔۱۲۱

مسجد قبا۔۱۲۱

مسروق بن الاجدع۔۲۲۳

مسلم بن عقیل۔۱۷۴

Marfat.com

مسلم (مولیٰ سلیمان) ۲۷۵، ۲۷۶
مصر۔ ۱، ۲۱، ۱۰۹، ۱۱۵، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۶۲ تا ۲۷۲، ۲۸۰ تا ۲۸۲۔
مصعب ابن زبیر۔ ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۱۹، ۲۸۲۔
مصعب بن عمیر۔ ۲۵۸
مضر۔ ۲۵، ۲۶، ۲۹۔
معاذ بن جبل۔ ۶۶، ۱۴۴، ۲۰۶، ۲۵۹، ۲۶۸۔
معاویہ بن ابی سفیان۔ ۱۵۳، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۰۷ تا ۲۰۹، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۶۲، ۲۶۸، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰ تا ۲۸۲۔
معاویہ بن یزید۔ ۲۷۶، ۲۷۷۔
مغیرہ بن شعبہ۔ ۱۵۴
مکاتبت۔ ۳۳، ۳۴، ۸۵
مکحول دمشقی۔ ۲۶۶، ۲۶۷
مکہ۔ ۱۸، ۲۲، ۳۲، ۵۸، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۸۱، ۸۲، ۸۸، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۷۴، ۱۷۵، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۷۔
ملکہ سبا۔ ۲۴۸
منافقین مدینہ۔ ۱۱۸ تا ۱۲۱، ۱۳۰۔
منذر بن عمرو انصاری۔ ۲۵۸
منصور بن عکرمہ۔ ۲۵۱، ۲۵۲
مواخاۃ۔ ۳۱، ۴۱، ۶۴۔
موسیٰ بن عقبہ۔ ۲۶۹
موسیٰ بن نصیر۔ ۲۸۰، ۲۸۱
موصل۔ ۱۷۸
مولفۃ القلوب۔ ۱۲۲ تا ۱۲۴، ۱۲۷
مہلب بن ابی صفرہ۔ ۱۸۴، ۱۹۹
میثاق مدینہ۔ ۹۱، ۱۱۹، ۱۲۱
میمون بن مہران۔ ۲۳۱، ۲۸۲، ۲۸۳

ن

نابت۔ ۲۰۲
نافع۔ ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۷۴
نافع بن ابی نجیح۔ ۲۶۵
نجد۔ ۱۸، ۸۲، ۱۸۴، ۲۵۹
نجران۔ ۲۰۶
نخعی۔ ۲۶۷
نسطوریوں۔ ۲۵۶
نصر بن سیار۔ ۲۱۶
نصیبین۔ ۲۷۲
نضر بن حارث۔ ۲۵۳
نعمان بن منذر۔ ۱۵۹
نعیم ابن حماد۔ ۲۱۴
نعیم ابن سلامہ۔ ۲۷۸، ۲۷۹
نعیم بن عبد کلال۔ ۲۰۶
نفیع بن ذوئب۔ ۲۷۸، ۲۷۹
نفیل بن عبد العزیٰ۔ ۳۷
نوشیروان۔ ۲۵۵

و

واسط۔ ۱۹۹، ۲۰۳، ۲۲۱

Marfat.com

واقعۂ افک۔ ۱۲۱

واقعۂ حرہ۔ ۱۷۵

وردان۔ ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۸۱

ورقہ بن نوفل۔ ۲۵۰

ولید بن عبدالملک۔ ۱۹۹، ۲۲۶، ۲۶۱، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰

ولید بن عتبہ۔ ۱۱۲

ولید بن مغیرہ۔ ۱۰۸

وہب بن منبہ۔ ۲۶۹، ۲۸۳

ہانی بن مسعود شیبانی۔ ۱۵۹

ہشام بن عبدالملک۔ ۲۳۰، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰

ہند بنت العوام۔ ۱۱۲

ہند بنت الفاکہ۔ ۱۱۳

ہندوستان۔ ۲۱، ۳۴، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۱۵

ہوازن۔ ۸۲

ہوذہ بن علی (ذوالتاج) ۱۶۱

ھ

ھجّین۔ ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵

ی

یاسر بن عامر۔ ۳۰

یثرب (مزید دیکھئے مدینہ) ۲۲، ۲۳، ۲۹، ۳۷

یحییٰ ابن کثیر۔ ۲۶۷

یرفاء۔ ۸۵

یزدگرد۔ ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹

یزید بن ابی حبیب۔ ۲۳۱، ۲۸۳

یزید بن ابی سفیان۔ ۲۶۰

یزید بن عبدالملک۔ ۲۷۵، ۲۷۶

یزید بن معاویہ۔ ۱۷۵، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰

یزید بن مہلب۔ ۲۲۳

یزید (مولیٰ ولید) ۲۷۵، ۲۷۶

یسار۔ ۲۳۰

یمامہ۔ ۱۹۷، ۲۶۷

یمن۔ ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۳۰، ۳۵، ۱۰۹، ۱۴۶، ۱۶۱، ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۲۸، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۹، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۸۳

یوسف۔ ۲۷۵، ۲۷۶

یونان۔ ۳۴، ۱۴۹، ۲۷۲

Marfat.com

کتابیات

عربی کتب

ابن ابی الحدید	شرح نہج البلاغہ	مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ۱۹۵۹ء
ابن اثیر جزری، ابوالحسن علی بن محمد	الکامل فی التاریخ	دارصادر، بیروت، ۱۳۸۵/ ۱۹۶۵ء
وہی مصنف	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	قاہرہ، ۱۹۷۰ء
وہی مصنف	النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر	مطبعہ خیریہ، مصر، ۱۳۲۲ء
ابن الجزری، شمس الدین محمد دمشقی	طبقات القراء	مصر، ۱۳۵۲ھ
ابن الجوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی	صفۃ الصفوۃ	دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۵ھ
ابن حبیب، محمد بغدادی	کتاب المحبر	دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۶۱ھ
ابن حزم الاندلسی، علی بن احمد	جمھرۃ انساب العرب	دارالمعارف، مصر، ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء
	جوامع السیرۃ	دارالمعارف، مصر
ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین	تہذیب التہذیب	دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ
وہی مصنف	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد	مقدمہ	دارصادر، بیروت
وہی مصنف	کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر	مصر
ابن خاکان، احمد بن محمد	وفیات الاعیان	مکتبہ النہضۃ المصریہ، قاہرہ، ۱۹۴۸ء
ابن سعد، ابوعبداللہ محمد	الطبقات الکبریٰ	دارصادر، بیروت، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء
ابن طقطقا، محمد بن علی بن طباطبا	الفخری	دارصادر، بیروت، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء
ابن عبدالبر ابی عبداللہ بن محمد	الاستیعاب	دارالجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء

Marfat.com

ابن عبد ربہ الاندلسی	العقد الفرید	مطبعۃ الجنہ، التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
ابن قتیبہ الدینوری، ابی محمد عبد اللہ بن مسلم	المعارف	قدیمی کتب خانہ، کراچی
	عیون الاخبار	مطبعہ دار الکتب، مصر، ۱۹۲۸ء
ابن القیم الجوزیہ	زاد المعاد	مکتبہ المنار الاسلامیہ، سعودی عرب، ۱۹۷۹ء
ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل ابن عمر	البدایہ والنہایہ	مطبعہ السعادۃ، مصر، ۱۹۳۲ء
وہی مصنف	تفسیر القرآن	اصح المطابع، کراچی
وہی مصنف	السیرۃ النبویہ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
ابن منظور افریقی	لسان العرب	بولاق، مصر، ۱۳۰۷ھ
ابن الندیم، ابو الفرج محمد	الفہرست	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۶ء
ابن ہشام	السیرۃ النبویہ	مصطفیٰ بابی حلبی، مصر، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
ابو تمام، حبیب بن اوس الطائی	دیوان الحماسہ	مصر، ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء
ابوداؤد، سلیمان ابن اشعث سجستانی	سنن ابوداؤد	اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
ابو عبید قاسم بن سلام	کتاب الاموال	مکتبہ الکلیات الازہریہ، قاہرہ، ۱۹۸۱ء
ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم	کتاب الخراج	مکتبہ سلفیہ، مصر ۱۳۸۲ھ
ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ	الجامع الصحیح (سنن ترمذی)	دار احیاء التراث العربی، بیروت
ابی حاتم، محمد بن حیان	السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء	دار الفکر، بیروت ۱۹۹۱ء
احمد بن حنبل	مسند	دار المعارف، مصر، ۱۹۴۹ء
احمد امین المصری	فجر الاسلام	الجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ، ۱۹۶۵ء
وہی مصنف	ضحی الاسلام	مکتبہ النہضۃ، مصر، ۱۹۳۵ء
الاصفہانی، ابو الفرج علی بن الحسین	کتاب الاغانی	مصر، ۱۳۲۳ھ

Marfat.com

آلوسی، شہاب الدین بغدادی	روح المعانی	ادارہ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۵ھ
آلوسی، شکری محمود	بلوغ الارب	مطابع دار الکتاب القربی، مصر
بخاری، امام محمد اسماعیل	الجامع الصحیح	دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
بغدادی، عبدالقاہر بن طاہر	الفرق بین الفرق	مطبعۃ المدنی، مصر
بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر	فتوح البلدان	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء
وہی مصنف	انساب الاشراف	یروشلم، ۱۹۳۶ء
جاحظ، ابی عثمان عمرو بن بحر	کتاب المحاسن والاضداد	مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
	البیان والتبیین	مطبعۃ الفتوح الادبیہ، مصر، ۱۳۳۲ھ
وہی مصنف	ثلاث رسائل	برل، لائیڈن ۱۹۰۳ء
جرجی زیدان	تاریخ التمدن الاسلامی	دار الہلال، مصر، ۱۹۴۷ء
	العرب قبل الاسلام	مطبعۃ الہلال، مصر، ۱۹۰۸ء
الجلالی، مولانا سید عبدالدائم	لغات القرآن	ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء
جہشیاری، ابن عبداللہ محمد بن عبدوس	کتاب الوزراء والکتاب	مصطفیٰ بابی حلبی، مصر، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء
جوہری، اسماعیل بن حماد	تاج اللغۃ وصحاح العربیہ	دار الکتب العربی، مصر
حسن ابراہیم حسن	النظم الاسلامیہ	قاہرہ، ۱۹۳۹ء
وہی مصنف	تاریخ الاسلام، السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی	قاہرہ، ۱۹۵۳ء
وہی مصنف	السیادۃ العربیہ والشعیہ و الاسرائیلیات فی عہد بنی امیہ	قاہرہ، ۱۹۳۳ء
دینوری، ابوحنیفہ احمد ابن داؤد	الاخبار الطوال	دار احیاء الکتب العربیہ، مصر، ۱۹۶۰ء
ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد	سیر اعلام النبلاء	دار المعارف، مصر
وہی مصنف	تذکرۃ الحفاظ	دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن۔ ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء
وہی مصنف	تاریخ الاسلام	قاہرہ، ۱۳۶۷ھ

Marfat.com

راغب الاصفہانی	المفردات فی غریب القرآن	اصح المطابع، کراچی، ١٣٨٠ھ/ ١٩٦١ء
زبیدی سید محمد مرتضیٰ حسینی	تاج العروس من جواہر القاموس	مطبعۃ خیریہ، مصر، ١٣٠٦ھ
زمخشری، محمود بن عمر	الکشاف	مطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ، ١٣٦٥ھ/ ١٩٤٦ء
زیات، احمد حسن	تاریخ الادب العربی	دار نہضۃ مصر، قاہرہ، ١٩٣٠ء
سمعانی، عبدالکریم بن ابی بکر	الانساب	لائیڈن، ١٩١٢ء
سیوطی، عبدالرحمٰن جلال الدین	تاریخ الخلفاء	مطبع مجتبائی، دہلی، ١٣٠٩ھ
طبری، ابوجعفر محمد بن جریر	تاریخ الرسل والملوک یعنی (تاریخ طبری)	دار المعارف، مصر، ٩ـ١٩٦١ء
وہی مصنف	جامع البیان (تفسیر طبری)	مصطفیٰ بابی حلبی، مصر، ١٣٧٣ھ/ ١٩٥٤ء
طٰہٰ حسین	الفتنۃ الکبریٰ	دار المعارف، مصر، ١٩٦١ء
عبدالباقی، محمد فواد	تفصیل آیات القرآن الحکیم	سہیل اکیڈمی، لاہور، ١٩٩٣ء
علی المتقی، شیخ	کنز العمال	دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ١٩٥٥ء
مالک، امام، ابن انس	الموطاء	اسلامی اکادمی، لاہور، ١٤٠٢ھ
مبرد، ابی العباس محمد بن یزید	الکامل فی اللغۃ والادب	مصر، ١٣٣٩ھ
محمد نبیہ حجاب، دکتور	مظاہر الشعوبیہ فی الادب العربی	مکتبہ نہضۃ، مصر، ١٩٦١ء
مرزوقی، شیخ ابی علی، الاصفہانی	کتاب الازمنہ والامکنہ	حیدر آباد دکن، ١٣٣٢ھ
	شرح دیوان الحماسہ	لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، مصر
مسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی	مروج الذہب ومعادن الجواہر	مطبعۃ السعادۃ، مصر، ١٣٦٧ھ
	التنبیہ والاشراف	مصر، ١٣٥٧ھ/ ١٩٣٨ء
مسلم، امام ابی الحسین ابن حجاج	جامع الصحیح (صحیح مسلم)	دار احیاء التراث العربی، بیروت
المصری، حسین مجیب، دکتور	صلات بین العرب والفرس والترک	مکتبہ الانجلو المصریہ، قاہرہ
میرزا ابوالفضل بن فیاض علی بن نوروز	غریب القرآن فی لغات الفرقان	حیدر آباد دکن، ١٩٤٧ء

Marfat.com

نجار، محمد طیب، الدکتور	تاریخ العالم الاسلامی الدولۃ الامویہ فی الشرق	مکتبہ معارف، ریاض، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء
نسائی، امام ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب	السنن الکبریٰ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء
ہیکل، محمد حسین	حیاۃ محمد	مصر، ۱۹۴۷ء
وہی مصنف	عمر فاروق	مصر، ۱۳۶۴ھ
واقدی، محمد بن عمر	کتاب المغازی	مطبعہ جامعہ آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء
وہی مصنف	فتوح الشام	مصطفیٰ بابی حلبی، مصر، ۱۹۳۴ء
یاقوت حموی، ابوعبداللہ	معجم البلدان	دارصادر، بیروت، ۱۹۵۷ء
یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب	تاریخ الیعقوبی	دارصادر، بیروت

اردو کتب

اصلاحی، امین احسن	تدبر قرآن	فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۶ء
اکبرآبادی، سعید احمد	اسلام میں غلامی کی حقیقت	دہلی، ۱۹۵۷ء
وہی مصنف	صدیق اکبر	دہلی، ۱۹۵۸ء
وہی مصنف	مسلمانوں کا عروج وزوال	ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴ء
برق، ڈاکٹر غلام جیلانی	یورپ پر اسلام کے احسان	شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۷۵ء
بدخشانی، پروفیسر مقبول بیگ	تاریخ ایران	مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء
حمیداللہ، ڈاکٹر محمد	رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی	دارالاشاعت، کراچی (بارششم)
وہی مصنف	خطبات بہاولپور	ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء
وہی مصنف	عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی	اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۱ء
داناپوری، ابوالبرکات، عبدالرؤف	اصح السیر	اصح المطابع، کراچی
عثمانی، مفتی محمد تقی	حضرت امیر معاویہؓ اور تاریخی حقائق	ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۶ء
(ڈاکٹر) غلام سرور	تاریخِ ایرانِ قدیم	کراچی، ۱۹۵۶ء

Marfat.com

فارق، خورشید احمد	قرنِ اوّل کا ایک مدبّر	مکتبۂ برہان، دہلی، ۱۹۶۱ء
گستاد لیبان، موسیو	تمدنِ عرب (مترجم مولوی سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی، لاہور
مودودی، ابوالاعلیٰ سید	اسلامی ریاست	اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۶ء
وہی مصنف	خلافت و ملوکیت	ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۸ء
وہی مصنف	تفہیم القرآن	ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۴ء
وہی مصنف	ترجمۂ قرآن مجید	ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۰ء
ندوی، سید سلیمان	تاریخِ ارض القرآن	مجلس نشریات اسلام، کراچی
ندوی، عبدالسلام	سیرت عمر بن عبدالعزیز	مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۶۵ھ
وہی مصنف	اسوۂ صحابہؓ	مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء
نعمانی، علامہ شبلی و ندوی، سید سلیمان	سیرۃ النبی ﷺ	مکتبۃ المعارف، اعظم گڑھ، (طبع چہارم)
نعمانی، علامہ شبلی	الفاروق	مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۷ء
	دائرۃ المعارف الاسلامیہ	دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۹ء

رسائل و جرائد

'المعارف' ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور اکتوبر ۱۹۸۱ء (ماہنامہ) کراچی

'آگہی' ماہنامہ کراچی جلد ۲ رشمارہ ۳/۴ بابت مارچ، اپریل ۱۹۹۰ء

انگریزی کتب

ENGLISH BOOKS

Ameer Ali. S.	"Spirit of Islam"	Karachi.	1969
"	"A Short History of the Saracens"	Karachi.	1986

Marfat.com

Arnold, T. W. & A. Guillaume	"Legacy of Islam"	London	1931
Arnold, T. W.	"Preaching of Islam"	London	1936
Brockelmann, C.	"History of the Islamic People" (Translated by J. Carmicbael & M. Perlmann)	London	1980
Browne, E. G.	"A Literary history of Persia"	New York	1920
Dennett, D. C.	"Conversion and the poll tax in Early Islam"	Cambridge	1950
Hell, Joseph	"The Arab Civilization" (Translated by S. Khuda Bakhsh)	Lahore	[illegible]
Hitti P. K.	"History of the Arabs"	London	[illegible]
Hitti P. K.	"History of Syria"	New York	1951
H. A. R. Gibb	"Studies on the civilization of Islam"	London	1962
Hughes T. P.	"A Dictionary of Islam"	London	1885
Hasan Ibrahim Hasan	"Islam, A Religious, Political, Social and Economic Study"	Baghdad	1967
Hernan Santa Cruz	"Racial Discrimination"	New York	1971
Ignaz Goldzaher	"Muslim studies" (MOHAMMEDAN ISCHE STUDIEN) Translated by C. R. Barner & S. M. Stern	London	1971
Levy, Reu Ben	"The Social Structure of Islam"	Cambridge	1957

Marfat.com

M. A. Shaban	"Islamic History, A new interpretation	Cambridge	1971
//	"The Abbasid Revolution"	Cambridge	1970
Munir. W.	"Caliphate its rise, decline and fall"	Beirut	1963
Nehru, J. L.	"Discovery of India"	Calcutta	1946
Noldeke. Theodor.	"The Historians' History of the World. (Vol. VIII)	London	1908
Nicholson, R. A.	"A Literary history of the Arabs"	Cambridge	1953
Pickthall, M.	"The Cultural Side of Islam"	Karachi	1993
Sarojni Naidio	"Speeches & Writings of Sarojni Naidio"	Madras	1918
Toynbee, A. J.	"Civilization on trial"	New York	1948
	"Encyclopaedia of Islam" (Vol. VI)	Leiden	1991
Wellhausen. J.	"The Arab Kingdom and its Fall"	Karachi.	1980
Watt. W. M.	"Muhammad at Mecca"	Karachi.	1993
	"Muhammad at Medina"	Karachi	1994

Marfat.com

"عرب اور موالی" نگار سجاد ظہیر کی پی، ایچ، ڈی کا مقالہ ہے، جس پر کراچی یونی ورسٹی نے انہیں ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی منظوری دی۔ مقالہ کا عنوان "پہلی صدی ہجری کے اسلامی معاشرے میں موالی کی سماجی حیثیت و عملی مرتبہ" تھا جسے مختصر کر کے "عرب اور موالی" کے نام سے کتابی شکل دی گئی ہے۔

مقالہ کے ممتحن حضرات ڈاکٹر سید سلیمان ندوی (ڈربن یونی ورسٹی، ساؤتھ افریقہ) اور ڈاکٹر عبدالحق انصاری (علی گڑھ، انڈیا) تھے۔ دونوں اساتذہ کی رپورٹس بھی شامل کتاب ہیں۔

اس سے قبل ڈاکٹر نگار کی مطالعہ تہذیب، دشت امکاں، جدید ترکی، اور مختار ثقفی جیسی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ وہ گذشتہ اکیس سالوں سے شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی میں درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں اور گذشتہ چار سال سے شعبہ کی چیئر پرسن ہیں۔

زیر نظر کتاب میں اسلام کی ابتدائی صدی میں عربوں اور موالی (غیر عرب نو مسلموں) خصوصا ایرانی موالی کے مابین تعلقات پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں بعض تاریخی مسلمات کی حیثیت تبدیل ہو گئی ہے۔

قیمت مجلد =/۲۵۰

غیر مجلد =/۲۲۰

ISBN-969-8448-33-0

Marfat.com